فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن (القرآن)
پس اہل علم سے سوال کرو اگر خودتم نہیں جانتے

الکلام المفید فی اثبات التقلید

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

Www.Ahlehaq.Com

فَسْـئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (قرآن کریم)

پس اہل علم سے سوال کرو اگر خود تم نہیں جانتے

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ (ابوداؤد ص ۴۹ ج ۱ و ابن ماجہ ص ۴۳ وغیرہ کتب حدیث)

اور یقینی بات ہے کہ عاجز کی شفاء تو دریافت کرنے ہی میں ہے

جب چھوڑ کر تقلید کو تم ہو گئے آزاد — ہے خوف کہ ایمان کو برباد کرو گے

الکلام المفید

فی

اثبات التقلید

جس میں ٹھوس اور صریح حوالوں سے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تقلید کی قطعی حرمت حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے معصوم عن الخطاء ہونے کی واضح دلائل سے تردید۔ عقاید و اصول دین میں تقلید کا بطلان اور رد غیر منصوص مسائل میں اجتہاد اور قیاس کا جائز اور صحیح ہونا۔ اور ایسے مسائل میں تقلید کا اثبات۔ حضرات غیر مقلدین سے بھی اس کا اقرار۔ تقلید شخصی اور غیر شخصی کی اصولی بحث۔ تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ۔ اور بعض غیر مقلدین حضرات کی خالص تعدّی اور ان میں سے بعض منصف مزاج حضرات کی میانہ روی۔ تقلید کے اثبات و نفی کے نقلی و عقلی دلائل اور ان کی اصلیت و حقیقت۔ جمہور اہل اسلام کا مقلد ہونا۔ تقلید کے آغاز و ترویج کا باحوالہ تذکرہ، حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مجتہد مطلق اور تابعی ہونا۔ فقہ حنفی کی مقبولیت، ترک تقلید کے نتائج اور فریق ثانی کی طرف سے تقلید پر کیے گئے جملہ اصولی اعتراضات کے جوابات اور احناف پر قیاس اور رائے کو حدیث پر مقدم کرنے کے الزام کی محکم اور باحوالہ تردید اور دیگر کئی ضمنی مسائل و ابحاث پر بفضل اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

ابو الزاہد محمد سرفراز

فہرست مضامین الکلام المفید

تمت بالخیر

عرضِ حال

مُبَسْمِلاً وَّمُحَمِّدِلاً وَّمُصَلِّياً وَّمُسَلِّماً ، امابعد

الکلام المفید کا اصل مسودہ تو کافی عرصہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ ، ۲۲ فروری ۱۹۴۹ء سے مرتب اور مدوّن تھا لیکن بعض ابحاث کی تکمیل کے سلسلہ میں کچھ کتابیں درکار تھیں جو آسانی سے میسر نہ ہو سکیں اور ان کے حصول کیلئے کافی کاوش کی گئی اور ان کی طرف مراجعت کیے بغیر کتاب ادھوری رہتی اس پر مستزاد یہ کہ تعلیم و تدریس اور دیگر کتب کی تالیف کی وجہ سے اس طرف توجہ بھی زیادہ مبذول نہ کی جا سکی اور ملک کے اطراف سے الکلام المفید کی طباعت کرنے کے مسلسل خطوط آتے رہے مگر ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اس میں تقدیم و تاخیر مخلوق میں سے کسی کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے باوجود بے حد مصروفیات و علالت اور کبر سنی کے اب اُسے اصل مسودہ پر کچھ مزید اضافات کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے یہ کہنا تو بے جا ہوگا کہ یہ کتاب تقلید کے مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کو بادلائل اجاگر کرنے میں آخری کتاب ہے کیونکہ راقم اثیم کی بے بضاعتی ایسا کہنے کی اجازت نہیں دیتی جب کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ کا ارشاد ربانی بھی پیش نظر ہے مگر بفضلہ تعالیٰ قارئین کرام خود بخوبی محسوس کریں گے کہ تقلید کے متعلق اصولی و فروعی ابحاث اور اس کے مالہ و ما علیہ پر باحوالہ ایسی یکجا بحث کسی ایک کتاب میں ان شاء اللہ العزیز نہیں ملے گی تعصب اور ضد سے بالاتر ہو کر علمی طور پر ہماری خامیوں پر آگاہ کرنے والے حضرات کا ہم بحمد اللہ تعالیٰ تہ دل سے شکریہ ادا کریں گے اور قابلِ اصلاح غلطیوں کی ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اصلاح کریں گے اور ایسا ہرگز نہ کریں گے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ ؎

نہ میں اُن کی مانوں نہ وہ ناصحوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

باقی رہے وہ جذباتی حضرات جو تعصب کے جذبات کے رَو میں بہہ کر سب و شتم اور طعن و تشنیع پر اتر آتے ہیں تو نہ تو اُن کے طعنوں کا ہم نے پہلے کبھی جواب دیا ہے اور نہ آئندہ اس کا ارادہ ہے۔ یہ عرض کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اس کتاب میں جس طرح غیر مقلدین حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

وہاں مقلدین کی اصلاح اور علمی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تا کہ افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے اجتناب کیا جا سکے اور اصل حقیقت پر نگاہ رکھی جا سکے ہمارے پیش نظر کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ مسئلہ تقلید کی اصلیت کو واضح کرنا ہے اگر بعض حوالوں سے کسی پر ناگواری گذرے یا علمی جواب اور گرفت کسی کے مزاج کے موافق نہ ہو تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے جب کہ ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ ایسی تفصیل عوام کے سامنے آنے سے خاصے مزاج برہم ہوں گے کیونکہ اُن کی گاڑی اجمالی اور گول مول باتوں پر ہی رواں دواں ہو سکتی ہے اور تفصیل سے سب اُلجھیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رفع ہو جاتی ہیں۔ قارئین کرام سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ مسئلہ تقلید کی نزاکت کے پیشِ نظر ٹھنڈے دل سے ساری کتاب کو پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں چند حوالوں کو یا کسی ایک ہی بحث کو پلّے نہ باندھ لیں کیونکہ تقلید کی بعض قسمیں خالص شرک بدعت اور ناجائز ہیں ان کو جائز کہنے والا اور ان پر عامل کب فلاح پا سکتا ہے؟ اور بعض قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں ان کے انکار کرنے سے قرآن و حدیث اور اکثر امت کے تعامل کا انکار ہوگا اور مسلمان کو کافر و مشرک اور بدعتی کہہ کر بھی کب کوئی اُخروی نجات حاصل کر سکتا ہے؟ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر کتب کی طرح اس کو بھی درجۂ قبولیت عطا فرمائے اور راقم اثیم کے لیے زادِ آخرت بنائے اور پڑھنے والوں کو بصارت سے دیکھنے کے ساتھ بصیرت کے ساتھ دیکھنا بھی نصیب فرمائے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

قارئین کرام! بعض مقامات پر کچھ حوالے مکرر بھی آپ کو نظر آئیں گے مگر بامر مجبوری ایسا کیا گیا ہے۔

ولا یخفی علی العالم

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز

۵ رجب ۱۴۰۴ھ
۸ اپریل ۱۹۸۴ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی قال اللّٰہ تعالٰی اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا وقَالَ اللّٰہُ تعالٰی فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ وَقَالَ اللّٰہُ تعالٰی وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ وَقَالَ اللّٰہُ تعالٰی وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ وَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم انما شفاء العِیِّ السُّؤَالُ

باعثِ تالیف

انسان ایک محتاج مخلوق ہے جو اپنی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ میں ہر چیز کا محتاج ہے مادی خوراک ہو یا روحانی غذا اس کو حاصل کرنے کے ظاہری اسباب ہوں یا باطنی وہ ہمہ وقت ان میں سے ہر ایک کا طلبگار اور خواہاں رہتا ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انسان کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ وہ کس چیز کا محتاج نہیں؟ لیکن پھر بھی بعض امور مادی دنیا میں اور بعض مسائل روحانی عالم میں بسا اوقات مختلف ضرورتوں کے پیش نظر بہت ہی اہم ہو جاتے ہیں اور وقتی طور پر انسان کو اپنی تمام تر توجہ ان کی طرف مبذول کرنا پڑتی ہے۔ اس تالیف کا باعث اور سبب بعض غیر مقلدین حضرات کی بے حد زیادتیاں اور چیرہ دستیاں ہیں جن کے زعم فاسد میں اپنے سوا باقی سب فرقے گمراہ، مشرک اور کم از کم بدعتی ہیں۔ اس گروہ کی قدرے تفصیلی عبارتیں ہم نے احسن الکلام اور طائفہ منصورہ میں باحوالہ نقل کر دی ہیں یہاں اختصاراً بعض حوالے اور مصدقین نتائج التقلید کے چند حوالے عرض ہیں۔

(۱) مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابو الشکور عبد القادر حصاروی لکھتے ہیں

کہ حق مذہب اہلحدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہلحدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں بلفظہٖ (سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان ص۴۲)

اور نیز لکھتے ہیں کہ مقلدین حنفیہ کے ہر دو فرقے دیوبندی اور بریلوی بلاشبہ گمراہ ہیں اور اہلحدیثوں جیسے مسلمان

نہیں (ص۵) اور لکھتے ہیں کہ

خواص تو جانتے ہیں میں عوام کی خاطر کچھ عرض کرتا ہوں کہ مقلدین موجودہ دس وجہوں سے گمراہ اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں جن سے مناکحت (شادی) جائز نہیں ہے وجہ اوّل یہ کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے (ص۵) اور مزید لکھتے ہیں کہ سچا فرقہ اور ناجیہ اہل حدیث ہے باقی سب فی النار والسقر ہیں لہٰذا مناکحت فرقۂ ناجیہ کی آپس میں ہونی چاہیے اہل بدعت سے نہ ہوتا کہ مخالطت لازم نہ آئے (ص۲۳)

اور لکھتے ہیں کہ حنفیوں کے عقائد و اعمال ذکر کر کے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ مشرک اور بدعتی ہیں اور بدعتی کے بارہ میں حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح آٹے سے بال نکل جاتا ہے جب قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین کو نکاح نہ دو اور نہ مشرکہ عورتوں سے نکاح کرو تو پھر اس زمانہ کے مدعیانِ عمل بالحدیث کس منہ سے اہلحدیث بنتے ہیں جو اہل بدعت حنفی مذہب والوں کو اپنی لڑکیاں دے رہے ہیں یہ دیدہ دانستہ قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کر رہے ہیں الخ (ص۱۵) نیز احناف کے بارے لکھتے ہیں

کہ مجھے تو ان کے مذہب میں قطعاً کوئی بھلائی نہیں دکھائی دیتی بلکہ ظلمات اور سیئات ہی نظر آ رہے ہیں۔

(نتائج التقلید ص۵۰)

ان اقتباسات سے بالکل عیاں ہو گیا کہ بقول موصوف کے حنفی گمراہ اور فرقۂ ناجیہ سے خارج ہیں اور ان کے گمراہ مشرک اور بدعتی ہونے کی پہلی وجہ تقلید شخصی ہے جو بقول ان کے سراسر حرام اور ناجائز ہے۔

(۲) غیر مقلد عالم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی۔ بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا الآیۃ کے مضمون پر مشتمل آیات کریمات نقل کر کے (جن کی تفسیر اور تشریح باحوالہ آگے آ رہی ہے ان شاء اللہ العزیز) ان سے بزعم خویش یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ۔ آپ قرآن کریم پر سرسری نظر ڈالیے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ انبیاء کی تعلیم کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا وہ مقلدین تھے وحی الٰہی کو سب سے زیادہ دھکا دینے والی چیز تقلید ہی ہے۔ الخ (طریق محمدی ص۱۴) نیز لکھتے ہیں کہ الغرض اتباع رسول کو پرے پھینکنے کا آلہ ہر زمانے کے مخالف رسول لوگ اپنے کام میں لاتے رہے یہی تقلید ہے اگر تقلید کی مذمت میں صرف یہی آیتیں ہوتیں جب بھی اس کی بدترین حرمت ثبوت کے لیے کافی تھیں کہ یہ وہ چیز ہے جو اصل اسلام سے دنیا کو روکتی ہے الخ (ص۱۵) ان شاء اللہ العزیز اپنے مقام پر مفصل بحث آ رہی ہے کہ ان آیات کریمات میں کس تقلید کی تردید ہے؟ اور اہل اسلام کس تقلید کے قائل ہیں؟ لیکن غیر مقلدین کے اس وکیل پر سخت حیرت ہے کہ ان کو تقلید کے مفاسد اور مضرات تو نظر آئے ہیں۔

لیکن ترکِ تقلید کا کوئی بُرا اثر سرے سے دکھائی نہیں دیا وہ انشاء اللہ العزیز ہم عرض کریں گے کیونکہ ؎

وبضدھا تتبیّن الاشیاء

آپ کو آتا رہا میرے ستانے کا خیال — صُلح سے اچھی رہی مجھ کو لڑائی آپ کی

تقلید اور مقلّدین کی مذمت میں مزید حوالے

ہمارے ہاں تو تقلید کی تفصیل ہے وہ یہ کہ قرآن وحدیث اور اجماع کے دلائل کی موجودگی میں یا اُن کے مقابلہ میں تقلید حرام ناجائز مذموم اور بدعت ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے لیکن اگر کسی مسئلہ کی ان میں صراحت موجود نہ ہو تو ایسے موقع پر کسی مجتہد کی تقلید جائز ہے اور کسی ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلف عہدہ برا ہو جاتا ہے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔ جیسا کہ اسی پیش نظر کتاب میں اس کی باحوالہ مفصل بحث موجود ہے۔ مگر اکثر غیر مقلدین حضرات بلا کسی تفصیل کے تقلید اور اہل تقلید کی مذمت کرتے ہیں جس سے بعض لاعلم لوگ اور خصوصاً خود ان کے اپنے ہم مسلک عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ تقلید مطلقاً بُری چیز ہے اور مقلدین مشرک بدعتی اور کم از کم غلط کار اور گنہگار اور عوام کالانعام ہیں ہم ان کے بعض اقوال باحوالہ نقل کرتے ہیں۔

(۳) غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا ابو سعید شرف الدین صاحب محدث دہلوی نتائج التقلید کی تصدیق میں لکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب اپنی نظیر آپ اور بے حد مفید ہے۔ اس لیے کہ اہل تقلید وغیرہ عوام کالانعام جو اہل حق پر غلط اعتراض کیا کرتے ہیں الخ (نتائج التقلید ص الف)

اور مقلدین کے مکائد ومغالطوں کے پول کھول کر آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں (ص ش)

(۴) ماہر تاریخ مولانا عبد الشکور صاحب ناظم دار العلوم اہلحدیث شکراوہ ومدیر معاون اخبار اہلحدیث دہلی لکھتے ہیں کہ۔ تقلید کے حقیقی معنی اور مفہوم آزادی رائے آزادی خیال آزادی عقیدہ سے بہت دور ہیں حتّٰی کہ لفظ تقلید کا وجود کتاب اللہ الحمید اور دفتر احادیث میں قطعاً موجود نہیں (تقلید کا مادہ قلادۃ ہے جس کا معنی گلے کا ہار اور پٹہ ہے وَلَا الْقَلَآئِدَ کا جملہ قرآن کریم میں موجود ہے پ المائدہ ۱۰ اور بخاری ص ۲۳۰ ج ۱ میں باب تقلید الغنم۔ باب القلائد من العھن اور اور باب تقلید النعل مستقل ابواب موجود ہیں جن میں پیش کردہ مرفوع احادیث میں فیقلد الغنم اور قلّت قلائدھا کے الفاظ موجود ہیں اور مسلم ص ۴۲۵ ج ۱ میں بھی فقلدھا کے الفاظ مرفوع حدیث میں موجود ہیں مگر غیر مقلدین کو یہ لفظ قرآن و حدیث میں بالکل نظر نہیں آتے اور یہ لفظ ہار کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ آگے استعارت (عائشہؓ) من اسماء رضہ قلادۃ کے الفاظ تقلید کے لغوی معنی میں آ رہے ہیں یعنی قلادۃ جب انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے

گلے میں ہو تو پٹہ کہلاتا ہے) بلکہ تقلید کی بدعت قرون اولیٰ کے مدت مدید بعد جاری ہوئی ہے (ص ۵)

حقائق و شواہد سے ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہؒ کے فتاوے و فقہ کو ہم تک پہنچانے کے لیے جو وسائل و ذریعے اختیار کیے گئے ہیں وہ صحیح و درست اور موثق نہیں اور بالکل نہیں (ص ۶) پیروی اور اتباع صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی فرض ہے غیر نبی کی تقلید اور اتباع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ بغداد کا خونچکاں حادثہ اور افسوسناک تباہی جس میں اٹھارہ لاکھ مسلمان مقتول ہوئے اہل تاریخ نے بالاتفاق اس کا واحد سبب شوافع و احناف کی فرقہ پرستی اور فتنہ بازی بیان کی ہے۔ غرضیکہ مقلدین حضرات نے تقلید کو خالص اسلام قرار دے کر کتاب و سنت پر جو مظالم کیے اور مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے مولانا اشرف صاحب نے نتائج التقلید میں اس کا مختصر نمونہ بالکل صحیح حوالہ جات سے بیان کیا ہے (ص ۷)

تاریخ سے ناواقف اور خالی الذہن آدمی جب یہ سطحی اور بے حقیقت بات پڑھیگا تو یقیناً وہ یہی تاثر لے گا کہ سچ مچ فتنۂ تاتار اور مسلمانوں اور بغداد کی تباہی کا سبب واقعی مقلدین کے فروعی مسائل اور احناف و شوافع وغیرہم کے تقلیدی کارنامے تھے تو پھر تقلید کے مذموم اور معیوب ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے اس لیے ہم اس پر قدرے باحوالہ بحث کرتے ہیں۔

سقوط بغداد کا سبب

بغداد کی تباہی کا سبب بجائے سنی اور شیعہ اختلاف اور تاتاری فتنہ کو حنفی اور شافعی اختلاف قرار دینا اور پھر اس کو تاریخ کا اتفاقی امر باور کرانا خالص جہالت اور نرا تعصب ہے بغداد کی تباہی اور لاکھوں مسلمانوں کا اس میں شہید و ہلاک ہونے کا حقیقی سبب تو دین اسلام سے دوری اور خود رائی کی زندگی اختیار کرنا تھا اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ ابن علقمی شیعی جو خلیفہ مستعصم باللہ (المتوفی ۶۵۶ھ) کا وزیر اعظم تھا خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا۔ اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا (دول الاسلام ص ۱۱۹ ج ۲ علامہ ذہبیؒ) اور وہ مستعصم پر حاوی تھا اس نے فوج کے ایک حصہ کو برخاست کرنے کا مشورہ دیا اور خلیفہ نے مان لیا فوج برخاست کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ مؤرخ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلایا والی اربل کے ذریعہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا (ابن خلدون ص ۵۳۷ ج ۳) حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی حکومت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں سے خط و کتابت کی (دول الاسلام ص ۱۱۹ ج ۲)

مؤرخ ابو الفداءؒ کا بیان ہے کہ ابن علقمی نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے لکھا اور اپنے بھائی کو زبانی

پیام دیکر ان کے پاس بھیجا (ابو الفدار صفحہ ۱۹۳ ج ۳) امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ مستعصم کو اپنے وزیر موید الدین ابن علقمی شیعی پر بڑا اعتماد تھا اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا وہ خلیفہ سے جس طرح چاہتا تھا کھیلتا تھا تاتاریوں سے ملا ہوا اور ان کا ہوا خواہ تھا اس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دلائی اور ان کی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھتا تھا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۷۶)

ابن علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیر الدین طوسی کو ہلاکو خان کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا ہلاکو کے دل میں اسکی منزلت تھی کہ وہ اس کے ہر مشورہ پر عمل کرتا تھا (الوافی بالوفیات صلاح الدین صفدیؒ صفحہ ۱۷۹ ج ۱) ہلاکو خان خلیفۃ المسلمین اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بڑا خائف اور ہراساں تھا مگر طوسی نے یہ کہہ کر ہلاکو خان کی ہمت بڑھائی کہ "عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ بر یحیٰی بن زکریا (علیہما الصلوٰۃ والسلام) میرسد نہ بر حسین بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وایں ہر دو را عادی بر تیغ سر برید ند وجہاں ہم چناں برقرار است، یعنی اس جہاں میں عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ جہان کی طبیعت کے مطابق امور جاری ہوتے ہیں خلیفہ مستعصم باللہ نہ تو شرافت میں حضرت یحیٰی بن زکریا علیہما الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے اور نہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو۔ دشمنوں نے ان دونوں کے سر قلم کر دیئے مگر جہاں اسی طرح برقرار ہے (تو بھی ہمت کر اور آگے بڑھ) چنانچہ ذوالحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر فوج کشی کی اور بغداد کو تباہ کر دیا مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔ (ابن خلدون صفحہ ۵۳۷ ج ۳)

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس نمک حرامی کے صلہ میں ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور چند ہی دنوں کے بعد وہ مر گیا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۸۲) یہ سب حوالے تاریخ اسلام نصف ثانی صفحہ ۶۸۹ تا ۶۹۲ مصنفہ شاہ معین الدین احمد ندویؒ میں مفصل مذکور ہیں) الغرض بغداد کی تباہی کا سبب شوافع اور احناف کی فرقہ پرستی کو قرار دینا اور اس کو اہل تاریخ کا اتفاقی قول بتانا نری جہالت اور تاریخ اسلام سے بے خبری پر مبنی ہے محض کسی کو ماہر تاریخ لکھ دینے سے وہ ثقہ مورخ نہیں بن سکتا اور نہ تاریخ سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والا کبھی ایسی سطحی بات سے مغالطہ کھاتا ہے۔ ؎

بھولے تھے نہ بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی ہم　　ایسا نہ کیا تھا نہ کیا ہے نہ کریں گے

(۴) محدث راجپوتانہ مولانا ابو محمد عبد الجبار صاحب لکھتے ہیں۔ مگر افسوس فرقہ مقلدین احناف پر کہ وہ بوجہ تقلید شخصی

کے جو ایک بدعتِ نو ایجاد ہے جس کی وجہ سے آدمی جہالت میں رہتا ہے (ص ۱) چوٹی کی کتب فقہ حنفیہ ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں (ص ۳) بھائیو! دیوبندی جماعت کی مثال ایک ہاتھی کی سی ہے جس کے دکھانے کے دانت اور ہیں اور کھانے کے اور (ص ۴)

(۵) شیخ الکل حضرت میاں صاحب دہلوی کے مدرسہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب دہلوی لکھتے ہیں، نیز اکابر علماء دیوبند کے عشق و محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ادعاء اتباع کتاب و سنت اور خدمت کتاب و سنت وغیرہ کے ڈھول کے پول کو ظاہر کرنے کے لیے ان کی قرآن مجید کے نام پر موضوع آیات اور کتب حدیث میں قطع و برید اور تحریف و اضافہ وغیرہ کی اصح الصحیح مثالیں پیش کر دی ہیں (ص ۵)

(۶) مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالوی سابق ناظم جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کہتے ہیں علماء دیوبند، علماء دیوبند کو ان کی علمی خدمات نے اتنا ہی اونچا کیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا اور ذہنی طور پر جماعت کو قلاش کر دیا اس علمی مرکز دار العلوم دیوبند کی پیداوار خیالات کے لحاظ سے تین قسم پر ہے (۱) مولوی انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کا رجحان بدعت کی طرف ہے اور اہل حدیث سے انتہائی بغض ہے (۲) مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے معتقدین میں بدعت کم ہے مگر اہل حدیث سے بے حد بغض (۳) مولوی حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدوں میں توحید کی حمایت اور اہل توحید سے محبت تو ہے لیکن بعض کو سُنت سے بہت زیادہ بغض ہے۔ (سُنّت سے بغض نہیں غیر مقلدین کی کوتاہ فہمی اور کجروی سے بغض ہے۔ صفدر) مدرسہ دیوبند میں اختلاف کے ساتھ جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ اہلحدیث سے بُغض ہے۔ دیوبندی احناف نرم ہو کر سُنت سے بہکاتے ہیں۔ اور مولوی احمد علی لاہوری وغیرہ اور بعض دوسرے لوگ اس راہ میں غلط بیانی سے بھی پرہیز نہیں کرتے مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے چونکہ توحید میں ایک حد تک اشتراک ہے اس لیے اہلحدیث ان حضرات پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں لیکن ان حضرات میں سنّت اور اہلحدیث سے بغض طبیعت ثانیہ ہو چکی ہے ان حضرات پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیے اس پہلو کو نتائج التقلید میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہیئے تاکہ یہ باہمی اعتماد ختم ہو جائے آپس میں اختلاط سوچ سمجھ کر ہو اور گروہی حقائق کو نہ بدل سکے (اہلحدیث بھائیوں کو فاضل محترم کی نصیحت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ نتائج التقلید (ص ق) یہ غیر مقلدین کے اس بزرگ کا بیان ہے جو سیاسی طور پر بڑے متین اور سُلجھے ہوئے اور صلح الکل تصور ہوتے تھے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

(۸) مولانا ابو محمد عبد الستار صاحب کراچی خادم جماعت غرباء اہلحدیث لکھتے ہیں، ماشاء اللہ آپ نے اس میں تقلید شخصی

کی بہت اچھی بیخ کنی کی ہے اور تقلید کے زہریلے اور بدنتائج سے موحدین کو آگاہ کیا ہے علاوہ ازیں مقلدین احناف کی تقلید کے ڈھول کا پول قرآن حدیث کے مضبوط و مستحکم اور لاجواب تارپیڈو سے پاش پاش کر دیا ہے (ص۔۔۔)

(۹) مولانا محمد اسحاق صاحب صدر المدرسین و شیخ الحدیث تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ) لاہور لکھتے ہیں کہ۔ مگر دیوبندی حضرات پر افسوس ہے جو خود دوسرے فرقوں کی نسبت اہلحدیث سے قریب ہونے کے باوجود تقلید جامد کی ظلمت میں پھنسے رہنے کے باعث اہلحدیث پر بہتان باندھنے ان کے خلاف نفرت پھیلانے ان کے اہل علم کا استخفاف کرتے اور کتاب و سنت کی نشر و اشاعت میں ان کی مساعی جمیلہ کو بنظر استحقار دیکھنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں (ص۔۔۔)

مولانا نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ اہلحدیث سے ان لوگوں کے بغض و عداوت کی اصل وجہ صرف یہی تقلید جامد ہی ہے جس نے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو ناکارہ کر رکھا ہے (ص۔۔۔)

(۱۰) مؤلف نتائج التقلید لکھتے ہیں۔ کہ مقلد اور متبع سنت کا اتحاد اور باہمی رواداری اور عقیدت ناممکن ہے، خصوصی دیوبند حضرات سے الخ (حاشیہ ص۔۔۔)

(۱۱) مولانا عبدالجلیل صاحب دہلوی مدیر صحیفہ اہلحدیث کراچی لکھتے ہیں۔

کہ تقلید کے ایسے بدنتائج ایسے زہریلے اثرات سریع اور دور تک پھیلانے والے جراثیم ہیں کہ ان کی تعدی ان کے حملوں اور ان کی لپیٹ سے کلام اللہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین عظام محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بڑے سے بڑے ارباب علم و فضل محفوظ و مامون اور سلامت نہیں رکھنے (ص۔۔۔)

(۱۲) صدر المدرسین رحمانیہ دہلی مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے وہ حضرات جو دیوبندی صاحبان سے کسی قسم کا حسن ظن رکھتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں دیوبندی مسلک سے وابستہ سب ہی حضرات اہل سنت اور اہلحدیث سے انقباض اور بغض و نفرت میں مشترک ہیں (ص۔۔۔)

اللہ تعالیٰ دیوبندی مولوی صاحبان کے مکائد سمجھنے اور ان سے ہوشیار رہنے کی توفیق بخشے (ص۔۔۔)

غیر مقلدین حضرات کے تقلید اور اہل تقلید کے متعلق یہ چند حوالے مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ ان کی متعدد کتابیں مثلاً معیار الحق۔ ظفر المبین۔ ہدایۃ البلید فی رد التقلید الارشاد الی سبیل الرشاد۔ حقیقۃ الالحاد۔ تاریخ اہلحدیث، تقلید شخصی و سلفی طریق محمدی ضرب محمدی اسبیل رسول اور نتائج التقلید وغیرہ کتابیں اسی تعصب سے پُر ہیں ان کتابوں کے مؤلفین اور ان کے جملہ مصدقین نے دنیا کی تمام مذہبی اور سیاسی قباحتیں تقلید میں بند کر دی ہیں اور بلا کسی تفصیل کے سب برائیوں کی جڑ تقلید بتائی ہے اس لیے ہم بھی کچھ سوچنے اور لکھنے پر مجبور ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور

غیر مقلدین نے کیا بنا ڈالی ہے؟ اگرچہ علماء ربانی نے مختلف زبانوں اور متعدد اسالیب میں اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو پر قدیماً وحدیثاً بہت کچھ تحریر فرمایا ہے مگر راقم اثیم کا بھی خیال ہوا کہ ایک نئے طرز اور جدید انداز میں اس پر کچھ تحریر کر دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شاید کہ فریق ثانی کے منصف مزاج حضرات پوری حقیقت سامنے آنے کے بعد اپنی ضد عناد اور تعصب سے باز آجائیں اور جمہور امت کی تجہیل و تفسیق کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ خریدیں اس لیے کہ عوام لاعلمی کے وقت غیر منصوص مسائل میں حضرات ائمہ دین کا دامن چھوڑ کر کب کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ انہیں حضرات کی سعی سے دنیا میں علم و عرفان کی روشنی پھیلی ہے۔ اور مسلمانوں میں علمی ذوق و شوق اور شعور پیدا ہوا ہے ؎

علم کے دریا کا سرچشمہ ترے دیوار و در　　　تجھ سے ملتی ہے جہاں کو وسعت فکر و نظر

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی رسولہ خیر خلقہ وعلی آلہ واصحابہ

وازواجہ واتباعہ الی یوم الدین آمین

ابوالزاہد محمد سرفراز

مقدمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور اس کے بارے بعض ضروری اور اہم باتیں یہاں ہی عرض کر دیں۔

تقلید کا لغوی معنیٰ

تقلید کا مادہ قلادۃ ہے یہ قلادۃ جب انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے گلے میں ہو تو پٹہ کہلاتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے استعارت من اسماءؓ قلادۃ الحدیث (بخاری ص۴۸ ج۱ و ص۵۳۲ ج۱ و مسلم ص۱۶۰ ج۱) حضرت اسماءؓ سے ہار مانگا تھا (اور پہنا)

اور نیز انہوں نے فرمایا کہ

اِنسلّت قلادۃ لی من عنقی فوقعت الحدیث — میرا ہار گردن سے سرک کر نیچے گر پڑا

(مسند احمد ص۲۷۲ ج۶)

اور حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے باب القلائد الخ اور استعارۃ القلائد کے مستقل ابواب قائم کیے ہیں جن میں ہار پہننے اور ضرورت کے وقت عورتوں کا ایک دوسری سے ہار مانگنے کا تذکرہ ہے پھر احادیث سے اس کا اثبات کیا ہے (ملاحظہ ہو بخاری ص۸۷۲ ج۲ و ص۸۷۴ ج۲)

مشہور لغوی علامہ قرشیؒ فرماتے ہیں کہ

تقلید در گردن افگندن حمیل وغیر آن کسے (صراح ص۱۴۳ طبع مجیدی کانپور) — تقلید کا معنیٰ کسی کے گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا

اور نیز فرماتے ہیں

وچیزے در گردن ستور قربانی در آویختن بجہت علامت (ص۱۴۳) — اور قربانی کے جانور کی گردن میں بطور علامت کوئی چیز لٹکا دینا۔

اور امام ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ

تقلید الھدی ان یعلق بعنق البعیر قطعۃ نعل او مزادۃ لیعلم انہ ھدی (المغرب ص۱۳۱ ج۲ طبع دائرۃ المعارف دکن) — قربانی کے جانور کی تقلید یوں ہے کہ اونٹ (وغیرہ) کے گلے میں جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا باندھ دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔

اور علامہ ابن الاثیر (ابو السعادات مبارکؒ بن محمدؒ المتوفی ۶۰۶ھ) اور علامہ محمد طاہرؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) بھی یہی معنیٰ

کرتے ہیں کہ گائے اور اونٹ وغیرہ کی گردن میں کوئی چیز ڈالنے کو تقلید کہتے ہیں (النہایۃ ج۴ ص۲۰۵ و مجمع البحار ج۳ ص۱۶۶) اور لغت کی جدید اور معروف کتاب مصباح اللغات ص۷۰۴ میں ہے۔

قَلَّدَہٗ فِی کَذَا - اس نے اس کی فلاں بات میں بغیر غور و فکر کے پیروی کی تقلید کے اس لغوی معنی میں مُقلِّد اپنے امام پر اس کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے قول کو اپنے گلے کا ہار بناتا ہے۔ الحاصل لفظ قلادہ جب انسان کے لیے بولا جائے گا تو اس سے ہار مراد ہوتی ہے اور جب حیوان کے لیے بولا جائے تو اس سے گلے کا پٹہ مراد ہوتی ہے انسان کے لیے بجائے ہار کے حیوانوں کا پٹہ ہی مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا نہ صرف یہ کہ عقل کی خامی ہے بلکہ اخلاقی پستی بھی ہے۔

تقلید کا اصطلاحی معنی

بجائے اس کے کہ ہم تقلید کا اصطلاحی اور عُرفی معنی اصول فقہ اور دیگر کتابوں (مثلاً مسلّم الثبوت، التوضیح والتلویح، تحریر الاصول۔ فواتح الرحموت۔ نامی المستصفیٰ، غایۃ التحقیق، مختصر الحصول، منہاج الاصول۔ اصول ابن الحاجبؒ، عقد الفرید، ضوء المعالی شرح بدأ الآمالی۔ اور شرح جمع الجوامع وغیرہ) سے نقل کریں اور اس کے لیے طویل راستہ اختیار کریں زیادہ بہتر اور مناسب سمجھتے ہیں کہ فریق ثانی کے شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) سے نقل کر دیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ معنی تقلید کے اصطلاح میں اہل اصول کی یہ ہیں کہ مان لینا اور عمل کرنا ساتھ قول بلا دلیل اس شخص کے جس کا قول حجت شرعی نہ ہو۔ تو بنا بریں اس اصطلاح کی رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی۔ (کیونکہ لاعلمی کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ شخص اہل الذکر اور اہل علم کی بات ماننے کا شرعاً مکلف ہے۔ صفدر) بلکہ اس کو اتّباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عُرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عُرفی میں مجتہدوں کے اتّباع کو تقلید بولا جاتا ہے الخ (معیار الحق ص۹۶) اور پھر عقد الفرید کا حوالہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور فاضل (حبیب اللہ) قندھاری مختصر الحصول میں فرماتے ہیں (ہم حضرت میاں صاحبؒ کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا ہے جس کا قول حُجّتوں شرعیہ میں سے نہ ہو سو رجوع کرنا آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اجماع کی طرف تقلید نہ ٹھہری اور اسی طرح رجوع کرنا انجان کا مفتی کے قول کی طرف اور رجوع کرنا قاضی کا ثقہ آدمی کے قول کی طرف تقلید نہیں ٹھہرے گی کیونکہ یہ رجوع بحکم شرع واجب ہے بلکہ رجوع کرنا مجتہد یا انجان کا اپنے جیسے آدمی کی طرف تقلید نہیں لیکن مشہور یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے

امام الحرمینؒ نے کہا ہے کہ اسی قول مشہور پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور غزالیؒ اور آمدیؒ اور ابن الحاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں، پس ثابت ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا مجوّز ہے انتہیٰ بلفظہ (معیار الحق ص۶۷) اس مفصل عبارت سے ذیل کے اہم فوائد ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) لاعلمی کے وقت کسی مسئلہ میں مجتہدین کی طرف رجوع کرنا درحقیقت تقلید نہیں بلکہ اتباع اور سوال ہے۔

(۲) مجتہدین کی اتباع کو تقلید بھی کہا جاتا ہے یعنی بالمآل اتباع اور تقلید ایک ہی چیز ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) لاعلم اور انجان آدمی کا مفتی کے قول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ یہ بحکم شرع واجب ہے لیکن بڑے بڑے اصولیوں کے قول کے مطابق اس کو تقلید کہنے میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

(۴) جس طرح مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کو بھی تقلید کہنا جائز ہے اس تفصیل کو ملحوظ رکھنے کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مجتہدین کی اتباع اور تقلید کرتا ہوں یا یہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقلد ہوں تو درست اور صحیح ہے اور اس پر کوئی ملامت اور لعن طعن نہیں ہو سکتا اور نیز جو حضرات تقلید اور اتباع کو ایک ہی مفہوم میں لیتے ہیں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو سکتی مثلاً

۱۔ حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ صاحب تھانویؒ (المتوفی سنہ ھ) تقلید کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ۔

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدًا الحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر او فعلہ قلادۃ فی عنقہ من غیر مطالبۃ دلیل

تقلید کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کے قول یا فعل میں محض حسن عقیدت سے اس کی اتباع کرے اس کو حق سمجھتے ہوئے بغیر دلیل کے ملاحظہ کرنے کے گویا اس اتباع کرنے والے نے غیر کے قول یا اس کے فعل کو بغیر دلیل کے مطالبہ کے اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے۔

(کشاف اصطلاحات الفنون ص۱۱۷۸ طبع کلکتہ)

اس عبارت میں تقلید کا معنیٰ ہی اتباعِ غیر بلا طلب دلیل کے بیان کیا گیا ہے

۲۔ علامہ ابن ملکؒ اور علامہ ابن العینیؒ فرماتے ہیں کہ

وھو عبارۃ عن اتباعہ فی قولہ او فعلہ معتقدًا للحقیۃ من غیر تامل فی الدلیل

تقلید دوسرے کے قول یا اس کے فعل میں اس کی اتباع کا نام ہے یہ اعتقاد کرتے ہوئے کہ وہ حق ہے بغیر اس کے کہ دلیل کی فکر

(شرح منار مصری ص۲۵۲) میں پڑے (کہ اس کی دلیل کیا ہے؟)

اس عبارت میں بھی تقلید کی تفسیر اتباع سے کی گئی ہے۔

۳۔ حسامی کی شرح نامی طبع مجتبائی دہلی ص۱۹۰ میں ہے۔

التقلید اتباع الغیر علیٰ ظن انه محق بلا نظر فی الدلیل — تقلید غیر کی اتباع کا نام ہے۔ دلیل کی طرف دھیان کیے بغیر اس خیال سے کہ غیر اہل حق میں سے ہے۔

یہ عبارت بھی تقلید اور اتباع کے ایک ہونے پر صراحت سے دال ہے اور اس میں لفظ الدلیل پر لام عہد کے لیے ہے یعنی وہ خاص دلیل جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے اور من غیر نظر الی الدلیل اور من غیر تامل فی الدلیل اور من غیر مطالبۃ الدلیل میں اسی خاص دلیل کی طرف اشارہ ہے اس دلیل سے وہ دلیل مراد نہیں جو مقلد اپنی طرف سے پیش کرتا ہے۔

۴۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔ اور اتباع و تقلید کے معنیٰ واحد ہیں (سبیل الرشاد ص۲۷ ماخوذ از خیر التنقید ص۱ تا ص۱۳)

تقلید اور اتباع میں مغایرت کا دعویٰ

بعض غیر مقلدین حضرات نے اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ تقلید اور چیز ہے اور اتباع اور ہے اور ان کا خیال ہے کہ اتباع محمود و مطلوب ہے اور تقلید مذموم و ممنوع ہے اور کہتے ہیں کہ ہم اتباع سلف کے تو مامور ہیں مگر تقلید سلف کے مامور نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے چنانچہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری (المتوفی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء) تحریر کرتے ہیں کہ

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں تقلید سلف کے مامور نہیں تقلید اور اتباع میں بہت فرق ہے تقلید محض قول بلا معرفۃ دلیل کے قبول کرنے کا نام ہے اور اتباع علیٰ وجہ البصیرت قبول کرنے کا نام۔ ملاحظہ ہو اعلام الموقعین حافظ ابن القیمؒ ج اول ص۲۸۵ اھ (تقلید شخصی و سلفی ص۴۲) اور یہی بات مولف حقیقۃ الالحاد نے ص۵ میں تقلید اور اتباع کے عنوان سے بحوالہ اعلام الموقعین نقل کی ہے۔ مگر یہ سب کاوش بے سود ہے اولاً اس لیے کہ ہم باحوالہ کتب اور فریق ثانی کے شیخ الکل کے اقرار سے یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے و ثانیاً جس طرح تقلید کی تعریف میں بلا معرفۃ دلیل کے الفاظ منقول ہیں اسی طرح بلا مطالبۃ دلیل کے الفاظ بھی منقول ہیں جیسا کہ پہلے نقل کیے جا چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ اپنی جگہ پر دلیل موجود ہے

لیکن مقلد اپنے امام اور مجتہد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا اور یا مقلد اس خاص دلیل کو تو نہیں جانتا جو مجتہد کے علم اور ذہن میں ہے لیکن خود اپنی طرف سے دلیل پیش اور قائم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کو صرف مسئلہ میں امام کی رائے درکار ہے جیسا کہ اکثر حضرت فقہاء کرامؒ

وثانیًا اتباع میں علیٰ وجہ البصیرت سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ وہ مسئلہ اور اس کی دلیل دونوں کو علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہے تو پھر اسے کسی کی اتباع کی کیا ضرورت ہے؟ اتباع تو وہاں ہوتی ہے جہاں علم سے محروم ہو یا علم میں کمی ہو علیٰ وجہ البصیرت علم کے ہوتے ہوئے پھر دوسرے کی اتباع کا داعیہ اور محرک کیا ہے؟ وثالثًا اس مقام میں علیٰ وجہ البصیرت اتباع کا یہ مطلب ہے کہ اتباع کرنے والا اپنی صوابدید اور دانست کے مطابق پوری طرح مطمئن ہے کہ میں جس کی اتباع کرتا ہوں وہ اس قابل ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس سلسلہ میں اسے کوئی تردد نہیں اور یہی مطلب ہے تقلید کی تعریف میں معتقدا للحقیۃ اور علی الظن انہ محق کا کہ تقلید کرنے والا جس کی تقلید کرتا ہے اس کو حق پر اور اہل حق میں سے سمجھتا ہے اور اس میں اسے کوئی تردد نہیں لہٰذا اتباع کی تعریف میں علیٰ وجہ البصیرت کے جملہ کو تقلید کے خلاف سمجھنا غیر معقول بات ہے کیونکہ یہ جملہ معتقدا للحقیۃ اور علی ظن انہ محق کے ہم پلہ ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہے الحاصل تقلید اور اتباع دونوں مفہوم کے لحاظ سے ایک ہیں ان میں مغایرت ثابت کرنا صرف کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

حافظ ابن القیمؒ کا ارشاد اور اس کی حقیقت

حافظ ابن القیمؒ فقیہ ابو عبد اللہ بن خواز منداد البصری المالکیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ تقلید کا شرعی معنیٰ یہ ہے کہ کسی ایسے قول کی طرف رجوع کرنا جس کے قائل کی اس قول پر دلیل نہ ہو اور شریعت میں ایسی تقلید سے منع کیا گیا ہے اتباع وہ ہے جس کے کرنے پر دلیل موجود ہو اگر تو نے کسی ایسے شخص کے قول کی تابعداری کی کہ اس تابعداری کو تجھ پر کوئی دلیل شرعی واجب نہیں کرتی تو آپ اس شخص کے مقلد ہیں اور تقلید اللہ تعالیٰ کے دین میں صحیح نہیں اور اگر کسی کے قول کی تابعداری کو کوئی شرعی دلیل تجھ پر واجب کرتی ہو تو وہ اتباع ہے اور اتباع اللہ تعالیٰ کے دین میں جائز کی گئی ہے اور تقلید کو منع کیا گیا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۱۷۸ ج ۲) لیکن اس عبارت کے پیش نظر اہل اسلام کی جائز تقلید کو ممنوع قرار دینے پر استدلال مردود ہے اولاً اس لیے کہ فقیہ مذکور کا ترجمہ علامہ ابن فرحونؒ یوں نقل کرتے ہیں محمد ابو بکر بن خویز منداد ابو عبد اللہ الخ اور ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ

ولم یکن بجید النظر ولا قوی الفقه	ان کی رائے عمدہ نہ تھی اور فقہ میں بھی کمزور تھے (پھر آگے
الیٰ قوله وکان یجانب الکلام وینافر	فرمایا کہ) وہ علم کلام سے اجتناب اور متکلمین سے نفرت

اهله حتى يؤدي ذلك الى منافرة
المتكلمين من اهل السنة ويحكم على
الكل منهم بانهم من اهل الاهواء
الذين قال مالك في مناكحتهم وشهادتهم
وامامتهم وتنافرهم ما قال

کرتے تھے یہاں تک اہل السنۃ والجماعت کے سب
حضرات پر اہل اھواء ہونے کا حکم لگاتے تھے جن اہل اھواء
کے بارے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ نہ ان سے نکاح
ہو نہ ان کی گواہی قبول ہو اور نہ ان کی اقتداء میں نماز
پڑھی جائے بلکہ ان سے نفرت کی جائے۔

(الديباج المذهب ص٢٦٨)

غور فرمائیں کہ حضرت امام مالکؒ نے تو اہل اھواء پر مردود الشہادۃ وغیرہ کا حکم لگایا ہے اور فقیہ مذکور نے اہل السنۃ
والجماعت کے بلا مدافعت ائمہ متکلمین مثلاً امام ابوالحسن اشعریؒ (علی بن اسماعیلؒ المتوفی ۳۳۰ھ) امام ابو منصور ماتریدیؒ (
محمد بن محمد بن محمود السمرقندیؒ المتوفی ۳۳۵ھ)، امام ابوبکر باقلانیؒ (محمد ابوبکر بن الطیب الملقب بشیخ السنۃ ولسان الامۃ المتکلم
علی مذہب اہل السنۃ واہل الحدیث المتوفی ۴۰۳ھ) امام الحرمین (ابو المعالی عبدالملک الجوینیؒ المتوفی ۴۷۸ھ) امام
محمد بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) وغیرہ پر بھی یہ حکم چسپاں کر دیا ہے تو ایسے سطحی ذہن کے آدمی کی بات کا شرعاً وعقلاً
کیا اعتبار ہو سکتا ہے وثانیاً تقلید کی صرف یہی تعریف نہیں جس میں یہ الفاظ ہیں لا حجۃ لقائلہ علیہ بلکہ تقلید کی وہ
تعریف بھی ہے جس میں من غیر مطالبۃ دلیل کا جملہ بھی ہے کہ اپنی جگہ دلیل ہو لیکن مقلد دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وثالثاً اس
عبارت میں اس حرام اور ممنوع تقلید کا ذکر ہے جس کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو اور وہ ممنوع ہے۔ باقی رہا لاعلمی کے
وقت اہل علم کے کسی فرد کی طرف رجوع کر کے اس کی بات کو تسلیم کرنا تو یہ تو نص قطعی سے ثابت ہے فاسئلوا
اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور انما شفاء العی السوال وغیرہ حدیثیں اس پر متواتر ہیں ورابعاً ان شاء اللہ تعالیٰ
پھر یہ تقلید ممنوع کیسے ہوئی؟ اور ان کا یہ کہنا کہ تقلید اللہ تعالیٰ کے دین میں صحیح نہیں، اس سے کیا مراد ہے اگر تو عقائد اور اصول
دین میں تقلید مراد ہے تو بجا ہے اسی طرح اگر نصوص اور احادیث صحیحہ صریحہ کے مقابلہ میں تقلید مراد ہے تب بھی صحیح ہے
کہ یہ ممنوع ہے اور یہ بات محل نزاع سے بالکل خارج ہے اور اگر جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت دینی مسائل میں
اہل علم کی طرف رجوع کر کے ان کی بات کو تسلیم کرنا مراد ہے تو اس کو ممنوع قرار دینا قرآن وحدیث سے کھلی
بغاوت اور صریح جسارت ہے اور کسی بھی مسلک کا کوئی بھی عالم اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وخامساً جس دلیل سے
اتباع جائز اور درست ہے اسی سے تقلید اہل اسلام بھی جائز اور درست ہے کیونکہ تقلید اور اتباع دونوں ایک
ہیں تو پھر ایک کو جائز قرار دینا اور دوسری کو ممنوع کہنا سراسر باطل ہے اور جو تقلید ممنوع ہے اس کا اہل اسلام

میں کوئی بھی قائل نہیں لہذا جائز اور ناجائز کو گڈ مڈ کر کے معجونِ مرکب تیار کرنا کسی نامحمود اور خطرۂ جان حکیم ہی کا کام ہو سکتا ہے

ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

اعتراض فریقِ ثانی مسلم الثبوت (ص ۲۸۹) وغیرہ کتب کے حوالہ سے تقلید کی تعریف التقلید اخذ قول الغیر من غیر حجۃ (کہ تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کے قول اور بات کو بغیر دلیل کے تسلیم کر لینا) نقل کر کے اعتراض کرتا ہے کہ پھر تمہارے بہت سے حضرات فقہاء کرامؒ تو مقلد نہ ہوئے۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن الحسنؒ، امام زفرؒ۔ امام طحاویؒ۔ امام کرخیؒ۔ امام ابو بکر الجصاص الرازیؒ۔ امام مرغینانیؒ۔ امام کاسانیؒ۔ امام سرخسیؒ۔ علامہ عینیؒ۔ حافظ ابن الہمامؒ اور ملا علی ن القاریؒ وغیرہم۔ کیونکہ یہ سب حضرات مسائل کے دلائل بھی پیش اور بیان کرتے ہیں۔ اور تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کی بات کو بلا دلیل محض اس پر حسن ظنی کرتے ہوئے مان لینا اور تسلیم کر لینا۔

الجواب: یہ اعتراض بے وزن اور بے وقعت ہے۔ اولاً اس لیے کہ غیر مقلدین حضرات مسلم الثبوت کی پوری عبارت نقل نہیں کرتے ورنہ کسی صاحبِ فہم کو شبہ باقی نہ رہے اور غالباً اسی میں وہ اپنے لیے خیر سمجھتے ہیں عبارت یہ ہے۔

فصل التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ کاخذ العامی والمجتہد من مثلہ فالرجوع الی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام او الی الاجماع لیس منہ وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لایجاب النص ذٰلک علیہا لکن العرف علی ان العامی مقلد للمجتہد قال الامام وعلیہ معظم الاصولیین اھ

(مسلم الثبوت ص ۲۸۹)

فصل۔ تقلید غیر کے قول پر بغیر حجت کے عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے (عامی اور مجتہد) کے قول کو لینا پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے اور اسی طرح عامی کا مفتی اور قاضی کا عادلوں کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیوں ان پر ایسا کرنے کو نص واجب قرار دیتی ہے مگر عرف اسی پر ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے (امام الحرمینؒ) فرماتے ہیں کہ اسی پر اکثر اصولی ہیں۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا مثلاً عامی کا عامی کے قول اور مجتہد کا مجتہد کے قول کو لینا جو حجت نہیں ہے بخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ آپ کا فرمان تو حجت ہے اور اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اسی طرح عام آدمی کا مفتی کی طرح رجوع کرنا فاسئلوا اہل الذکر الآیۃ کے تحت واجب ہے اور اسی طرح

قاضی کا مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اور يَحْكُمُ بِهِ ذَوَاعَدْلٍ مِنْكُمْ کی نصوص کے تحت عدول کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں ہے کیونکہ شرعاً ان کا قول حجت ہے۔

لیکن عام ارباب اصول کے عرف میں مجتہد کے قول کو ماننے والا بھی مقلد کہلاتا ہے حالانکہ مجتہد کا قول اس کے لیے حجت ہے پر من غیر حجۃ کی مدار زد میں نہیں ہے اور علماء اصول کی اکثریت اسی پر ہے لہذا مجتہد کی تقلید پر من غیر حجۃ کی تعریف کو فٹ کرنا اور مجتہد کے قول کو غیر حجت قرار دینا ارباب اصول کی واضح عبارات سے غفلت پر مبنی ہے کیونکہ عامی جب خود علم نہیں رکھتا تو علم والوں کی طرف مراجعت کے بغیر اس کا چارہ ہی کیا ہے؟

گر علم نہیں تو زور وزر ہے بے کار   مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

وثانیاً اس لیے کہ ہم نے باحوالہ تقلید کی تعریف میں من غیر مطالبۃ دلیل اور من غیر تامل فی الدلیل اور بلا نظر فی الدلیل کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گو اپنی جگہ دلیل موجود ہے۔ لیکن مقلد دلیل کا طالب نہیں۔ اور اُس خاص دلیل کا فکر مند نہیں جو مجتہد نے قائم کی ہے۔ کیونکہ الدلیل میں الف لام عہد کے لیے ہے غرضیکہ تقلید کی تعریف صرف یہی نہیں جو مسلم الثبوت وغیرہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے بلکہ وہ بھی ہے جو ہم نے نقل کی ہے۔

وثالثاً اس لیے کہ یہ تعریف تفصیل طلب ہے۔ کیونکہ یہاں دو مقام ہیں۔ (۱) یہ کہ غیر کے قول کو محض اس پر حسن ظنی اور اعتماد کرتے ہوئے تسلیم کرنا دلیل ہو یا نہ ہو (۲) دلیل اگرچہ اپنے مقام پر موجود ہے۔ لیکن مقلد غیر کی بات ماننے میں دلیل کا محتاج نہ ہو۔

مقام اول پر بھی کافی دلائل موجود ہیں۔ کہ غیر کی بات کو اس پر حسن ظنی کرتے ہوئے قبول کر لیا جائے۔ ہم اختصار کے ساتھ بعض احادیث اس پر نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

(۱) حضرت عمر فاروقؓ کو جب مجوسی غلام نے زخمی کر دیا۔ اور حالات نے یہی بتلایا کہ شدید زخموں کی تاب نہ لانے کی وجہ سے اب آپ بچ نہیں سکتے تو حضرت عمرؓ نے خلافت کے متعلق فرمایا۔

ان استخلف فان ابابکرؓ قد استخلف وان لم استخلف فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یستخلف

اگر میں خلافت کے لیے کسی کو نامزد کروں تو بے شک حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے لیے (مجھے) نامزد کیا تھا اور اگر میں خلافت کیلیے کسی کو نامزد نہ کروں تو آنحضرت صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (علی التعیین نام لے کر) کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔

(بخاری ج۲ ص۱۰۷۰ مسلم ج۲ ص۱۲۰ وطیالسی ص۱)

یعنی میرے لیے دونوں باتوں کی گنجائش ہے کہ نامزد کروں یا نہ کروں۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان تو حجت تھا ہی لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس فعل کو بھی بنظر استحسان سمجھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں۔ اس مقام پر بظاہر دلیل کوئی بھی نہیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی عظمتِ شان اور ان پر حسن ظنی حضرت عمرؓ کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ چودھویں صدی کا کوئی مجتہد حضرت عمرؓ کے اس قول سے چیں بجبیں ہو کر حضرت عمرؓ پر ہی برس پڑے۔ کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی سنت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے برابر ٹھہرا دیا ہے۔ جس میں شان نبوت کی توہین ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ سمجھنا کوتہ فہمی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل کے نقل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک اختیاری فعل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پہلو اختیار کیا ہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے دوسرا پہلو لے کر واضح کر دیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ مقرر نہ کرنا اس لیے نہ تھا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا حق نبی یا خلیفۂ اوّل کو نہ تھا۔ یا یہ شرعاً ناجائز تھا۔ بلکہ یہ دونوں پہلو جائز ہیں۔ اور خلیفہ اس میں آزاد ہے۔ حسبِ مصلحت وقت اگر چاہے تو کسی کو نامزد اور مقرر کر سکتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے کیا۔ اور اگر چاہے تو نہ مقرر کرے۔ جیسے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ حضرت امام نوویؒ کے الفاظ دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

فان ترکہ فقد اقتدیٰ برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والّا فقد اقتدیٰ بابی بکرؓ (نووی شرح مسلم ص ۱۲۰ ج ۲)

یعنی خلیفہ نے اگر خلافت کے لیے کسی کو نامزد نہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کی۔ اور اگر نامزد کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کر لی

(۲) حضرت عبداللہؓ بن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا اپنا بیان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

انی من اعلمھم بکتاب اللہ (بخاری ص ۷۴۸ ج ۲)

میں ان سب سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ جانتا ہوں

اور علامہ ذہبیؒ۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ ابن سعد کے الفاظ میں

ثم انتھی علم الستۃ الی علیؓ وابن مسعودؓ (تذکرہ ص ۲۴ ج ۱، تدریب الراوی ص ۲۰۵ طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۲)

پھر ان چھ حضرات صحابہ کرامؓ (حضرت عمرؓ، حضرت ابیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ) کے علم کا منتہیٰ فقط دو پر ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ

لیکن باوجود اس کے حضرت عمرؓ سے اتنی حسن ظنی اور عقیدت ہے کہ فرماتے ہیں۔

لو ان الناس سلکوا وادیا و شعبا و سلک عمر وادیا و شعبا سلکت وادی عمرؓ و شعبہ لو قنت عمرؓ قنت عبد اللہؓ

اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلنے لگیں۔ اور حضرت عمرؓ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

اگر حضرت عمرؓ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے۔ تو عبد اللہؓ (یعنی میں) بھی پڑھتا۔

(۳) حضرت عبد اللہؓ بن الزبیرؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان سے کسی نے دادا کی وراثت کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے بیان فرمادی کہ حضرت ابوبکرؓ دادا کو باپ کی طرح سمجھتے تھے اور پھر حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کا ذکر کیا کہ جانتے ہو حضرت ابوبکرؓ کیسے تھے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا۔ ولکن خلۃ الاسلام افضل (بخاری ص$\frac{516}{1}$)

اور یہی واقعہ بعینہ حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے بھی صحیح بخاری ص$\frac{998}{2}$ میں مذکور ہے۔

دیکھئے کہ دونوں بزرگ حضرت ابوبکرؓ کی جلالت شان اور عظمت کو ہی سامنے رکھ کر مسئلہ کی حقانیت کا اندازہ لگاتے ہیں دلیل اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔

(۴) حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کی سمجھ اور فقاہت کو کون نہیں جانتا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے جو آپ نے ان الفاظ میں کی تھی کہ۔

اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل (مسند احمد ص$\frac{328}{1}$)

اے اللہ ان کو مذہب کی صحیح سمجھ عطا فرما اور تفسیر کا طریقہ سکھا۔

مگر پھر بھی آپ حضرت علیؓ سے متعلق اتنی حسن ظنی اور عقیدت رکھتے ہیں جس کا حال آپ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ میں سن لیجئے فرماتے ہیں۔

روی ابن سعد باسناد صحیح عن ابن عباسؓ قال اذا حدثنا ثقۃ عن علیؓ لم نتجاوزھا (فتح الباری ص$\frac{6}{7}$)

علامہ ابن سعدؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علیؓ کا فتویٰ بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس وپیش نہیں کریں گے

دیکھئے حضرت ابن عباسؓ کی حضرت علیؓ کی ذات گرامی سے کتنی اور کیسی عقیدت ہے؟

(۵) نواب صدیق حسن خانؒ صاحب بخاری ص$\frac{217}{1}$، ابوداؤد ص$\frac{278}{1}$ (ابن ماجہ ص۲۳۲ و قرۃ العینین ص۹۴)

وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت شیبہؓ بن عثمان نے فرمایا ایک مرتبہ میرے پاس حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے زمانے میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ پھر فرمانے لگے۔ میرا ارادہ ہے کہ کعبہ کے اندر جو خزانہ جمع پڑا ہے۔ اس کو میں مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ حضرت شیبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ نہیں کر سکتے؟ حضرت عمرؓ بولے کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نہیں کیا اس پر حضرت عمرؓ بولے

هما المرآن اقتدی بهما — یعنی وہ دونوں ایسے بزرگ ہیں کہ میں انہیں کی اقتدار کرتا ہوں۔ (لقطۃ العجلان ص۷۹)

حضرات! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل تو دلیل تھا ہی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عمل کا قبول کرنا بغیر عقیدت اور حسن ظنی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

(۶) ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کا ذکر ہے کہ ایک سائل نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ سے ایک سوال کیا انہوں نے جواب دیا۔ اور پھر فرمایا کہ جا کر حضرت ابن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو۔ پھر یہی سوال حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے کیا گیا۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ حضرت ابو موسیٰؓ کے جواب کے مخالف تھا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کو جب حضرت ابن مسعودؓ کے جواب کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے رجوع کرتے ہوئے فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے لا تسئلونی مادام هذا الحبر فیکم۔ جب تک یہ عالم متبحر تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔ (بخاری ص۹۹۷ ج۲، ابوداؤد ص۴۴ ج۲، ترمذی ص۳۰ ج۲)

حضرت ابو موسیٰؓ بھی اسی حسن ظنی اور عقیدت کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس کا ذکر اکابر نے کیا ہے۔ کہ سائل کو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف مراجعت کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ ابن مسعودؓ پر حسن ظنی ہی کا نتیجہ ہے پھر انہی پر لوگوں کو بھروسہ کرنے اور رجوع کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے حامل تھے۔

(۷) نواب صدیق حسن خانؒ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ بن جبل کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے شاگرد خاص عمروؒ بن میمون اودیؒ کو کہا کہ میری تمہیں یہی وصیت ہے کہ تم میری وفات کے بعد حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے پاس جا کر علم حاصل کرنا۔ اور ان کے پاس ہی رہنا (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۸)

یہ وہ زمانہ تھا جس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ لیکن حضرت معاذؓ بن جبل کو عقیدت حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے تھی۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ ان کے پاس رہنے کے لیے کہا بلکہ

اس کی وصیت بھی کی۔

حضرات! یہ تو ہم نے محض حضرات صحابہ کرامؓ کے چند حالات اختصاراً عرض کیے ہیں اب ہم بعض ایسے واقعات جن میں غیر صحابی پر حسن ظنی اور عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے، پیش کرتے ہیں۔

(۸) علامہ ابن سعدؒ نقل کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی آدمی حضرت انسؓ بن مالک کے پاس سوال لے کر جاتا تو آپ اس سائل کو ارشاد فرماتے۔

سلوا مولانا الحسن کہ ہمارے رفیق حسن بصریؒ سے جاکر پوچھو جب سائل یہ کہتا کہ ہم تو آپ کے پاس آئے ہیں۔ تو حضرت انسؓ فرماتے اسی کے پاس جاؤ وہ تمہیں معقول جواب دے گا۔ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں۔ وہ جوان ہے اور اس کا حافظہ بھی قوی ہے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۸ ج ۷ قسم اوّل)

(۹) علامہ ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الہذلیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت محمدؒ بن سیرینؒ نے فرمایا کہ

الزم الشعبی فلقد رأیتہ یستفتی والصحابۃ متوافرون (تذکرہ صفحہ ۷۶ ج ۱) حضرت امام شعبیؒ کا دامن ہی ہمیشہ تھامے رکھنا۔ کیونکہ میں نے ان سے ایسے وقت فتوٰی پوچھتے دیکھا جبکہ صحابہ کرامؓ بکثرت موجود تھے۔

دیکھئے! حضرت شعبیؒ صحابی نہیں ہیں۔ لیکن حضرت محمدؒ بن سیرینؒ کو ان کے متعلق یہ حسن ظنی ہے کہ چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں وہ فتوٰی دیتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا خطا سے بعید ہونا زیادہ قریب ہے۔

(۱۰) علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ، حضرت شعیبؒ بن الحجابؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو امام شعبیؒ نے فرمایا علیك بذاك الاصم۔ اس بہرہ کو نہ چھوڑنا یعنی محمدؒ بن سیرینؒ کو (جو کانوں سے اگرچہ بہرے تھے۔ لیکن حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ سے خوب بہرہ ور تھے) تذکرہ صفحہ ۷۶، تہذیب صفحہ ۲۱۶ ج ۹)

قارئین کرام کو کہیں یہ دھوکہ نہ ہو جائے کہ شاید حضرت امام شعبیؒ کا حضرت محمدؒ بن سیرینؒ کو سراہنا۔ اور حضرت محمدؒ بن سیرینؒ کی امام شعبیؒ سے عقیدت کہیں ؎ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ کے قبیل سے نہ ہو۔ لیکن یقین جانیئے کہ ایسے اکابر سے خصوصاً خیر القرون میں ایسی تصنع کی باتیں کب ہو سکتی تھیں۔ ان کا دامن بناوٹ اور خوشامد سے بالکل پاک تھا ؎ یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں

(۱۱) علامہ ذہبیؒ اور نواب صدیق حسنؒ خان لکھتے ہیں کہ حضرت عمروؒ بن الحارثؒ کے متعلق امام ابن وہبؒ نے فرمایا کہ۔

لو عاش عمروؓ بن الحارثؓ ما احتجنا معهٗ الیٰ مالکؒ ولا الیٰ غیرہٖ۔ (تذکرہ ص ۱۷۳ ج ۱ والجنۃ ص ۔)

اگر حضرت عمروؓ بن الحارثؓ زندہ رہتے تو ان کے ہوتے ہوئے نہ تو ہمیں حضرت امام مالکؒ کی ضرورت پڑتی اور نہ کسی اور کی

حضرات! اگر ہم اس داستان کو لمبا کرنا چاہیں تو آپ یقیناً اکتا جائیں گے۔ اب ہم خود حضرات ائمہ اربعہ کی دوسرے اکابر سے متعلق حسن ظنی کا ذکر کرتے ہوئے اس داستان بے ساحل کو ختم کرتے ہیں۔

(۱۲) نواب صدیق حسنؒ خان لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ باوجود فقیہ ہونے کے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ اور اسی حسن ظنی کا نتیجہ تھا کہ کان ابوحنیفۃؒ الزمھم بمذھب ابراھیم۔ کہ امام ابوحنیفہ امام ابراہیمؒ کے مذہب کے بڑے پابند تھے۔ (الجنۃ ص ۹۲)

(۱۳) نواب صاحبؒ ہی حضرت امام شافعیؒ سے یہ مقولہ بھی نقل کرتے ہیں کہ

قال الشافعیؒ فی مواضع من الحج قلتہ تقلیداً لعطاءؒ (الجنۃ ص ۶۸)

حضرت امام شافعیؒ نے بہت سے مقامات میں کہا ہے کہ میں نے حضرت عطاءؒ کی تقلید میں یہ کہا ہے

دیکھئے! حضرت امام شافعیؒ ایسے مجتہد حضرت عطاءؒ سے حسن ظنی کی بناء پر احتجاج کرتے ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ کی تقلید کرتے ہوئے ایسے کہا ہے۔

(۱۴) علامہ خطیب بغدادیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کی تحقیق میں ایک سائل نے کہا کہ اس میں تو کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے اس پر حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اگر حدیث موجود نہیں تو نہ سہی۔ اس میں حضرت امام شافعیؒ کا فیہ قول الشافعیؒ وحجتہ اثبت شیئ فیہ کا قول تو موجود ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کا قول تو ایک مستقل حجت اور دلیل ہے۔ (تاریخ بغداد ص ۶۶ ج ۲ وتہذیب ص ۲۸ ج ۹)

قارئین کرام کو ان حوالوں سے اچھی طرح معلوم ہو چکا ہوگا کہ ان اکابر امت نے جن میں جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ۔ اور تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ بھی شامل ہیں۔ محض عقیدت اور حسن ظنی کی بناء پر دوسروں پہ اعتماد اور بھروسہ کیا اور دوسروں کی تقلید کی۔ اور یہی تقلید کا معنی ہے کہ کسی کی ذات اور ہستی پر حسن ظنی کرتے ہوئے اسی کے قول کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور دلیل طلب نہ کی جائے۔ گو نفس الامر میں دلیل موجود بھی ہو۔ مگر ظاہری طور پر ان کی شخصیت کے بغیر کوئی اور دلیل موجود نہ ہو۔

اتمام حجت اگر حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات مشائخؒ پر اعتماد اور حسن ظنی اور عقیدت ہمارے

حوالوں اور بیان سے فریق ثانی کو سمجھ نہیں آتی تو ہم انہیں مجبور نہیں کرتے۔ اور نہ کر سکتے ہیں۔ خود انہیں کے گھر کا حوالہ عرض کر کے اتمام حجت کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ کے حالات میں لکھا ہے

اساتذہ کا ادب میاںؒ صاحب اپنے اساتذہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ۔ جناب مولانا شاہ عبد العزیز، اور جناب مولانا شاہ محمد اسحاق قدس سرہم اور ان کے خاندان کا بہت ادب کرتے۔ اکثر قرآن و حدیث کے ترجمے کے موقع پر فرماتے مجھ سے اس کا مقراضی ترجمہ سنو۔ جو ہمارے بزرگوں سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ اور بیان مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے۔ اور فرماتے ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں۔ اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر یہ کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے تو بہت خفا ہو کر فرماتے مردود! کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے؟ ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے ہیں۔

(ملخصاً الحیات بعد المماۃ ص ۳۰۲)

غور فرمایئے! اگر بقول میاں صاحبؒ مردود شاگرد تو قرآن و حدیث سے سند طلب کرتا ہے۔ مگر جناب میاںؒ صاحب مرے اپنے بزرگوں اور حضرات کے سینہ بسینہ منقول تراجم اور ان کے اقوال اور بیان سے لوری دے رہے ہیں اگر اسی قسم کی عقیدت اور حسن ظنی کوئی اور اپنے اہل حق اکابر سے کرے اور وہ ان کے اقوال سے سند پیش کرے اور قرآن و حدیث کے ترجمہ میں ان پر اعتماد کرے تو اس پر طعن و تشنیع کا کیا معنیٰ ہے؟ اور وہ کیوں قابل ملامت اور معتوب ہے؟

لطیفہ:۔ ان حوالوں سے دو ایسی اہم چیزوں کا بھی تصفیہ ہو جاتا ہے جو آئے دن فریق ثانی کی طرف سے مقلدین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسی اہم اور عظیم الشان بحثیں ہیں جنکو تمام بحث تقلید کا خلاصہ اور اس باب کا معرکۃ الآراء پہلو کہنا بے جا نہ ہوگا۔

بحث اول فریق ثانی کا کہنا ہے کہ ہر آدمی کو دین کے معاملہ میں تقلید کی رسی اپنے گلے سے اتار کر اجتہاد کرنا چاہیئے۔ اور اپنے اجتہاد اور سمجھ سے دین کو جو یُسر اور آسانی سے متصف ہے دیکھنا چاہیئے مگر ان مذکورہ حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عامی تو کیا مجتہد کو بھی نہ صرف یہ کہ تقلید کرنا جائز ہے بلکہ اکابر امت باوجود مجتہد ہونے کے بعض مسائل میں اپنے سے اعلم کی تقلید کرتے رہے ہیں۔ بغور فرمایئے کہ! کیا حضرت عمر فاروقؓ مجتہد نہ تھے؟ یقیناً تھے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے الفاظ میں

مذہب فاروق اعظم بمنزلہ متن است و مذاہب اربعہ بمنزلہ شروح (ازالۃ الخفاء، ص ۸۲/۲)

حضرت عمرؓ فاروق کا مذہب متن کی طرح ہے۔ اور حضرات ائمہ اربعہؒ کے مذاہب اس کے شروح کی مانند ہیں۔

مگر باوجود مجتہد ہونے کے وہ حضرت ابوبکرؓ کی مسئلہ استخلاف میں تقلید کرتے ہیں۔ اور ان کے اختیار کردہ پہلو ہی کو اختیار بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ اور عبد اللہؓ بن زبیرؓ بھی باوجود مجتہد ہونے کے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار کرتے ہیں اور ان کی ہستی اور عظمت پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے استدلال کرتے ہیں۔

بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے کہ میں حضرت علیؓ کے فتویٰ سے سرمو بھی تفاوت نہیں کروں گا۔ جب کہ بیان کرنے والا ثقہ ہو۔ اسی طرح حضرت عبد اللہؓ بن مسعود جو حضرات صحابہ کرامؓ کے علوم کا خلاصہ سمجھے جاتے تھے بلکہ خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ابن مسعودؓ سے اتنی حسن ظنی تھی جسکی وجہ سے آپ نے صاف ارشاد فرمایا کہ

رضیت لکم مارضی لکم ابن ام عبد (مستدرک حاکم ص ۳۱۹/۳ ج ۳)

میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس کو تمہارے لیے ابن ام عبدؓ پسند کرے۔

ابن ام عبد حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کی کنیت تھی (بخاری ص ۵۳۱/۱ ج ۱)

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس حدیث کی تصحیح پر متفق ہیں۔ لیکن باوجود ایسا مجتہد ہونے کے حضرت عمرؓ کے طور وطریق پر اتنے شیدائی ہیں کہ زبان قال سے کہتے ہیں کہ

سلکت وادی عمرؓ وشعبہ

میں تو حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

اسی طرح امام شعبیؒ۔ امام محمدؒ بن سیرینؒ۔ امام ابن وہبؒ۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ تمام مجتہد ہیں مگر حسن ظنی کا یہ عالم ہے کہ مثلاً حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ۔ حضرت امام شافعیؒ کے قول کو ایک مستقل حجت سمجھتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ تو صاف کہتے ہیں کہ یہ چیز میں نے حضرت عطاءؒ کی تقلید کرتے ہوئے کہی ہے۔

یہ تمام مجتہدین حضرات تقلید کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو بھی بعض مسائل میں اپنے سے اعلم کی تقلید سے مفر نہیں۔ فریق ثانی کے شیخ الکل فرماتے ہیں کہ

دس مسئلہ کی دلیل مثلاً جانتا ہے (تو) اور مسائل میں مقلد ہے تو یہ عیب کی بات نہیں۔ درست اور حق ہے۔ اس لیے کہ تجزی اجتہاد میں جائز ہے۔ بنا بر قول حق کے جیسا کہ مولانا بحر العلومؒ وغیرہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ (معیار الحق ص ۷۳)

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے تو یہاں تک معاملہ صاف کر دیا ہے کہ

فلا تجد احدًا من الائمة الا وھو مقلد من ھو اعلم منه فی بعض الاحکام (الجنة صـ۶۸)

تم حضرات ائمہ کرامؒ میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پا سکتے کہ وہ بعض مسائل میں اپنے سے کسی بڑے عالم کی تقلید نہ کرتا ہو۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی ازالۃ الخفاء صـ۹۴ میں لکھتے ہیں کہ ایک مجتہد کو دوسرے کی تقلید کرنا جائز ہے۔

حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ اکابر امت خصوصاً حضرات محدثین کرامؒ کا اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ باوجود مجتہد ہونے کے وہ اپنے سے اعلم کی تقلید کرتے رہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ

اتفاق المحدثین علی الشیئ یکون حجة

حضرات محدثین کرامؒ کا کسی مسئلہ پر اتفاق حجت ہے۔

(تہذیب صـ۴۵ ج۹)

اور اگر حافظ ابن تیمیہؒ کے ان الفاظ کو بھی ساتھ ملا لیں تو معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے۔

اما اجماع الامة فھو فی نفسه حق لا تجتمع الامة علی الضلالة (معارج الوصول صـ۱ وغیرہ)

امت مرحومہ کا کسی مسئلہ پر اتفاق فی نفسہ حجت اور دلیل ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ (تمام) امت گمراہی پر اتفاق اور اجماع کر لے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اگر فریق ثانی تقلید سے بھاگتے ہوئے مجتہد ہونے کا دعوےٰ بھی کرے تب بھی اکثر مسائل میں تقلید کرنا ہی پڑے گی۔ اور تقلید سے کوئی مفر نہیں۔ جب تقلید سے کسی طرح مخلص نہیں تو گلشن تقلید کی بیخ کنی کر کے وہ کیا خدمت انجام دے سکتا ہے؟ ذرا سوچ تو لے۔

زوج بلبل تے خزاں بن کر اُجاڑا گلشن
پھول کہتے رہے ہم پھول ہیں صیاد نہیں

بحث دوم کہ خیر القرون میں تقلید نہ تھی

فریق ثانی کا یہ بھی دعوےٰ ہے کہ ہمیں بتلاؤ کہ خیر القرون میں عموماً اور حضرات صحابہ کرامؓ میں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید ہوتی تھی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا ثبوت پیش کرو۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو تم ایسی بدعت شنیعہ سے کیوں نہیں بچتے جس کا ثبوت حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی نہ تھا؟ اور جو امر دینی خیر القرون میں نہ ہو اور اب ہو تو وہ بدعت ہی ہوگی۔

قارئین کرام کو اس سوال کا جواب بھی صحیح روایات اور احادیث مذکورہ سے مل گیا ہوگا۔ کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی تقلید موجود تھی۔ مثلاً جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی عملاً اور قولاً تقلید کی۔ اسی طرح بعض دیگر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے بھی اس کا ثبوت عرض کر دیا گیا ہے۔ وفیہا کفایۃ لمن لہ ہدایۃ الحاصل ہم نے مقام اول (کہ حسن ظنی کی بنا پر کسی کی بات اور عمل کو حجت سمجھا جائے) کے اثبات میں کافی حوالے نقل کر دیئے ہیں۔ اب ہم مقام ثانی سے متعلق اختصاراً کچھ عرض کرتے ہیں۔

مقام ثانی ۲ یہ کہ دلیل تو اپنی جگہ موجود ہو۔ لیکن مقلد دلیل کا محتاج نہ ہو۔ اس لیے کہ اسے عمل کے لیے مسائل کی ضرورت ہے نہ کہ دلائل کی جیسا کہ عام لوگ۔ اور یا اس لیے کہ وہ مسائل کی نوعیت سمجھ کر خداداد فراست سے دلائل کی تخریج خود کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارباب بصیرت حضرات فقہاء کرامؒ۔

ابن شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ (المتوفی ۱۳۷۱ھ) رقمطراز ہیں

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تقلید کا معنیٰ صرف یہی (تسلیم قول الغیر من غیر حجۃ) ہے۔ بلکہ یہ معنیٰ بھی ہے کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو۔ تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو۔ جیسے صاحب ہدایہ فتح القدیر، عنایہ، بنایہ اور امام طحاویؒ وغیرہ سب مقلد ہیں۔ حالانکہ ان کے دلائل بھی مشرح ہیں۔ تو یہ لوگ باوجود علم بالدلیل کے نہ تو تقلید سے خارج تھے اور نہ ہی لوگ ان کو غیر مقلد سمجھتے تھے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

(تنقیح التنقید ص ۲۹)

حضرت مولانا مرحوم نے یہ جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست اور صحیح ہے۔ کیونکہ یہ تمام اکابر حضرات فقہاء کرامؒ مقلد ہی تھے۔ اگر علم بالدلیل کی وجہ سے وہ تقلید سے خارج ہوتے تو وہ خود کو مقلد نہ کہتے۔ اور نہ ہی لوگ ان کو مقلد سمجھتے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اب اگر کوئی غیر مقلد دوست بزور انہیں غیر مقلد قرار دے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ مدعی سست اور گواہ چست اور یا علمی اصطلاح میں وہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مرتکب ہے۔ اور ہر ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ اخلاقی کمزوری ہے بلکہ گناہ بھی ہے کہ یہ عمداً غلط چیز پر ضد اور اصرار ہے۔ فریق ثانی کا یہ ایک عام اور بڑا مغالطہ ہے جس سے وہ عوام کو فریب دیتا ہے لیکن سمجھدار آدمی کے لیے یہ چٹان نہیں بلکہ سراب ہے ہاں صرف توجہ اور انصاف کی ضرورت ہے۔

۱؎ ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور — رستے میں جو کھڑا تھا وہ کہسار ہٹ گیا

تنبیہ ضروری

یہ بات بھی اچھی طرح سے پیش نظر رہے کہ تقلید کی تعریف میں تسلیم قول الغیر من غیر حجۃ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جاہل کے لیے غیر کی بات سرے سے حجت ہی نہیں۔ کیونکہ جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت مجتہد اور عالم کی طرف رجوع کرنے اور اس سے سوال کرنے کا حکم قرآن و حدیث اور اقرار فریق ثانی سے ثابت ہے کما سیجیء انشاء اللہ تعالیٰ اگر بے علم کے لیے عالم کی بات حجت نہیں تو اس کی طرف رجوع کرنے اور اس سے سوال کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟ اس جملہ اور عبارت میں من غیر حجۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس غیر کا قول حجج اربعہ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ مگر مقلد اس غیر پر اعتماد اور حسن ظنی کرتے ہوئے اس کے قول کو اپنے گلے کا ہار بنانے پر مجبور ہے۔ اور عمل کے لیے اسے اخذ کرتا ہے چنانچہ فریق ثانی کے حضرت شیخ الکلؒ علامہ حسن شرنبلالیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) کی اصول فقہ میں معتبر کتاب عقد الفرید کی ایک عبارت بطور استدلال نقل کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں (ہم ان کے بعض ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اصل تقلید کی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا کہ اس کا قول چاروں حجتوں شرعیہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) میں سے نہ ہو۔ الخ (معیار الحق ص۶۶) یعنی مقلد جس مجتہد اور عالم کے قول پر عمل کرتا ہے وہ قول نہ تو قرآن کی آیت ہے اور نہ متن حدیث ہے۔ اور اسی طرح نہ تو وہ اجماع کا مقولہ ہے اور نہ مقلد کے حق میں قیاس اور اجتہاد ہے۔ کیونکہ وہ بالکل جاہل ہے۔ اس کے لیے صرف مجتہد کا قول ہی قول ہے۔ جس کو وہ عمل کے لیے اپناتا ہے۔ اور یہی حضرت شیخ الکلؒ دوسرے مقام میں تقلید کی بحث میں لکھتے ہیں کہ

اور تقلید کی تعریف یہ التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعمل والمراد بالحجۃ حجۃ من الحجج الاربع کذا فی کتب اصول الحنفیۃ وغیرھا کما لایخفیٰ علی الماہر بالاصول۔ پس تقلید کی تعریف سے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا کہ عمل تقلیدی دلائل اربع یعنی کتاب[۱] اللہ و سنت[۲] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اجماع صحابہ[۳] و مجتہدینؒ و قیاس[۴] صحیح مجتہد مسلّم الاجتہاد سے خارج ہے۔ اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں۔ اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں۔ وہ شرعاً مردود و باطل ہے۔ پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا۔ اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے الخ (فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۱۸۴) اس عبارت سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ من غیر حجۃ میں حجۃ سے مراد حجج اربعہ شرعیہ میں سے کوئی ایک حجت ہے۔ مثلاً یہ فقہی قول کہ اگر کسی کنواری عورت کو جس کی شادی نہیں ہوئی۔ اور وہ بالکل پاکدامن ہے دودھ اتر آیا۔ اور اس نے کسی بچے کو دودھ پلا دیا تو وہ اس بچے کی ماں بن جائے گی۔

اور ان میں رضاعت کے احکام ثابت ہوں گے۔ یا مثلاً یہ مفتی قول کہ کسی مردہ عورت کے پستانوں سے اس کی وفات کے بعد دودھ نکالا گیا اور کسی بچہ کو پلایا گیا تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (فتاویٰ قاضیخان صفحہ ۱۸۹/۱ طبع نولکشور)

اور یہ قول نہ تو قرآن و حدیث ہے اور نہ اجماعی بقول ہے۔ اور نہ بے علم کے حق میں یہ قیاس ہے۔ کیونکہ وہ بے چارہ تو جاہل ہے۔ اور وہ لاعلمی کے وقت قرآن و حدیث کے حکم کے موافق اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے سوال کرنے کا مکلف اور پابند ہے اور ان کا قول ماننے پر شرعاً مجبور ہے اور اگر غیر کا قول اس کے نزدیک تسلیم کیا جاتا نہ ہوتا اور وہ قول شرعاً مردود و باطل ہوتا جیسا عبارت کے آخری حصہ میں ہے۔ تو لیے لاعلمی کے وقت اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور سوال کرنے کا حکم ہی کیوں دیا گیا ہے؟ تقلید کی تردید کے بے پناہ شوق میں عمل تقلیدی کو شرعاً مردود باطل ٹھہرانا قرآن و حدیث بلکہ خود حضرت شیخ الکلؒ کے اپنے مسلمات کے بھی خلاف ہے۔ کہ لاعلمی کے وقت وہ تقلید کو واجب اور مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اس کے شرعاً باطل و مردود ہونے کا کیا مطلب؟ اور آخر میں تان اس پر توڑی ہے کہ الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا۔ اور یہ مقلدین پر حجت ہے الخ سبحان اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الکلؒ نے نہ تو مقلدین کی بات پر غور فرمایا ہے۔ اور نہ خود اپنی بات کا دھیان کیا ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں من غیر حجۃ کا جملہ ملاحظہ فرمایا اور والمراد بالحجۃ حجۃ من الحجج الاربع دیکھا تو یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں۔ اور تقلید ایک بے اصل شرعی چیز ثابت ہو گئی۔ اور مقلدین ترغیے میں آ گئے۔

حضرت شیخ الکل صاحبؒ! ہم آپ کی قدر کرتے ہیں مگر آپ کو ایسی باتیں بالکل زیب نہیں دیتیں جو حضرات مقلدین کی مراد کے بھی خلاف ہوں اور خود آپ کے اپنے بیان کے بھی خلاف ہوں۔ تقلید کی تعریف میں التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعمل کا مطلب تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ تقلید کا معنی یہ ہے کہ غیر کے قول پر عمل کرنا بغیر اس کے کہ بے علم اور انجان اپنے اس عمل کی بنیاد دلائل اربعہ شرعیہ میں سے کسی پر رکھے۔ اسی کے لیے تو صرف مجتہد اور عالم کا قول ہی قول ہے دلائل کا تعلق مجتہد سے ہے۔ نہ کہ بے علم اور انجان سے۔ وہ تو قرآن اور حدیث کی رو سے اہل علم کی طرف مراجعت کرنے اور ان سے سوال کرنے کا مکلف ہے۔ اور ان کا قول ہی اس کے لیے حجت ہے۔ عمل تقلیدی کو بے اصل شرعی کہنا اور اس کو باطل و مردود ٹھہرانا جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے قطعاً اور یقیناً باطل ہے۔ جو قرآن و حدیث اور خود اپنی صریح عبارات کے بھی سراسر خلاف ہے حوالے

انشاء اللہ العزیز آ رہے ہیں۔

اعتراض فریق ثانی کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی تخریب کر دی ہے۔ گروہ اور جھتے بندیاں بنا دی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میرا مذہب حنفی ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ میں حنبلی المذہب ہوں۔ و علیٰ ھذا القیاس۔ مالکی اور شافعی وغیرہ مختلف خانہ ساز مذاہب کی آڑ لے کر مذہب اسلام کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

جواب یہ فریق ثانی کی کوتہ فہمی یا تعصب ہے کہ وہ مذہب کو یہاں دین کے معنیٰ میں لے کر اعتراض کرتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں۔ مذہب اسلام، مذہب ہنود۔ اور مذہب عیسائیت وغیرہ تو شاید ایسے ہی مذہب حنفی اور مالکی وغیرہ ہوں گے۔ لیکن یہ ایک بدیہی البطلان اغلوطہ ہے مذہب سے مراد یہاں دین نہیں۔ بلکہ مذہب سے مراد رائے اور مسلک ہے۔ اور مذہب کا یہ مفہوم حضرات محدثین کرام اور حضرات فقہاء عظام کے نزدیک مشہور اور معروف ہے۔ ہر عالم کی سند حدیث کے متعلق بھی رائے ہو سکتی ہے۔ اور اس پر مذہب کا لفظ اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اور متن حدیث میں اس کے معنیٰ اور مفہوم کے سمجھنے میں بھی رائے اور مسلک ہو سکتا ہے۔ اور اس پر بھی مذہب کا اطلاق حضرات محدثینؒ اور حضرات فقہاءؒ کے نزدیک **بلا قیل و قال درست اور صحیح ہے ملاحظہ کیجئے۔**

(۱) ہم پہلے باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ مذہب فاروق اعظم بمنزلہ متن است کہ فاروق اعظمؓ کا مذہب متن کی مانند ہے۔ فریق ثانی سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عمرؓ نے کوئی اور مذہب ایجاد کیا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذہب اور دین سے الگ تھا؟ اگر جواب نفی میں ہے۔ اور یقیناً نفی میں ہے تو اس مذہب سے اس کے بغیر اور کیا مراد ہو سکتی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم اور حدیث سے اپنی فہم اور ذکاوت کے اعتبار سے جو سمجھا اور جو رائے قائم کی وہی مذہب ہے۔

(۲) حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ۔

جمہور اہل اسلام کے نزدیک مسلمان کافر سے وراثت نہیں لے سکتا۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ مسلمان کافر سے وراثت لے سکتا ہے آگے لکھتے ہیں۔

وھو مذھب معاذؓ بن جبل و معاویۃؓ کہ حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت امیر معاویہؓ کا یہی مذہب ہے۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳)

کیا حضرت معاذؓ اور حضرت معاذ بن جبل کا مذہب، مذہب اسلام کے علاوہ کوئی اور تھا۔ جو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا؟ معاذ اللہ تعالیٰ بلکہ یہاں بھی ان کی اپنی تحقیق کے مطابق یہ رائے تھی۔ اور اس میں یہی ان کا مذہب تھا۔

(۳) حضرت امام نوویؒ ہی فرماتے ہیں، کہ حضرت امام مسلمؒ کا مذہب صحیح حدیث سے متعلق یہ ہے کہ امکان لقا ہو۔

ان مسلما کان مذهبه الخ (مقدمہ شرح مسلم ص۱۴) کہ حضرت امام مسلمؒ کا مذہب (یہی) تھا۔

(۴) یہی بزرگ (یعنی امام نوویؒ) مسند حدیث کے متعلق، کلام نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ومذهب النسائیؒ (مقدمہ شرح مسلم ص۱۵) حضرت امام نسائیؒ کا مذہب (یہ ہے)

(۵) حضرت امام مسلمؒ زیادت ثقہ کی بحث میں لکھتے ہیں کہ۔

الذی یعرف من مذهبهم الخ (مقدمہ صحیح مسلم ص۵) حضرات محدثینؒ کے مذہب سے جو چیز معروف اور مشہور ہے۔ (وہ یہ ہے)

(۶) حضرت امام مسلمؒ ہی لکھتے ہیں کہ ہم نے جو اصول نقل کیے ہیں سمجھدار کو

مذهب القوم (مقدمہ ص۲) قوم (حضرات محدثین کرامؒ) کا یہ مذہب (یہی) نظر آئیگا)

اور آگے بعض حضرات محدثین کرامؒ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ومن ذهب فی العلم هذا المذهب الخ (ایضاً) جو اس مذہب کا قائل ہوا (تو اس کو علم سے کچھ واسطہ اور تعلق ہی نہیں)

(۷) علامہ حازمیؒ ترجیح حدیث کی وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ میں لکھتے ہیں کہ

وهذا مذهب اهل العراق والبصریین والشامیین (کتاب الاعتبار ص۱۱) اہل عراق، اہل شام اور بصریوں کا یہی مذہب ہے۔

(۸) امام تاج الدین سبکیؒ اپنے والد محترم الشیخ الامام الفقیہ المحدث الحافظ المفسر المقری علیؒ بن عبد الکافی (المتوفی ۷۵۶ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ۔

ذکر شیئ مما انتخبه مذهبا وارتضاه رأیا لنفسه وذلك علی قسمین احدهما ماهو معترف بانه خارج عن مذهب الشافعی - اهـ (طبقات ص۱۸۲/۶) بعض ان چیزوں کا ذکر جن کو انہوں نے مذہباً انتخاب کیا اور اپنے لیے رائے کے لحاظ سے پسند کیا ہے۔ اور یہ دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک یہ ہے کہ وہ معترف ہیں کہ اس میں وہ حضرت امام شافعیؒ کے مذہب سے خارج ہیں۔

اس عبارت میں حضرت امام شافعیؒ کا مذہب اور امام علیؒ بن عبد الکافیؒ کا مذہب نکلا۔

(۹) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) تحریر کرتے ہیں کہ

ومنزلة مذهب احمدؒ من مذهب الشافعیؒ منزلة مذهب ابی یوسفؒ و محمدؒ من مذهب ابی حنیفةؒ۔ اھ (الجنة ص۶۷)	حضرت امام احمدؒ کے مذہب کی نسبت حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کی طرف ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے مذہب کی نسبت حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی طرف ہے۔

یعنی انہیں کے اصول و ضوابط سامنے رکھ کر انہوں نے مسائل کی تخریج کی ہے۔ اور انہیں پر مسائل کی بنیاد قائم کی ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا اور اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا مذہب اسلام کے علاوہ کوئی الگ اور جدا تھا۔ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نہ تھا۔ اور اس کو خود انہوں نے ایجاد و اختراع کیا تھا؟

حضرات! کہاں تک اس داستان کو طول دیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ لفظ مذہب ان تمام مواقع میں رائے پر اطلاق کیا گیا ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور امت کا اثبات سند اور متن میں کوئی الگ ہی مذہب تھا۔ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے پاس علم صحیح کا طریقہ وہی تھا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ البتہ اس کی تحقیق میں اپنی اپنی سمجھ کا دخل ضرور تھا۔

لفظ مذہب کا رائے پر اطلاق ہونا فریق ثانی کو بھی مسلم ہے۔ مثلاً ایک صاحب مذہب اہل مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت الخ (داد حق ص۴)

اور مولانا ثناء اللہ صاحب نے تو ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ہے "اہل حدیث کا مذہب"۔

حضرات! کیا اہل حدیث کا مذہب ان کے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذہب کے علاوہ اور مذہب ہے۔ اگر ہے تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم تو ان کے بارے حسن ظنی ہی رکھتے ہیں۔ غرضیکہ مذہب حنفی وغیرہ کے جملہ سے احناف وغیرہ پر اعتراض اور اس کا شکوہ بالکل بے جا ہے۔

باب اوّل

(قرآن کریم سے تقلید کا ثبوت)

ہم نے سابق ابحاث میں بعض ضروری اور بنیادی چیزیں قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر دی ہیں۔ اب ہم اس باب میں قرآن کریم کی بعض آیات کریمات اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ وغیرہم سے اُن کی تفاسیر عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ تقلید کے اثبات میں قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات علماء کرام نے پیش کی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی کئی آیات اس مدعٰی پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہمیں چونکہ اس مسئلہ کے دلائل اور براہین کا احصار اور احاطہ مقصود نہیں۔ نیز ہماری بے بضاعتی اس کی اجازت بھی نہیں دیتی کہ ہم ایسا کر بھی سکیں بلکہ مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ مسئلہ تقلید پر قرآن و حدیث سے کافی ثبوت موجود ہے۔ اور جمہور امت کا اس پر ایک حد تک اتفاق اور اجماع رہا ہے۔ اور اب بھی موجود ہے۔ لہٰذا ایسے اہم معاملہ میں جمہور امت کی تکفیر کرنا انصاف اور فہم سے بالکل بعید ہے اور شرک و بدعت کے ارتکاب کا فتوٰی ان پر سراسر ظلم ہے۔ ہاں جو جہالت، خیانت اور خود غرضی کی بنا پر قرآن کریم اور احادیث شریفہ پر اپنے پیر و مرشد اور امام کی بات کو ترجیح دیتا ہوں۔ بلکہ ان کے ساتھ برابری اور مساوات کا مدعی ہو یا قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کسی بھی آدمی کی بات سے احتجاج اور استدلال کرتا ہو تو ہمیں ایسے ملحد اور زندیق سے کیا تعلق اور واسطہ؟ ہم تو اس کے مدعی ہیں کہ غیر منصوص مسائل میں قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں اگر کوئی شخص حضرات ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی کی تقلید کرے تو اس کے لیے ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ ہمارے ہی نزدیک جائز ہے۔ بلکہ جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گا کہ فریق ثانی کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ اب ہم قارئین کرام کے سامنے بعض آیات کریمات اور ان کی تفاسیر نقل کرتے ہیں۔ غور سے ملاحظہ کیجئے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے۔

پہلی آیت : اللہ تعالیٰ مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ الآیۃ (پ۵۔ آل عمران)

اے مومنو! اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر (اور حکم) ہیں انکی (بھی) اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا حکم ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت (۳) اور اُولی الامر کی اطاعت۔ پہلی دو چیزوں کے متعلق تو اہل اسلام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ اور ان کی اطاعت سے روگردانی باغی۔ نافرمان اور سرکش ہی کا کام ہے۔ جب پہلی دو چیزوں میں اختلاف ہی نہیں تو ہم ان کی تفصیل بھی عرض نہیں کرنا چاہتے۔

البتہ تیسری چیز کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کو مسلم صاحب امر کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ غیر مسلم کی اطاعت نہ صرف یہ کہ ناجائز ہے بلکہ گناہ بھی ہے۔ اور منکم کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے کہ اُولی الامر کی اطاعت اس وقت ضروری ہوگی۔ جب وہ تم میں سے (یعنی مسلمان) ہو منکم کا یہی معنیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے یاایہا الذین آمنوا کی تصریح موجود ہے۔

(۲) یہ بات بھی اصولِ موضوعہ میں شامل ہے کہ صاحب امر کی بات بھی جب کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ہو ماننا ناجائز اور گناہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے۔

فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ۔ (بخاری ص ۱۰۵۷ ج ۲)

یعنی جب صاحب امر کی طرف سے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حکم صادر کیا گیا ہو تو پھر نہ تو اس کی بات سننی جائز ہے اور نہ ہی اس کی اطاعت روا ہے

(۳) صاحب امر جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت جائز ہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی اس کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ

من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصیٰ امیری فقد عصانی۔

جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو اس

(بخاری ص ۱۰۵۷/۲) نے میری نافرمانی کی۔

حضرات! آپ نے صاحب امر کی اطاعت اور اس کی شرائط کا حال پڑھ لیا۔ اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اُولی الامر سے مراد کون ہیں؟ اُولی الامر سے اصولی طور پر دو ہی قسم کے لوگ مراد لیے گئے ہیں۔

(۱) علماء اور فقہاءؒ (۲) امراء جیوش اور مطلق حکام۔ آپ اولی الامر سے پہلی قسم مراد لیں یا دوسری، بہرحال ہمارا مدعیٰ ثابت ہے۔

پہلی قسم: کہ اُولی الامر سے مراد علماء اور اصحاب فقہ ہیں۔

(۱) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ فرماتے ہیں۔

اولی الامر منکم قال الفقه والخیر — کہ اولی الامر سے اصحاب فقہ اور ارباب خیر مراد ہیں۔

(مستدرک ص ۱۲۳/۱)

حضرت جابرؓ کی اس تفسیر کو امام حاکمؒ نے سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (جو حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے) سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

یعنی اھل الفقه والدین (الی ان قال) فاوجب الله طاعتھم — اولی الامر سے اہل فقہ اور اہل دین مراد ہیں (جو لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں) (آگے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت واجب کر دی ہے۔

(مستدرک ص ۱۲۳/۱)

حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر بھی سند سے منقول ہے۔ اس کے تمام رواۃ بھی ثقہ ہیں۔ (ہم نے احسن الکلام اور عمدۃ الاثاث میں کتب اسماء الرجال سے ان کی توثیق نقل کر دی ہے اس مقام میں ہم تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔

اور علماء کرام کا تفسیر صحابی کے متعلق نظریہ مندرجہ ذیل ہے۔

تفسیر الصحابی مسند۔ تفسیر الصحابی حجة۔ تفسیر الصحابی مرفوع — صحابی کی تفسیر مسند ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوتا ہے) اور صحابی کی تفسیر حجت ہے اور صحابی کی تفسیر مرفوع ہوتی ہے۔

(مستدرک ص ۱۲۳/۱ معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۰ زاد المعاد ص ۵۲/۴ تدریب الراوی ص ۶۵ طبع مصر الجنۃ لنواب صدیق حسن خان ص ۹۶

توجیہ النظر ص۱۹۵ طبع مصر وغیرہ)

جب حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اُولی الامر کی تفسیر اولی الفقہ سے کرتے ہیں اور قاعدہ مذکورہ کی بنا پر صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث ہوتی ہے اور سند بھی اس کی صحیح ہے تو یہی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تفسیر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنی ہوگی۔ اب دیکھیے کہ غیر مقلدین حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تفسیر کو بھی قبول کرتے ہیں یا بعض دیگر حضرات مفسرین کرامؒ کی تفسیر اور اپنی رائے اور پسند کی بات پر مُصر رہتے ہیں ؟ کہ

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں نہیں ہوتی تب بھی بفضلہ تعالیٰ فتح ہماری ہی ہوگی نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

وھکذا حکم اقوالھم فی التفسیر فانھا اصوب من اقوال من بعدھم (الجُنۃ ص۹۶)

اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال کا حکم ہے کہ وہ بعد میں آنے والے حضرات کے اقوال سے بہت زیادہ صحیح ہیں۔

اسی طرح حضرات تابعینؒ کے اقوال کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ

وھکذا تفسیر التابعی حجۃ (الجُنۃ ص۹۶)

اور اسی طرح تابعی کی تفسیر بھی حجت ہے۔

اور متعدد حضرات تابعینؒ سے مروی اور منقول ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء اور اہل فقہ ہیں۔ حضرت عطاءؒ ابن ابی رباح المتوفی ۱۱۴ھ سے سند کے ساتھ منقول ہے کہ

اولی الامر اولوا العلم والفقہ

اولوا الامر سے اہل علم اور اصحاب فقہ مراد ہے۔

(دارمی ص۴۰ طبع ہند وطبع دمشق ص۷۲)

اور امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) واولی الامر منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابرؓ بن عبد اللہؓ وابن عباسؓ روایۃ والحسنؒ وعطاءؒ ومجاھدؒ انھم اولوا الفقہ والعلم وعن ابن عباسؓ روایۃ وعن ابی ھریرۃؓ انھم امراء السرایا ویجوز

اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایۃً اور حضرت حسنؒ، حضرت عطاءؒ اور حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اولی الامر اہل فقہ اور اہل علم ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے روایۃً اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس

ان یکونوا جمیعاً مرادین بالآیۃ لان
الاسم یتناولہم جمیعاً لان الامراء
یلون امر تدبیر الجیوش والسرایا
وقتال العدو والعلماء یلون حفظ الشریعۃ
وما یجوز وما لا یجوز اھ (احکام القرآن ص۲۱۰ ج۲)

سے مراد اُمرائے جیوش ہیں اور جائز ہے کہ اس آیت
کریمہ سے دونوں مراد ہوں کیونکہ اولی الامر کا لفظ دونوں
کو شامل ہے اس لیے کہ اُمراء تدبیر جیوش اور فوجوں اور
دشمن سے لڑائی کے کام کی سرپرستی کرتے ہیں اور علماء
حفظ شریعت اور جائز اور ناجائز چیزوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

قال الحسنؒ وقتادۃؒ وابن ابی لیلیٰؒ ھم
اھل العلم والفقہ وقال السدیؒ الامراء
والولاۃ قال ابوبکر یجوز ان یرید بہ
الفریقین من اھل الفقہ والولاۃ لوقوع
الاسم علیہما جمیعاً (احکام القرآن ص۲۱۵ ج۲)

حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن ابی لیلیٰؒ
فرماتے ہیں کہ اولی الامر اہل علم و فقہ ہیں اور حضرت سدیؒ
فرماتے ہیں کہ اُمراء اور حکام مراد ہیں امام ابوبکر الجصاصؒ
فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس سے اہل فقہ اور حکام کے
دونوں فریق مراد ہوں کیونکہ یہ لفظ دونوں پر واقع ہوتا ہے

اس عبارت سے بھی بالکل عیاں ہو گیا کہ دونوں طبقے مراد لینے میں کوئی تضاد و تعارض نہیں اور نہ اس میں نقلاً و عقلاً کوئی قباحت ہے۔ اور علامہ السید محمود آلوسیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ

وقیل المراد بہم امراء السرایا
وروی ذلک عن ابی ھریرۃ رضؓ ومیمونؒ
بن مہرانؒ الی قولہ
وقیل المراد بہم اھل العلم
وروی ذلک غیر واحد عن ابن عباسؓ
وجابرؓ بن عبد اللہؓ ومجاھدؒ والحسنؒ
وعطاءؒ وجماعۃ واستدل علیہ ابوالعالیۃؒ
بقولہ تعالیٰ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى
اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

اور کہا گیا ہے کہ اولی الامر سے مراد امراء الجیوش ہیں
اور یہ تفسیر حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت میمونؒ بن مہرانؒ
سے مروی ہے (پھر آگے فرمایا)
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل علم ہیں اور یہ تفسیر
بے شمار حضرات نے حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ بن
عبد اللہؓ اور حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسنؒ اور حضرت عطاءؒ
اور ایک جماعت سے روایت کی ہے اور حضرت ابوالعالیہؒ
نے اس پر استدلال یوں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
اور اگر وہ لوگ اس معاملہ کو رسول اور ان میں سے اولی الامر

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط فان العلماء هم المستنبطون المستخرجون للاحكام وحمله كثير وليس ببعيد على ما يعم الجميع لتناول الاسم لهم لان للامراء تدبير الجيش والقتال وللعلماء حفظ الشريعة ومايجوز ومالا يجوز اھ

(روح المعانی ص ۶۵/۵)

کی طرف لوٹاتے تو ان میں سے استنباط والے اس کی تہ کو پہنچ جاتے۔ فرماتے ہیں کہ علماء ہی احکام کا استنباط اور استخراج کرتے ہیں اور بہت سے حضرات نے دونوں کے لیے عام کیا ہے اور یہ بھی بعید نہیں ہے کیونکہ اولی الامر کا اسم دونوں کو شامل ہے اُمراء کو تو اس لیے کہ وہ جیش اور جہاد کی تدبیر کرتے ہیں اور علماء کو اس لیے کہ وہ شریعت اور جائز و ناجائز امور کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس تفسیر اور تشریح سے بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی تفسیر میں اُمراء اور علماء، دونوں مراد ہو سکتے ہیں جس طرح ان تفسیروں میں اولی الامر کا معنیٰ امراء سرایا اور اہل الفقہ اور اہل علم کے کیا گیا اسی طرح تفسیر معالم التنزیل ص ۴۹۴/۲ اور تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۷/۲ اور تفسیر کشاف ص ۲۷۶/۱ وغیرہ میں بھی اولی الامر کا مصداق اہل الفقہ والعلم منقول ہے مگر ہم اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور مزید لطف کی بات یہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمدؒ بن علی شوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) بھی یہ لکھتے ہیں کہ

ان للمفسرين فی تفسير اولی الامر قولين احدهما انهم الامراء والثانی انهم العلماء ولا تمتنع ارادة الطائفتين من الآية الكريمة ولكن اين هذا من الدلالة على مراد المقلدين فانه لا طاعة للعلماء ولا للامراء الا اذا امروا بطاعة الله تعالى على وفق شريعته والا فقد ثبت عنه صلى الله تعالى عليه وسلم انه قال لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق اھ (القول المفيد ص ۱۱)

حضرات مفسرین کرامؒ کے اولی الامر کی تفسیر میں دو قول ہیں ایکؔ یہ کہ اس سے اُمراء مراد ہیں اور دوسراؔ یہ کہ اس سے علماء مراد ہیں اور کوئی امتناع نہیں کہ اس آیت کریمہ سے دونوں طبقے مراد لیے جائیں لیکن مقلدین کی مراد پر اس کی دلالت کا کیا تعلق؟ اس لیے کہ امراء کی اطاعت صرف اسی وقت ہوگی جب کہ وہ شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

باقی باتیں تو بالکل واضح ہیں۔ خصوصاً یہ بات کہ اولی الامر سے علماء بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور ہمارا مقصد بھی اس حوالہ سے صرف یہی بات ہے۔

البتہ قاضی شوکانیؒ کا یہ قول ولکن این ھذا من الدلالۃ علی مراد المقلدین الخ تو یہ تقلید سے نفرت کی وجہ سے بدگمانی اور سوءِ ظن کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حضرات مقلدین تو ببانگ دہل چلا چلا کر یہ کہتے ہیں کہ منصوص مسائل میں اور قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔ تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جو غیر منصوص ہوں اور جاہل کو لاعلمی کے وقت قرآن وحدیث کے صریح حکم سے باقرار فریق ثانی اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے سوال کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ شرعاً اس کا مکلف اور پابند ہے۔ اور ایسے مسائل میں تقلید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے حکم کی تعمیل اور ان کی اطاعت میں ہوتی ہے نہ یہ کہ ان کی نافرمانی میں اور اُولی الامر کا مضمون مقلدین کی مراد پر واضح اور روشن دلیل ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان بھی لکھتے ہیں کہ

قال ابن عباسؓ وجابرؓ والحسنؒ والبو العالیۃؒ وعطاءؒ والضحاکؒ ومجاھدؒ والامام احمدؒ ھم العلماء (الجنۃ ص۲)

حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت جابرؓ۔ حضرت حسن بصریؒ حضرت ابو العالیہؒ۔ حضرت عطاءؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔

الحاصل جب یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے کہ اولی الامر سے مراد اصحاب فقہ۔ علماء اور اصحاب خیر ہیں تو ان کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں۔ اور یہ محال ہے کہ شرک اور بدعت و مذموم امر کا حکم رب العزت کی طرف سے ہو۔ اور صیغۂ امر اطیعوا کا بھی اچھی طرح خیال فرمائیں۔

نواب صدیق حسن خانؒ صاحب لکھتے ہیں۔

اصل در امر وجوب فعل مامور بہ ست۔ (بدور الاہلہ ص۲۲)

یعنی امر اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مامور بہ کے وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

جب صیغۂ امر سے مامور بہ کا وجوب ثابت ہے تو اس وجوب پر عمل کرنے سے شرک کیوں لازم آیا؟ اور یہ مذموم کیوں ہے؟

فریق ثانی کو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہیے کہ مطلقاً تقلید حضرات ائمہ کرامؒ کے شرک کہنے سے کیا خرابی لازم آتی ہے؟ اور اس کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے اور کیا حضرات ائمہ کرامؒ کی یہی توقیر ہے؟

کیا اس لیے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے ؎ بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

دوسری قسم :۔ کہ اگر اولی الامر سے مراد حکام اور امراء ہی ہوں جیسا کہ اس آیت کا شان نزول بھی ایک سپہ سالار کی شدت ہے تو بھی کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ اگر رسول کے بغیر کسی کو حاکم اور امیر بنانے سے شرک فی الرسالت لازم آتا اور اس کی اطاعت ناجائز ہوتی تو اسلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا آپ کی موجودگی میں بھی اور آپ کے انتقال کے بعد بھی کسی کو امام منتخب کرنا جائز نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے خود امراء اور حکام چنے اور منتخب کیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اولی الامر یعنی امراء کی جب کہ وہ مسلمان اور پابند شریعت ہوں اطاعت کرو۔ اور بخاری شریف کی حدیث پہلے نقل کی جاچکی ہے کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے آپ کی نافرمانی کی۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امر، حکم اور قضیہ (اذا قضی اللہ و رسولہ الآیۃ) کے ہوتے ہوئے ان کی تعمیل میں کسی دوسرے کی بات کو تسلیم کرنا کفر اور شرک فی الالوہیت اور شرک فی الرسالت نہیں (حالانکہ حقیقۃً فیصلہ کرنا اور حکم دینا خدا تعالیٰ کا اور اس کی تعلیم و تبلیغ رسول برحق ہی کا کام ہے) تو اسی طرح ان کی اطاعت میں اگر کسی دوسرے کی اس لیے تقلید کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ اور امت کی خیر خواہی میں کوشاں ہیں تو ان کی تقلید سے کیسے شرک فی الالوہیت اور شرک فی الرسالت لازم آئے گا؟

اعتراض :۔ فریق ثانی کہا کرتا ہے کہ خلفاء۔ امراء اور حکام کی اطاعت تو امور دنیوی میں کی جاتی ہے۔ اور امور دنیوی میں کسی بات کو امن عامہ اور سیاست کو برقرار رکھنے کے لیے تسلیم کرنا شرک نہیں نہ فی الالوہیت اور نہ فی الرسالت، شرک تو جب ہوگا کہ دین میں کسی کو منصب نبوت اور مسند رسالت پر جگہ دی جائے اور تم حضرات ائمہ دین کو دین میں اپنا مقتدیٰ اور پیشوا بناتے ہو۔ لہذا شرک ہوا۔

جواب :۔ فریق ثانی کا یہ مغالطہ موجودہ لادینی سیاست کا ایک عکس ہے۔ کہ دین کو دنیا سے اور دنیا کو دین سے الگ سمجھتے ہیں۔

حضرات! مسلمانوں کا دین اور دنیا۔ مذہب اور سیاست دو الگ الگ راستے نہیں۔ بلکہ مسلمان کی سیاست اور دنیا بھی دین ہی ہے۔ یہاں دین اور دنیا کا اور مذہب و سیاست کا فرق نکالنا زندقہ اور الحاد ہے

آپ ہمارے اس بیان کی تائید میں مندرجہ ذیل امور کا خیال فرمائیں۔

(۱) صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شفقت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

رجلاً بایع اماماً لایبایعہ الا للدنیا الحدیث (بخاری ص۳۱۷ ج۲) — ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے امام وقت کے ہاتھ پر حصول دنیا کے لیے بیعت کی۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی بیعت دنیا کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ دین کے لیے ہی ہونی چاہیئے جب دنیا کے لیے بیعت اتنی مذموم ٹھہری تو اس کی نسبت حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی طرف اور اسلام کے زریں اصول کی طرف چہ معنیٰ دارد؟

(۲) کتب عقائد میں امام کے متعین کرنے کا مقصد صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ۔

لان المقصود من نصب الامام بالذات اقامۃ امر الدین (مسامرہ ص۱۵۲ ج۲) — امام اور خلیفہ کے انتخاب سے مقصود بالذات امور دین کا قائم کرنا ہوتا ہے۔

اور شرح العقائد ص۱۱۰ میں ہے کہ خلافت سے مقصود امر الدین ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وھو الامر المقصود الاھم والعمدۃ العظمیٰ — یعنی امر دین ہی مقصود اہم اور بڑی مطلوب چیز ہے

جب امام اور خلیفہ کا انتخاب ہی امور دین کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ تو ہم اس گورکھ دھندے کو نہیں سمجھ سکتے کہ ایک طرف تو امیر کے انتخاب پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اتنی وعید شدید وارد ہو کہ جس کے گلے میں کسی امام کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور نیز فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام بھی تمہارے اوپر امیر منتخب کر لیا جائے تو اس کی اطاعت بھی تمہارے لیے ضروری ہے (بخاری ص۱۰۵۷ ج۲ مسلم ص۱۲۸ ج۲ و ص۱۲۴ ج۲)

اور دوسری طرف حسب خیال فریق ثانی دین کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر کسی اور کی اقتدا شرک فی الرسالۃ ہے اور امیر کی اطاعت صرف سیاسی ہے ایک طرف تو بالفرض حبشی کو بھی دین کے بارے میں خلیفہ اور امام بنانا شرک فی الرسالۃ نہ ہو۔ اور دوسری طرف مثلاً حضرت امام شافعیؒ ایسے قریشی اور عربی النسل امام کو بھی دین کے معاملات میں مقتدیٰ بنانا شرک فی الرسالت ہو جائے۔

ایک طرف اگر امیر کی ذرا بھی سرتابی کی جائے تو زبردست سزا کا مستوجب ہو۔ حالانکہ وہ صرف مجازی

حاکم ہے۔ حقیقی حاکم تو صرف پروردگار ہی ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو حکم دینے کا حق ہی نہیں۔ اور مزید لطف یہ کہ ایک امیر کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا امیر اگر کھڑا ہو تو امیر ثانی کی جان کی خیر ہی نہیں (مسلم صـ۱۲۸/ج۲) یعنی یہاں اتنی سخت گرفت ہے مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی امیر کی اطاعت نہ تو شرک فی الالوہیت ہے اور نہ شرک فی الرسالت ہے لیکن دوسری طرف اس میں اتنی سہولت ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا وہ یہ کہ اگر کوئی محقق عالم ہے تو چاہے کسی امام کی بھی تقلید نہ کرے۔ بلکہ قرآن اور حدیث سے براہ راست مسائل اخذ کرلے۔ اور بصورت جاہل ہونے کے متعدد حضرات ائمہ کرامؒ کی موجودگی میں چاہے تو کسی ایک امام کی تقلید کرلے۔ اور چاہے تو (عند البعض) پہلے کی تقلید کو چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کرلے۔ اور چاہے تو علامہ ذہبیؒ کے الفاظ میں امام ابن دقیق العیدؒ کی طرح المالکی الشافعی بن کر ڈبل مقلد بن جائے۔ دیکھئے یہاں رابطہ کتنا کمزور ہے۔ مگر فریق ثانی کے نزدیک ایسا کرنے سے ضرور شرک فی الرسالت لازم آجاتا ہے۔ اور خلیفہ کی بیعت میں کیسی سخت پابندی موجود ہے لیکن وہ شرک فی الرسالت نہیں۔

الغرض جب خلیفہ اور حاکم کی بیعت بھی اُمورِ دین میں شامل ہے۔ اور کسی ایک امام کی تقلید بھی دینی ہی چیز ہے۔ تو جب شرعاً مند رسول پر خلیفہ اور حاکم کو بھی بٹھلایا جاسکتا ہے اور دعوے سے انتخاب کے تحت امام بھی نائب رسول ہوسکتا ہے تو اگر پہلی چیز شرک نہیں بلکہ اس کی پابندی نہ کرنے پر اشد ترین وعیدیں بھی موجود ہیں، تو دوسری چیز کیوں شرک ہے؟ امید ہے کہ فریق ثانی سوچ سمجھ کر کچھ ارشاد فرمائے گا۔

(۳) حضرت امام رازیؒ (فخر الدین ابو عبد اللہ محمدؒ بن عمرؒ المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ

انہ لا نزاع ان جماعۃ من الصحابۃؓ والتابعینؒ حملوا قولہ واُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ علی العلماء (تفسیر کبیر صـ۱۴۹/ج۱۰)

اس میں کوئی نزاع نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت نے اولوا الامر کو علماء کے معنی پر حمل کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ اگر اولی الامر سے امراء بھی مراد لیے جائیں تب بھی علماء اس کا اولین مصداق ہیں۔

ان اعمال الامراء والسلاطین موقوفۃ علی فتاوی العلماء والعلماء فی الحقیقۃ امراء الامراء فکان حمل لفظ اولی الامر علیہم اولی (تفسیر کبیر صـ۱۴۶/ج۱۰)

بلاشک امراء اور بادشاہوں کے اعمال علماء کے فتووں پر موقوف ہیں اور حقیقت میں علماء ہی اُمراء کے اُمراء ہیں تو لفظ اولی الامر کا علماء پر حمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اور عوام پر علماء اور امراء کی یہ اطاعت بھی اس وقت واجب ہے جب کہ وہ عادل اور دین کے پابند ہوں ورنہ نہیں، چنانچہ امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں کہ

فامر الناس بطاعتهم والقبول منهم ما عدل الامراء والحكام وكان العلماء عدولا مرضيين موثوقا بدينهم وامانتهم فيما يؤدون ۔ (احکام القرآن ص۲۱۰ ج۲)

عام لوگ امراء اور علماء کی اطاعت اور ان کی بات کو قبول کرنے کے مامور ہیں جب کہ امراء اور حکام عادل ہوں ۔ اور علماء عادل اور پسندیدہ ہوں اور جس چیز کو وہ ادا کرتے ہوں اس میں ان کے دین اور امانت پر اعتماد ہو۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر امراء اور حکام ظالم ہوں اور خلاف شرع احکام جاری کرتے ہوں اور علماء دین اور دینی امانت کے لحاظ سے قابل اعتماد اور عادل نہ ہوں بلکہ علماء سوء ہوں تو ان کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور امام رازیؒ اولی الامر کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ۔

المسألة الاولى فى اولى الامر قولان احدها الى ذوى العلم والرأى منهم والثانى الى امراء السرايا وهؤلاء رجحوا هذا القول على الاول قالوا لان اولى الامر الذين لهم امر على الناس واهل العلم ليسوا كذلك انما الامراء هم الموصوفون بان لهم امرا على الناس واجيب عنه بان العلماء اذا كانوا عالمين باوامر الله ونواهيه وكان يجب على غيرهم قبول قولهم لم يبعد ان يسموا اولى الامر من هذا الوجه والذى يدل عليه قوله تعالى ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اولی الامر کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے اہل علم اور اصحاب الرأی مراد ہیں ۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے امراء جیوش مراد ہیں اور اس قول والوں نے اس کو پہلے پر ترجیح دی ہے یہ کہتے ہوئے کہ اولی الامر وہ ہیں جن کی بات اور حکم لوگوں پر نافذ ہو اور اس وصف کے ساتھ امراء ہی موصوف ہیں نہ کہ علماء ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ علماء جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو جانتے ہوں تو نہ جاننے والوں پر ان کی بات کو قبول کرنا واجب ہے تو اس وجہ سے بعید نہیں کہ وہ بھی اولی الامر سے موسوم ہوں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ چاہیئے کہ وہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں اور چاہیئے کہ اپنی قوم کو جب وہ ان کی طرف لوٹے ڈرائیں شاید کہ وہ (نافرمانی سے) بچتے رہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ڈرانے سے قوم پر بچنا واجب کیا ہے اور جس قوم کو انہوں

اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون فاوجب الحذر بانذارھم والزم المنذرین قبول قولھم فجاز لھذا المعنی اطلاق اسم اولی الامر علیھم (تفسیر کبیر ص ۱۹۹ ج ۱۰)

نے ڈرایا ہے ان پر ان کے قول کو قبول کرنا لازم ٹھہرایا ہے تو اس وجہ سے اولی الامر کا اطلاق ان پر جائز ہے۔

یعنی جس طرح عوام پر اُمراء کا قول ماننا (جو موافق شرع ہو) واجب اور لازم ہے اسی طرح لاعلم لوگوں پر علماء کی بات جو اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی سے بخوبی آگاہ ہیں تسلیم بھی لازم اور واجب ہے اس لحاظ سے علماء حق کی بات ماننا بھی عوام پر واجب اور لازم ہے جس طرح اُمراء کی تو علماء حق بھی اولی الامر کا مصداق ہیں۔

(۴) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کہ اولی الامر کی جو دو تفسیریں کی گئی ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ

والتحقیق ان الامراء انما یطاعون اذا امروا بمقتضی العلم فطاعتھم تبع لطاعۃ العلماء کما ان طاعۃ العلماء تبع لطاعۃ الرسول (الجنۃ ص ۴۷)

تحقیق یہ ہے کہ امراء اور حکام کی اطاعت تب ہی کی جاتی ہے کہ وہ علم (شریعت) کے مطابق فیصلہ کریں تو امراء کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے۔ جیسا کہ علماء کی اطاعت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے تابع ہے۔

الحاصل یہ کہ حقیقۃً اطاعت تو علماء کی ہونی چاہیے۔ حکام کی اطاعت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ علماء کے تابع اور شریعت اسلامی کے موافق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (المتوفی ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ۔ اولی الامر کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا موقف یہ ہے کہ اس سے مُراد خلفاء علماء اور فقہاء ہیں اور مولانا صدیق حسن خان صاحب (رئیس اہل حدیث) بھی اس معنی کو اپنی تفسیر میں قبول کرتے ہیں۔ (جواہر الفقہ ص ۱۲۲ ج ۱)

آپ اولی الامر کی تحقیق سُن چکے کہ اصحاب فقہ ہوں یا حکام بہر حال ان کی اقتداء کا حکم قرآن کریم کی آیت مذکورہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے اگر حضرت ائمہ کرامؒ کی تقلید اور اطاعت شرک فی الرسالۃ ہے تو حکام اور امراء کی اطاعت بھی تو شرک فی الرسالت ہی ہو گی لیکن اگر حکام کی اطاعت واجب ہے تو لاعلمی کے وقت حضرات ائمہ کرامؒ کی اطاعت بھی واجب ہی ہو گی اور ہے۔ اگر فریق ثانی اس کو واجب نہیں مانتا تو نہ سہی مگر اس کو شرک بھی تو نہ کہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ خود اس کا اپنا زاویۂ نگاہ ہی درست نہیں۔

تیری نگاہِ کرم کو بھی آزما دیکھا
اذیتوں میں نہ ہوتی تھی کچھ کمی نہ ہوئی

دوسری آیت :۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ (پ۵ - آل عمران)

جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو جناب رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے (تو بہتر ہوتا) تاکہ جو اس کی حقیقت اور تہہ کو پہنچ سکتے ہیں وہ اس کو جان لیتے (پھر جیسا مناسب سمجھتے کرتے)

اس آیت کریمہ میں عوام الناس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر بات ان کے سمجھنے کی نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب بھی وہ کسی امن یا خوف، کی بات کو سنیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولی الامر سے اس کی بابت پوچھ لیا کریں۔ پھر جیسا وہ مناسب خیال فرمائیں گے بتلا دیں گے۔ پھر عوام اس پر عمل کریں۔

مندرجہ ذیل امور پر غور کریں۔

(۱) اگرچہ آیت میں امن اور خوف کا ذکر ہے۔ لیکن ان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امن اور خوف۔ ان کا پس منظر اور ان کی تشہیر بسا اوقات امن عامہ کے لیے مخل ہوتی ہے۔ اور ہر آدمی ان کے نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ایسے اہم کاموں میں ہر آدمی اپنی سمجھ سے کام نہ لے۔ بلکہ کسی سمجھدار سے جو حقیقت آشنا ہو پوچھ لے۔ اسی طرح دین کا ہر مسئلہ اور اس کی حقیقت بھی ہر آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اس لیے ایسے مسائل میں ایسے لوگوں سے جو حقیقت سے آگاہ ہوں پوچھنا ضروری ٹھہرا۔

(۲) اس آیت میں اولی الامر ایسے حضرات کو کہا گیا ہے جن میں استنباط اور اجتہاد کا مادہ موجود ہو۔ تاکہ ضرورت کے وقت وہ جزئیات کو اصول کی طرف اور غیر منصوص مسائل کو احکام منصوصہ کی طرف لوٹا کر معاملہ کی نزاکت کو معلوم کر سکیں اور یہ کام صرف حضرات فقہاء کرامؒ اور مجتہدین کا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

فقد حوت ھٰذہ الآیۃ معانی منھا ان فی احکام الحوادث ما لیس بمنصوص علیہ بل مدلول علیہ ومنھا ان علی العلماء استنباطہ والتوصل الی معرفتہ

بلاشک یہ آیت کریمہ متعدد معانی و مطالب پر مشتمل ہے ایک یہ کہ پیش آمدہ مسائل کے احکام ایسے بھی ہیں جو صراحۃً ثابت نہیں بلکہ دلیل سے ان کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور دوسرا یہ کہ علماء پر ان کا استنباط اور منصوص نظائر کی طرف

برده الى نظائره من المنصوص ومنها ان العامى عليه تقليد العلماء فى احكام الحوادث الخ (احكام القرآن ص۲۱۵ ج۲)	لوٹا کر ان کی معرفت تک توصل لازم ہے اور تیسرا یہ کہ عامی پر پیش آمدہ مسائل کے احکام میں علماء کی تقلید لازم ہے الخ

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور مدلول کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ استنباط کرنا ہر ایک کا کام نہیں اور اس کے شروط بھی ہیں اور استنباط کو فقہا قیاس بھی کہتے ہیں پس جو استنباط نہ کر سکتا ہو اس کو اس مسئلہ میں جو اس کو کتاب وسنت واجماع میں نہ ملے تو مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا چاہیئے اور اسی کو تقلید شرعی کہتے ہیں جس کی ضرورت سمجھی گئی (تفسیر حقانی ص۲۵ ج۵)

امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ غیر منصوص حوادث میں قیاس اور اجتہاد کے جائز ہونے پر قرآن کریم کی چند آیات اور بعض احادیث کا حوالہ دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں۔

ونظير ذلك من الاخبار الموجبة لجواز الاجتهاد فى امور الدين لا توقيف فيها ولا اجماع اكثر من ان تحصى وفيما ذكرنا كفاية لمن وفق لرشده (الفصول فى الاصول ابواب الاجتهاد والقياس للجصاص الرازيؒ ص۲ المكتبة العلمية لاهور)	اور ان کی مانند وہ احادیث جو دین کے ایسے امور کے بارے جن میں وقوف اور اطلاع نہ مل سکی ہو اور ان میں اجماع بھی نہ ہوا اجتہاد کے جواز پر دال ہیں اور وہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا اور ہم نے جو بیان کی ہیں۔ جس کو بھلائی کی توفیق نصیب ہے اس کے لیے وہ کافی ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول میں بالکل واضح ہے کہ غیر منصوص مسائل میں قیاس اور اجتہاد کے جائز ہونے پر بے شمار احادیث بھی دال ہیں۔

امام محمد بن احمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ

انه ما من حادثة الا وفيها حكم لله تعالى من تحليل او تحريم او ايجاب او اسقاط ومعلوم ان كل حادثة	کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحلیل یا تحریم ایجاب یا ذمہ کو فارغ کرنے کا کوئی حکم نہ ہو اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ہر مسئلہ میں نص نہیں پائی جاتی منصوص مسائل تو معدود

لا یوجد فیھا نص فالمنصوص معدودة متناھیة ولا نھایة لما یقع من الحوادث الی قیام الساعة وفی تسمیة حادثة اشارة الی انه لا نص فیھا فان مافیه النص یکون اصلاً معھودًا وکذلك الصحابة رضی ما اشتغلوا باعتماد نص فی کل حادثة طلبًا او روایةً فعرفنا انه لا یوجد نص فی کل حادثة (اصول سرخسی ج۲ ص۱۳۹ طبع مصر)

اور متناہی ہیں اور قیامت تک جو مسائل پیش آنے والے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں اور لفظ حادثہ میں اشارہ ہے کہ اس میں کوئی نص نہیں کیونکہ جس میں نص موجود ہو وہ تو معہود اصل ہے اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ بھی ہر پیش آمدہ مسئلہ میں طلباً یا روایۃً نص ہی پر ٹیک نہیں لگاتے تھے اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ میں نص موجود نہیں

اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ تمام پیش آمدہ مسائل میں نص موجود نہیں ہے۔

اجتہاد ہر کس و ناکس کا کام نہیں

سابق عبارات اور حوالوں سے یہ بات تو بالکل آشکارا ہو گئی ہے کہ پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں قیاس اور اجتہاد تا قیامت جائز ہے اور اس سے کوئی مخلص اور چارہ نہیں لیکن اجتہاد کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں اس کے لیے اصول فقہ کی کتابوں میں اہم اور ضروری شرطیں بیان کی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں درسی اور متداول کتابوں۔ مثلاً نور الانوار۔ التوضیح والتلویح۔ مسلم الثبوت۔ فواتح الرحموت۔ التحریر۔ کشف الاسرار۔ منہاج الاصول غایۃ التحقیق وغیرہ کے علاوہ احکام القرآن لابی بکر الجصاصؒ ج۲ ص۲۶۳ الاحکام فی اصول الاحکام للعلامۃ الآمدیؒ ج۴ ص۲۱۹ المستصفیٰ للغزالیؒ ج۲ ص۳۳۶ اور اصول الفقہ لابی زہرۃ ص۲۳۶ وغیرہ کتابوں میں خاصی تفصیل موجود ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر صرف دو ہی حوالے عرض کرتے ہیں۔

(۱) امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفیؒ (المتوفی ۴۸۲ھ) نہایت ہی مختصر الفاظ میں اجتہاد کی شرطیں تحریر فرماتے ہیں کہ

اما شرطه فان یحوی علم الکتاب بمعانیه وعلم السنة بطرقها ومتونها ووجوه معانیها وان یعرف وجوه القیاس اھ (کنز الاصول الی معرفة الاصول ص۲۷۰ طبع مصر)

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی اور حدیث کی اسانید اور متون اور ان کے معانی کے طریقوں کے علم پر حاوی ہو اور یہ کہ قیاس کے طرق اور وجوہ کو بھی جانتا ہو۔

یعنی مجتہد کے لیے یہ ضروری ہے اور اجتہاد کی یہ بنیادی شرط ہے کہ مجتہد کتاب اللہ کے معانی پہ عبور رکھتا ہو اور حدیث کی اسانید اور اس کے متون پر بھی اس کا علم حاوی ہو اور اخذ معانی مثلاً عبارۃ النص۔ اشارۃ النص دلالۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ کے وجوہ کو بھی بخوبی جانتا ہو اور قیاس کے وجوہ کو بھی (جو قیاس کے باب میں مذکور ہیں) جانتا ہو۔ ظاہر امر ہے کہ جس نے نہ تو کسی ماہر استاد سے قرآن کریم کے باقاعدہ معانی پڑھے ہوں اور نہ علوم آلیہ سے شناسائی حاصل کی ہو۔ اور نہ حدیث کی سند اور معنی کو پڑھا ہو اور نہ اصول تفسیر اور اصول حدیث سے واقفیت حاصل کی ہو اور نہ اصول فقہ اور قیاس کے وجوہ کو پڑھا ہو محض بعض تراجم پر نگاہ جمائی ہو وہ بھلا مجتہد کیسے بن سکتا ہے؟ وہ روایتی علم ہو یا جج اور وکیل ہو شرعی اجتہاد کے میدان کا ہرگز شہسوار نہیں ہے وہ ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا کا مصداق تو ہو سکتا ہے لیکن مجتہد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام عبدالکریم شہرستانیؒ (المتوفی ۵۴۸ھ) اجتہاد کی شرائط پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

شرائط الاجتہاد (۱) معرفۃ قدر صالح من اللغۃ والتمیز بین الالفاظ الوضعیۃ والاستعاریۃ والنص والظاہر والعام والخاص والمطلق والمقید والمجمل والمفصل وفحوی الخطاب ومفہوم الکلام (۲) معرفۃ تفسیر القرآن خصوصاً مایتعلق بالاحکام (۳) ثم معرفۃ الاخبار بمتونہا واسانیدھا والاحاطۃ باحوال النقلۃ والرواۃ (۴) ثم معرفۃ مواقع اجماع الصحابۃ رضؓ والتابعینؒ وتابعی التابعینؒ من السلف الصالحین حتی لایقع اجتہادہ فی مخالفتہ الاجماع۔ (۵) ثم التہدی الی مواضع الاقیسۃ وکیفیۃ النظر والتردد فیہا الخ

(الملل والنحل ص۲۰۰ ج۱ طبع مصر)

اجتہاد کی شرطیں یہ ہیں (۱) بقدر ضرورت لغت (عربیہ) کی معرفت ہو اور الفاظ وضعیہ اور استعاریہ اور نص اور ظاہر اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید اور مجمل اور مفصل اور فحوائے خطاب اور مفہوم کلام میں تمیز کرنے کی اہلیت ہو۔ (۲) قرآن کریم کی تفسیر کی معرفت ہو خصوصاً جو احکام سے متعلق ہے (۳) پھر احادیث کی ان کی اسانید اور متون کے ساتھ معرفت اور ناقلین اور روات کے احوال کی معرفت کا احاطہ (۴) پھر حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ وغیرہم سلف صالحینؒ کے اجماع کے مواقع کی معرفت تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف نہ واقع ہو (۵) پھر قیاسات کے مواقع اور استدلال کی کیفیت اور ان میں غور و فکر کرنے کے مواقع کی شناسائی اور ہدایت ہو۔

قارئین کرام! یہ ہیں اجتہاد کے لیے مختصری شرطیں جس شخص نے نہ تو تفسیر و حدیث باقاعدگی سے پڑھی ہو اور نہ علم لغت

عربیہ اور اصول فقہ سے واقفیت رکھتا ہو۔ اور نہ حضرات سلف صالحینؒ کے اجماع کے مواقع کو ان کے ماخذ سے جانتا ہو اور نہ قیاس کے طرق پر مطلع ہو صرف بعض کتابوں کے خلاصے اور تراجم پڑھ لیے ہوں تو وہ کس طریقہ سے اجتہاد کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ یا علمی طور پر اس کا اہل ہو سکتا ہے؟ راقم اثیم نے بحمد اللہ تعالیٰ پورے سولہ سال درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھا ہے اور پھر اڑتالیس ۴۸ سال سے پڑھا رہا ہے اور درس نظامی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو کئی کئی بار نہ پڑھائی ہو مگر جس چیز کا نام علمی طور پر اجتہاد ہے راقم اثیم اپنے آپ کو واللہ باللہ اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا بقدر وسعت صرف کتابوں کے حوالے دے سکتا ہے اور بس مگر نہایت افسوس ہے کہ اجتہادی علوم وفنون تو درکنار جس شخص نے درس نظامی یا اس سے ملتا جلتا نصاب جس سے اصلی زبان میں علوم عربیہ کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اساتذہ سے نہ پڑھا ہو صرف بعض کتابوں کے خلاصے اور تراجم ہی دیکھے ہوں اور وکالت پاس کر لی ہو تو بھلا وہ کیونکر اجتہاد کا اہل ہو سکتا ہے؟ الغرض پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں تاقیامت اجتہاد جاری اور جارہ ہے۔ لیکن مجتہد کے لیے شرائط بھی ہیں نہ یہ کہ ہر کہ ومہ اجتہاد کر سکتا ہے

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(۳) قیاس۔ اجتہاد اور استنباط کے اثبات پر جہاں اور بہت سے براہین ہیں وہاں ایک دلیل یہ آیت مذکورہ بھی ہے۔ اگر قیاس وغیرہ درست نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ امن اور خوف کے معاملہ کو ایسے اولی الامر کی طرف جو استنباط کر سکتے ہوں لوٹانے کا حکم نہ دیتے۔ چنانچہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ ہی لکھتے ہیں۔

وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی وجوب القول بالقیاس واجتہاد الرأی فی احکام الحوادث۔ (احکام القرآن ص ۲۶۲ ج ۲)

اس آیت سے نئے نئے مسائل میں قیاس اور رائے سے اجتہاد کرنے کا مسئلہ اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔

(۴) اگر اولی الامر کی بات حجت نہ ہوتی خصوصاً جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں تو قرآن کریم نے کیوں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے؟ اور پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کو (خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی جب کہ اصول دین کے موافق ہو) قبول کرنا شرک فی الرسالت ہے تو قرآن کریم نے اس شرک کی کیوں اجازت دی ہے؟ اور اگر آپ کے ارشاد کے موافق اولی الامر کی بات شرک فی الرسالت نہیں تو حضرات ائمہ مجتہدینؒ کی بات کیوں شرک ہے؟

(۵) اس آیت میں اولی الامر سے اگرچہ بعض حضرات نے امراء سرایا مراد لیے ہیں (دیکھیے کشاف ص ۲۷۶ ج ۱) لیکن جمہور حضرات مفسرین کرامؒ کے نزدیک اولی الامر سے مراد اصحاب فہم حضرات ہی مراد ہیں۔

چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ

وهم كبار الصحابة البصراء فی الامور، وهو الذی ذهب اليه الحسنؒ وقتادةؒ وخلق كثير۔ (روح المعانی ص۸۵ ج۵)

اولی الامر سے مراد کبار صحابہ کرامؓ ہیں۔ جو معاملات میں بصیرت رکھتے تھے۔ یہی تفسیر حضرت حسن بصریؒ، حضرت قتادہؒ اور بہت سے حضرات مفسرین کرامؒ نے کی ہے۔

اور اگر امراء جیوش بھی مراد ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امیر کی اطاعت میں بھی دینی پہلو ہی ہوتا ہے تو مسند رسول پہ وہ بھی بیٹھتے ہیں۔

(۶) چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت حضرات صحابہ کرامؓ ہی تھے اس لیے کبار صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ ان کی تخصیص نہیں۔ ہر زمانہ میں اصحاب بصیرت لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔

الحاصل مشکل ترین مواقع، مقامات اور مسائل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی اور بعد کو بھی دیگر اصحاب بصیرت اور اہل استنباط کی طرف رجوع کرنا شرک نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن کریم بھی شرک فی الرسالت کی تعلیم دیتا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اصول کے ماتحت اصحاب بصیرت کا حکم ماننا۔ ان کی تقلید کرنا در اصل آپؐ ہی کی اطاعت میں داخل ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بخاری شریف کی حدیث سے نقل کر چکے ہیں کہ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کے حوالہ سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں کہ علماء کی اطاعت کوئی الگ چیز نہیں بلکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت ہے۔

اور غیر مقلد عالم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی لکھتے ہیں کہ۔

لفظ اولی الامر جمع ہے اور تقلید شخصی مفرد ہے اس لیے بھی دعوے اور دلیل میں مطابقت نہیں۔ (کیا خوب! غیر مقلدین کے نزدیک کیا بیک وقت متعدد امراء کی اطاعت جائز ہے؟ یا صرف ایک کی؟ اگر متعدد کی جائز ہے تو دوسرے کو قتل کرنے کا حکم کیوں صادر ہوا ہے؟ اور اگر ایک کی ہے تو جمع کا صیغہ ایک پہ کیسے فٹ ہوگا؟ اور دعویٰ و دلیل میں تقریب تام کیسے ہوگی؟ اور پھر فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ میں بھی تو تعمیم ہے۔ نہ معلوم ان کے شیخ الکل صاحبؒ نے صرف ایک ہی سے سوال کرنے پہ عہدۂ تکلیف سے لاعلم کو کیوں فارغ الذمہ قرار دیا ہے؟ صفدر) آیت کا اصل صحیح اور ٹھیک مطلب یہ ہے کہ خدا و رسول

کی تو مستقل اطاعت ہے ہی اولی الامر یعنی حکومت والوں کی اطاعت امور دنیا میں اس شرط کے ساتھ ہے

کہ وہ خدا رسول کے خلاف نہ کہیں اور علماء کی اس شرط کے ساتھ ہے کہ خدا رسول کی باتیں وہ ہمیں پہنچائیں۔

تو اس میں چاروں اماموں کی کوئی خصوصیت نہیں (یقیناً ہے کیونکہ ان کے مسائل کتابوں میں ابواباً و فصولاً مدون و مرتب ہیں، جب کہ دوسرے حضرات ائمہ کرامؒ کے مسائل یا تو ان ہی حضرات ائمہ اربعہؒ کے مسائل میں مدغم اور مندرج ہو گئے ہیں۔ اور یا مٹ گئے ہیں کما سیجیٔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) صحابہؓ سے لے کر آج تک جو علماء کرام خدا رسول کی باتیں لوگوں کو پہنچائیں۔ ہر شخص پر ان باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی باتیں نہیں وہ صرف ناقل اور مبلغ ہیں، باتیں دراصل اللہ رسول کی ہیں جن کی اتباع بالاستقلال ہمارے ذمہ فرض ہے۔ (غیر منصوص مسائل میں قیاس و اجتہاد کا جواز بھی تو حدیث اور اقرار فریق ثانی سے ثابت ہے۔ صفدر)

الیٰ قولہ پس امور شرعی میں کسی کی تقلید مطلق حرام ٹھہری۔ یہی ائمہؒ کا ارشاد ہے۔ اور یہی امام صاحب نے فرمایا ہے۔ اھ

(طریق محمدی ص ۱۹۲)

انشاء اللہ تعالیٰ ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ لاعلم کے لیے تقلید واجب ہے۔ حرام نہیں۔ اور قرآن و حدیث نے شرعی امور میں تقلید کی اجازت دی ہے۔ جب کہ مسائل غیر منصوص ہوں۔ اور اس پر حضرات غیر مقلدین کی تصریحات بھی باحوالہ عرض کی جائیں گی اور حضرات ائمہ اربعہؒ اور ان میں علی الخصوص حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ بھی مفصل آرہا ہے۔ اور امور شرعی میں مطلقاً تقلید کو حرام کہنا صرف اسی شخص کا حصہ ہو سکتا ہے جو عقل و خرد سے محروم ہو۔ مذکورہ عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حکام اور علماء کی اطاعت اس شرط سے مشروط ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو ان کی باتیں ہمیں پہنچائیں اور اہل اجتہاد اجتہاد بھی کریں اور ہم اس کو بھی تسلیم کریں۔ اور جملہ مقلدین بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔ فرق صرف تعبیر کا ہے۔ یہ بات بھی نہایت ہی قابل توجہ ہے کہ اگرچہ حضرات محدثین کرامؒ کا پایہ بھی اسلام میں بہت ہی بلند ہے۔ لیکن حضرات فقہاء کرامؒ کا رتبہ بھی کسی طرح کم نہیں۔ ہم یہاں صرف دو ہی حدیثوں کا ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابو موسیٰ (عبد اللہ بن قیس) الاشعریؓ (المتوفی ۵۲ھ) سے مروی ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو روحانی بارش میں لے کر آیا ہوں اس کی

مثال ایسی ہے جیسے جسمانی بارش کی۔ جو زمین کے مختلف خطوں پر برستی ہے اور اس سے مختلف قسم کے اثرات اور نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک خطہ ارضی وہ ہے جس پر بارش ہوئی۔ اور اس خوشگوار زمین نے بارش کا پانی اپنے اندر خوب جذب کر لیا۔ اور پھر گھاس، سبزی، ترکاری اور مختلف پھولوں کی شکل میں اس زمین نے سبزہ اگایا۔ دوسرا قطعہ زمین کا وہ ہے جسمیں پانی رک تو جاتا ہے۔ لیکن اس میں سبزی گھاس اور پھول وغیرہ اگانے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ زمین بھی مفید ہے۔ کہ اس کے اندر رکے ہوئے پانی کو لوگ بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ اور کھیتی کو بھی وہ پانی مل سکتا ہے۔ تیسرے قسم کا ٹکڑا وہ چٹیل حصہ ہے جسمیں نہ تو سبزہ اگانے کی استعداد ہوتی ہے۔ اور نہ ہی پانی کو روکنے کی۔ بس پانی آیا اور گیا۔ (بخاری صہ ۱۸/۱ و مسلم صہ ۲۴۷/۲ و مشکوٰۃ صہ ۲۸/۱)

غور فرمائیے کہ زمین کے ان تین خطوں میں سے بہتر کون سا خطہ ہے؟ اگرچہ پانی کا اپنی صحیح صورت میں رہنا بھی مفید ہے۔ لیکن انسانوں اور حیوانوں کی دیگر مختلف ضروریات (اناج، ترکاری۔ پھل اور پھول اور گھاس وغیرہ) پانی کے اپنی اصلی شکل پر رہنے سے تو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے زمین کا پہلا ٹکڑا (جس سے ہر قسم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں) سب سے بہتر ہے۔

زمین کے پہلے حصہ سے آپ حضرات فقہاء کرامؒ سمجھ لیں جو اس روحانی بارش (قرآن وحدیث) کی استعداد سے انسان کی ضروریات کے مختلف پہلوؤں کو سیراب کرتے ہیں۔ اور دوسرے خطہ کی مثال آپ حضرات محدثین عظامؒ کی سمجھ لیں۔ جو روحانی بارش (قرآن وحدیث) کو اپنے حافظے کے تالاب اور حوض میں جمع کر لیتے ہیں اور بندگانِ خدا اپنی دینی تشنگی اس پانی سے بجھاتے ہیں۔ اور تیسرے خطہ کی مثال ان کی سمجھ لیجیے کہ نہ محدث نہ فقیہ۔ نہ اپنے کام کے اور نہ دوسروں کے کام کے۔ دنیا میں نامراد آئے اور ناکام گئے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

نضر الله امرأ سمع مقالتي	اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس بندہ کو جو میری حدیث کو سن کر
فحفظها فوعاها واداها فرب	یاد رکھے، پھر دلنشین کرنے کے بعد دوسروں کو سنائے ہو سکتا ہے
حامل فقه غير فقيه (الحديث)	کہ بعض حامل حدیث فقیہ نہ ہو (اور جس کو یہ سنائے وہ فقیہ ہو

اور وہ اس سے ضروریات کے موافق مسائل استنباط کرسکے)

یہ حدیث جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے تیئس ۲۳ حضرات صحابہ کرامؓ سے مختلف الفاظ اور متعدد سندات کے ساتھ مروی ہے۔ ہم نے اس حدیث کی تشریح میں "شوق حدیث" میں کتب حدیث و تاریخ و اسماء الرجال سے حضرات محدثین کرامؒ کے حافظہ کی ایسی مثالیں نقل کی ہیں۔ جن کو سن کر انسان حیران رہ جاتا ہے

یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت جبیرؓ بن مطعم وغیرہ سے مروی ہے امام ترمذیؒ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "حسن صحیح" (ترمذی ج۲ ص۹۰) امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ حضرت جبیرؓ بن مطعم کی حدیث کی شرط شیخین پر تصحیح کرتے ہیں۔ (مستدرک ج۱ ص۸۶)

الغرض مختلف انسانی ضروریات کو حضرات فقہاء کرامؒ ہی اپنے قیاس۔ اجتہاد اور استنباط سے پورا کرسکتے ہیں۔ حضرات محدثین عظامؒ کا کام تو اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کو بلا کم و کاست فقیہ تک پہنچادیں۔ جب وہ خوب چھان بین اور تحقیق سے حدیث پہنچادیں تو

بس ان کی ڈاک ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اس حدیث سے جواہر ریزے نکالنا حضرات فقہاء کرامؒ کا کام ہے۔ تو جیسے حضرات محدثین کرامؒ پر تصحیح حدیث کے سلسلہ میں اعتماد کرنا شرک فی الرسالت نہیں۔ اسی طرح حضرات فقہاء کرامؒ پر مسائل کے استنباط کرنے کی وجہ سے اعتماد کرنے سے بھی شرک فی الرسالت لازم نہیں آتا ہے۔

تیسری ۳ آیت: اللہ تعالیٰ مومن کو پہلے یہ حکم دیتے ہیں کہ اگر ماں باپ تجھے شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔ ہاں دنیوی امور میں ان کا ساتھ دیتے رہنا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (پ ۲۱۔ لقمان۔ ۲)

جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔ تو ان کے راستے کی اتباع کر۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں۔ ان کی اتباع نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ ضروری اور واجب بھی ہے۔ کیونکہ واتبع صیغۂ امر ہے اور صیغۂ امر کا وجوب پر دلالت کرتا ہے کما سیجئ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علامہ آلوسیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

واتبع سبیل من اناب الیّ بالتوحید والاخلاص بالطاعۃ وحاصلہ اتبع سبیل المخلصین۔ (روح المعانی ص۸۳ ج۲۱)

یعنی جو لوگ توحید اور اخلاص کے ساتھ اطاعت پر گامزن ہیں تو ایسے مخلصین کے راستے کی تُو اتباع کر

اب ہم فریق ثانی سے پوچھتے ہیں کہ حضرات ائمہ اربعہؒ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کیا توحید و سنت پر قائم تھے یا نہ؟ اور کیا اطاعت خدا تعالیٰ اور رسول برحق کی فرمانبرداری میں اخلاص سے پیش آتے تھے یا ریاکاری بھی کر لیا کرتے تھے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ لوگ "العیاذ باللہ تعالیٰ" نہ توحید و سنت پہ گامزن تھے اور نہ مخلص تھے بلکہ مشرک اور ریاکار تھے تو اس کا اثبات آپکے ذمہ ہوگا۔

من ادعی فعلیہ البیان

اور اگر وہ موحد اور مخلص تھے اور یقیناً ایسے ہی تھے تو حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں ان کی اتباع واجب ٹھہری۔

واتبع سبیل من اناب الیّ والامۃ منیبۃ الی اللہ تعالیٰ فیجب اتباع سبلھا (معارج الوصول ص۱۲)

واتبع سبیل من اناب الیّ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امت یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف ہی انابت کرتی رہی ہے۔ تو اس کے راستوں کی اتباع واجب ٹھہری۔

جب امت منیب ہے اور قطعی طور پر اس امت کے مقتدیٰ اور پیشوا حضرات ائمہ اربعہؒ بھی ہیں۔ تو فرمایئے کہ تعلیم قرآن کی وجہ سے ان کی اتباع اور تقلید شرک فی الرسالت ٹھہری یا واجب؟ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اتباع اور تقلید ایک ہی شئی ہے۔ اور جنہوں نے ان میں تفریق کی ہے ہم بفضلہ تعالیٰ باحوالہ ان کے جوابات بھی عرض کر چکے ہیں۔

قارئین کرام اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ فریق ثانی کا یہ دعوےٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کی اتباع اور اطاعت جائز نہیں۔ کیسا غلط دعوےٰ ہے کیونکہ امیر کی اتباع اور اطاعت رسول کی اتباع اور اطاعت ہے اور حضرات فقہاء اور علماء کی اتباع و اطاعت بھی رسول کی اتباع و اطاعت ہے۔ گویا اُن کی اطاعت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت میں مدغم ہے جیسے جناب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت میں مدغم ہے۔ امیر خسرو صاحبؒ کی رسیلی زبان میں ؏ تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری۔

البتہ ایک چیز پیش نظر ہے کہ حضرات ائمہ کرام معصوم نہیں ہیں۔ اس لیے ان سے خطاء اور غلطی کا صدور بمقتضائے بشریت ممکن ہے۔ ان کی ایسے مسائل اور امور میں اطاعت جائز نہیں بلکہ اس صورت میں قرآن اور حدیث کو ہی اپنا حکم تسلیم کرنا ضروری ہے جو لوگ جہالت یا خیانت سے قرآن اور حدیث پر اپنے کسی امام یا پیر کی بات کو ترجیح دیں یا ان کے مساوی سمجھیں بلکہ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں حضرات ائمہ کرامؒ اور پیران عظامؒ کی بات سے استدلال اور احتجاج کریں تو ایسے لوگ ملحد اور زندیق ہیں۔ ایسے لوگ واقعی شرک فی الالوہیت اور شرک فی الرسالت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن معاف رکھنا ہمیں ان سے کیا علاقہ اور نسبت؟ بلکہ ہم تو ایسے ملاحدہ کو صاف کہتے ہیں۔

ترسم کہ نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

ایسے زنادقہ اور دجاجلہ کے عمل اور طرز و طریق پر جمہور اہل اسلام کی تقلید کو قیاس کرنا شیر کو شیر بنانا بلکہ اسلام کو کفر بنانے کے مترادف ہے۔ اور مولانا رومؒ کی اصطلاح میں۔ ع
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ کا ارتکاب کرنا ہے۔

چوتھی آیت :- اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس عقیدہ کی کہ پیغمبر بشر نہیں ہو سکتے تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۴۔ النحل۔ ۶)

ہم نے آپ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر مرد اور انسان) اہل علم سے پوچھ دیکھو اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کم علم اور ناسمجھ کو عالم اور سمجھدار سے پوچھنا اگر واجب نہیں تو (فاسئلوا) صیغہ امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم از کم مستحب تو ضرور ہے۔ اگر وہ عالم زندہ ہے تو اس سے مشافہۃً پوچھا جائے۔ اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے بتلائے ہوئے اصول اور ضوابط کی طرف مراجعت کر لی جائے۔

حضرت امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ان من الناس من جوّز التقلید

بلا شبہ بعض لوگوں نے مجتہد کے لیے اس آیت کریمہ

للمجتهد لهذه الآية فقال لما لم يكن احد المجتهدين عالماً وجب عليه الرجوع الى المجتهد العالم لقوله تعالى فاسئلوا الآية فان لم يجب فلا اقل من الجواز (تفسیر کبیر ص ۱۹/۱۹ ج، روح المعانی ص ۱۴۸ ج ۱۴ واللفظ لہ)

سے تقلید کا جواز ثابت کیا ہے وہ (بقول امام رازیؒ) یوں کہ جب مجتہدین میں سے کوئی کسی چیز کو نہیں جانتا تو اس پر مجتہد عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ تم سوال کرو الخ اگر رجوع کرنا واجب نہ ہو تو جواز سے کیا کم ہوگا؟

جب بعض مسائل میں مجتہد کو اپنے سے بڑے مجتہد عالم سے پوچھنا جائز ہے تو ایک عامی اور جاہل کو پوچھنا کیوں جائز نہ ہوگا؟

دیکھیے آج نہ تو حضرت امام بخاریؒ زندہ ہیں۔ اور نہ حضرت امام عبدالرحمٰنؒ بن ابی حاتمؒ۔ نہ حضرت امام مزیؒ موجود ہیں اور نہ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ۔ کہ جن سے ہم رجال کے متعلق سوال کریں۔ مگر حضرت امام بخاریؒ کی کتب تاریخ۔ امام ابی حاتمؒ کی کتاب العلل۔ امام مزیؒ کی تہذیب الکمال علامہ ذہبیؒ کا تذکرہ اور میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب اور لسان وغیرہ موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ کرنے سے ہمیں رجال کی توثیق یا تضعیف پر پورا پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ آج نہ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ موجود ہیں اور نہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ تاکہ ہم معانی حدیث سے متعلق ان سے پوچھیں۔ لیکن ان کی اور ان کے معتبر تلامذہ کی کتابیں اور ان کے بیان کردہ اصول تو ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس لیے ہمیں ان کی طرف رجوع کرنے کے بعد قرآن اور حدیث کے سمجھنے میں بہت کم ٹھوکر لگ سکتی ہے۔

بخلاف اس کے آپ دیکھ لیں کہ فرق باطلہ معتزلہ، خوارج، روافض، جہمیہ اور کرامیہ وغیرہ کو کہ اپنے خود تراشیدہ اصول کے مطابق اور اپنے ذہن نارسا پر بھروسہ کرنے کی بدولت ان کو قرآن اور حدیث میں کتنی تحریف کرنی اور کس قدر ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ آج بھی آپ باطل فرقوں کو مثلاً قادیانی۔ چکڑالوی اور زمانہ حال کے مشرکین اور مبتدعین کو دیکھ لیجئے کہ کس طرح وہ قرآن اور حدیث کے معانی کو بگاڑتے ہیں۔ اور اپنے باطل اور فرسودہ عقائد کے اثبات میں کس طرح آسمان سے ریسمان بناتے ہیں۔

اگر ہم حضرت امام بخاریؒ وغیرہ سے رجال حدیث کے متعلق سوال کر سکتے ہیں اور ضرور کرنا چاہیے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ سے ہم کیوں معانی حدیث کا سوال نہیں کر سکتے؟ اور اگر پہلی چیز

شرک نہیں تو دوسری چیز کیوں شرک ہے ؟ یا اگر دوسری چیز شرک ہے تو پہلی چیز کیوں شرک نہیں ؟

الحاصل نادان اور بے سمجھ کا اہلِ علم سے سوال کرنا اور پوچھنے کے بعد اس کی بات پر بھروسہ اور اطمینان کرنا اگر ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہلِ علم سے پوچھنے کا کیوں حکم دیتے ؟ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں فرماتے کہ۔

انما شفاء العیّ السؤال ۔ یقیناً ناواقف کا علاج اور شفاء اسی میں ہے کہ وہ واقف کار سے پوچھ لے۔ (مشکوٰۃ ص$\frac{55}{1}$)

اس کی مفصل بحث انشاء اللہ العزیز آرہی ہے۔ اگر مجیب کی بات سائل کے لیے حجت اور دلیل نہیں تو سائل کو کیوں ایک مہمل کام کے پیچھے لگا دیا گیا ہے ؟

تقلید حضرات ائمہ کرامؒ کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لاعلم مقلد جو ایک قسم کا سائل ہوتا ہے ہر مسئلہ کی تحقیق فقیہ اور عالم سے پوچھے۔ اور اس پر عمل کرے۔ اگر وہ مسئلہ قرآن یا حدیث میں ہوگا تو مقلد اپنے امام کی عقل، علم اور دیانت پر بھروسہ کرے گا۔ تاکہ خود اس سے حضرت عدیؓ بن حاتم کی طرح سیاہ اور سفید دھاگے میں فرق نہ کر سکنے کی غلطی واقع نہ ہو جائے۔ جس کی تحقیق (انشاء اللہ العزیز) آئندہ عرض ہوگی۔

صحیح بخاری ص$\frac{981}{2}$ اور صحیح مسلم ص$\frac{69}{2}$ کی ایک حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا فسألت اهل العلم فاخبرونی (الحدیث)

اس موقع پر ان اہلِ علم کا جو فیصلہ تھا وہ شرعاً غلط تھا۔ اس کی آپؐ نے پُرزور الفاظ میں تردید فرمائی لیکن اہلِ علم سے دریافت کرنے کے سلسلے میں آپ نے کوئی گرفت نہیں فرمائی۔ کہ تم نے اہلِ علم سے سوال کیوں کیا۔ اور ہمارا استدلال بھی صرف اسی شق سے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اہلِ علم سے سوال کرنا ناجائز نہیں۔ ورنہ آپ خاموش نہ رہتے۔ ضرور منع کرتے۔ تو یہ تقریری حدیث بھی قولی حدیث کے موافق ہے کہ لاعلمی میں اہلِ علم سے سوال کرنا چاہیے۔

اعتراض فریق ثانی اس آیت کے متعلق بعض حضرات مفسرین کرامؒ کے کچھ اقوال نقل کیا کرتا ہے کہ اہل الذکر سے تو علماء یہود مراد ہیں۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں سوال کرنا عام نہ ہوگا۔ جس میں حضرات فقہاء اسلام بھی شامل ہوں۔ بلکہ محض یہودی علماء سے سوال کرنا مراد ہے۔ چنانچہ فتاویٰ نذیریہ ص$\frac{163}{1}$

میں ہے کہ آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں، اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں الخ لہٰذا اس
آیت سے تقلید حضرات ائمہ کرامؒ پر استدلال کرنا تام نہیں۔

جواب فریق ثانی کی یہ ایک صریح کوتہ فہمی ہے۔ کیونکہ جمہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ عموماتِ
قرآن کو اسباب نزول پر بند کر دینا باطل ہے کیونکہ کوئی آیت بظاہر ایسی نہیں جس کا شان نزول
خاص نہ ہو۔ مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ اس آیت کا حکم اسی خاص سبب کے ساتھ خاص ہے بلکہ
تاقیامت اس کا حکم باقی رہے گا۔ تاوقتیکہ اس کے مخصوص اور منسوخ ہونے پر کوئی نص قاطع موجود نہ ہو۔

چنانچہ امام شافعیؒ (کتاب الام ص ۲۴۱ ج ۵ میں) حافظ ابن تیمیہؒ (الصارم المسلول ص ۵۰ میں) حافظ ابن القیمؒ
(بدائع الفوائد ص ۱۶۱ ج ۳ میں) حافظ ابن کثیرؒ (تفسیر ص ۹ ج ۲ میں) حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری ص ۱۴۳ ج ۸ میں) امام جلال الدین
سیوطیؒ (تفسیر اتقان ص ۷۴ ج ۱ اردو میں) قاضی شوکانیؒ (نیل الاوطار ص ۱۴۹ ج ۲ میں) اور نواب صدیق حسنؒ خان
(بدور الاہلہ ص ۲۰۹ میں) لکھتے ہیں کہ

وعبرت بعموم لفظ است نہ بخصوص سبب چنانکہ در اصول مقرر شدہ (واللفظ لبدور الاہلہ ص ۲۰۹)

اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا چنانچہ یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے۔

اور فتاویٰ نذیریہ میں ایک مقام میں لکھا ہے کہ

اب جو کوئی کہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے
ہے۔ کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، نہ کہ خصوص محال کا۔ جیسا کہ جابجا کتب احادیث وکتب
اصول فقہ واستدلالات صحابہ کرامؓ سے واضح ہوتا ہے الخ (ص ۱۹۵ ج ۲)

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ عموم الفاظ کا ہی اعتبار ہوگا۔
تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شان نزول کے لحاظ سے اہل الذکر سے مراد یہودی علماء تھے تو بھی فریق ثانی کو کچھ
بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اعتبار تو عموم الفاظ ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں علماء یہود کی تخصیص
ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہر عالم مجتہد اور صاحب فہم وفراست اس میں شامل ہے۔ اور لاعلمی کے وقت ہر
ایسے بزرگ سے جو عالم ہو سوال کرنا واجب اور کم از کم مستحب اور جائز ضرور ہے۔

لطیفہ: چونکہ بظاہر فریق ثانی قرآن کریم کی آیات کے اسباب نزول پر بند رہنے کا قائل
معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم قرآن کریم کے بے شمار مقامات اور مواقع سے قطع نظر کر کے فقط ایک

ہی محل پیش کرتے ہیں اُمید ہے کہ فریق ثانی ٹھنڈے دل سے غور فرما کر کچھ ارشاد فرمائیگا۔ اللہ تعالے نے مشرکین مکہ اور اہل عرب کے خانہ ساز عقائد کے تار اور پود بکھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا الخ الآیات (پ۸ انعام)

آپ کہہ دیجئے کہ جن اشیاء کو تم نے حرام ٹھہرالیا ہے وہ تو حرام نہیں ہاں البتہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں۔

رب نے یہ چیزیں حرام کی ہیں کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤ۔ اور حکم دیا ہے کہ اولاد کو قتل نہ کرو۔ فواحش کے قریب نہ جاؤ۔ قتل ناحق کا ارتکاب نہ کرو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ الخ وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ ان آیات میں خطاب (بذریعہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام) مشرکین سے ہے۔ اس لیے فریق ثانی کے خانہ ساز قاعدہ کے بموجب ان آیات کا شانِ نزول ہی وہی لوگ ہیں اور مومنوں کے لیے ان اشیاء کی حرمت ان آیات سے ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ شان نزول میں فقط مشرکین ہی تھے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس ان کے علاوہ دیگر بھی بے شمار آیات کے متعلق بھی یہی کہنا ہوگا۔ اب دیکھیے کہ فریق ثانی کس منطق سے کام لیتا ہے اور اس کا جواب کیا ارشاد فرماتا ہے ؎

ڈبو دے میری کشتی شوق سے اے ناخدا لیکن
الم ہے ہو گیا شق دامن ساحل تو کیا ہو گا

پانچویں آیت: قیامت کے دن جب کافر دوزخ میں آگ کے شعلوں میں جل رہے ہوں گے تو اُس وقت کی اُن کی بات اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (پ ۲۹۔ الملک ۱)

اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی المتوفی ۱۲۲۹ھ اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ

وبعضے از مفسرین نَسْمَعُ را بر تقلید و نَعْقِلُ را بر تحقیق واجتہاد حمل نمودہ اند کہ ہر دو راہ نجات اند الخ

بعض حضرات مفسرین کرام نے نَسْمَعُ کو تقلید پہ اور نَعْقِلُ کو تحقیق واجتہاد پہ حمل کیا ہے کہ یہ دونوں نجات کے ذریعے ہیں۔

(تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص ۱۳ مطبع محمدی لاہور)

اور حضرت مولانا محمد عبدالحق حقانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

پس انسان کی فلاح کے دو ہی طریق ہیں اوّل اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سُن کر مان لے یہ تقلید کا مرتبہ ہے اور قرآن مجید نے اس آیت میں اسی کو مقدّم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقل سلیم سے غور و تدبر کرے یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے؟

(تفسیر حقانی جلد ۹ ص ۱۴۹)

اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) اپنے ایک وعظ میں سورۂ ملک کی اسی آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح میں فرماتے ہیں کہ

اس آیت میں اسی کے متعلق ارشاد ہے نسمع میں تقلید اور نعقل میں تحقیق کو ذکر فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ دوزخ سے بچنے کے دو طریق ہیں یا تقلید ہو یا تحقیق ہو (دعوات عبدیت جلد پنجم دوسرا وعظ طریق النجاۃ ص۸ مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی)

ظاہر بات ہے کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے تحقیق تو ہو نہیں سکتی اور اگر تقلید بھی نہ ہو تو ہلاکت اور بربادی کے سوا اور کیا ہاتھ آسکتا ہے؟ ؎

سوچ لو راہ میں خود کو پریشان نہ کرنا ۔۔۔ راستہ زیست کا کہتے ہیں کہ ہموار نہیں

حضرات! تقلید اور اتباع شرعی کے اثبات پر مقلدین کے پاس اور بھی بعض آیات موجود ہیں لیکن ہمیں چونکہ تقلید اور اتباع سلف کے دلائل اور براہین کا احصا مقصود نہیں، بلکہ ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ جہاں ان کے اور دلائل ہیں، وہاں قرآن کریم کی یہ آیات کریمات بھی ہیں۔ تو ایسے قطعی دلائل کے ہوتے ہوئے مقلدین حضرات کی تکفیر، تفسیق اور تجہیل کتنا جرم عظیم ہے۔ اور قرآن کریم کا کس طرح صاف انکار ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ ہم اور بھی کچھ آیات کریمات اور ان کی تفاسیر جمہور اہلسنت سے پیش کریں کیونکہ ؎

نگاہیں ان پہ پڑتی ہیں کہ جن سے کچھ تعلق ہو ۔۔۔ محبت کی نظر سے ہر بشر دیکھا نہیں جاتا

لیکن ہم نے چونکہ بعض احادیث پیش کرنے کے بعد فریق ثانی کے اعتراضات کے جوابات بھی عرض کرنے ہیں اس لیے ہم اس باب کو اسی بحث پر ختم کرتے ہیں۔

باب دوم

اس باب میں ہم تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی کے اثبات میں بطور نمونہ بعض احادیث عرض کریں گے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ جمہور اہل اسلام کا ترکش قرآن اور حدیث، کے دلائل سے کس طرح پُر ہے اور یہ سمندر اتنا وسیع ہے کہ اس کا ساحل معلوم کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں بلکہ کارے دارد۔

پہلی حدیث حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک مؤثر اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی۔ جس سے لوگ اتنے متأثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور دل میں خشیت طاری ہو گئی۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ تقریر آپ کی رخصت کرنے والے کی (آخری) تقریر ہے۔ اس لیے ہمیں کچھ وصیت ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا امیر کی بات کو سننا۔ اور اس کی اطاعت کو بجا لانا۔ اگرچہ ایک حبشی غلام ہی تمہارا امیر منتخب ہو جائے۔ کیونکہ میرے بعد تمہاری زندگی کے مراحل میں بہت کچھ اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ

فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین۔ تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (ترمذی ج۲ ص۹۲، ابن ماجہ ص۵ ابوداؤد ج۲ ص۲۷۹، مسند احمد ج۴ ص۲۷، مسند دارمی ص۲۶، مستدرک ج۱ ص۹۵ اور مشکوٰۃ ص۳۰ وغیرہا۔

میری سنت اور خلفاء راشدین رض کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور میری اور ان کی سنت کو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو۔ اور دین میں نئی نئی باتوں سے احتراز کرو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس حدیث کی معنوی اور درایتی حیثیت کی طرف رجوع کریں، زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صحت قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیں۔ یہ حدیث متعدد سندات کے ساتھ مروی ہے۔ ہم صرف ایک سند کے رجال اور اس کے رواۃ کی توثیق اور پھر بعض محدثین کرامؒ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے پر ہی اکتفار کرتے ہیں۔ مستدرک میں بھی یہ حدیث کئی صحیح اسانید سے مروی ہے۔ ایک سند اور اس کے رواۃ یہ ہیں۔

۱۔ ابوالعباس محمدؒ بن یعقوبؒ ۲۔ عباسؒ بن محمد الدوریؒ ۳۔ ابوعاصم ضحاکؒ بن مخلدؒ ۴۔ ثورؒ بن یزیدؒ ۵۔ خالدؒ بن معدانؒ ۶۔ عبدالرحمٰنؒ بن عمرو السلمیؒ ۷۔ عرباضؓ بن ساریہ

(۱) محمدؒ بن یعقوبؒ کو علامہ ذہبیؒ "الامام الثقہ" اور "محدث مشرق" لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۴۳/۲)

(۲) عباسؒ بن محمد دوریؒ کو حافظ ابن حجرؒ "ثقہ" اور "حافظ" لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۹۱)

(۳) ابوعاصم ضحاکؒ بن مخلدؒ کو حافظ ابن حجرؒ "ثقہ" اور "ثبت" لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۷۹)

(۴) ثورؒ بن یزیدؒ کو علامہ ابن سعدؒ۔ دحیمؒ۔ احمدؒ بن صالحؒ۔ یحییٰؒ بن سعیدؒ۔ عیسیٰؒ بن یونسؒ۔ ولیدؒ بن مسلمؒ۔ ابن معینؒ محمدؒ بن عوفؒ، نسائیؒ۔ ابوحاتم۔ ابن عدیؒ۔ ابن حبانؒ۔ عجلیؒ۔ اور ساجیؒ وغیرہ تمام "ثقہ" کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۱۴۳/۱) اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ "ثقہ" اور "ثبت" تھے۔ (تقریب ص ۹۲)

(۵) خالدؒ بن سعدؒ کو محدث عجلیؒ۔ یعقوبؒ بن شیبہؒ۔ محمدؒ بن سعدؒ۔ ابن خراشؒ، نسائیؒ اور ابن حبانؒ سب "ثقہ" کہتے ہیں۔ (تہذیب ص ۱۱۹/۳)

(۶) عبدالرحمٰنؒ بن عمرو السلمیؒ کو حافظ ابن حجرؒ "مقبول" کہتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۳۴) اور ابن حبانؒ "ثقات" میں اور مسلمہؒ تابعین کے طبقہ اولیٰ میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۲۳۷/۶)

(۷) حضرت عرباضؓ بن ساریہ (المتوفی ۷۵ھ) جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کی وفات دمشق میں واقع ہوئی (تجرید اسماء الصحابہ علامہ ذہبیؒ ص ۴۰۷/۱) اس مذکورہ سند سے حدیث کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں۔ (مستدرک ص ۹۶/۱ و تلخیص علامہ ذہبیؒ ص ۹۶/۱)

امام ترمذیؒ (ترمذی شریف ص ۹۲/۲ میں) ایک دوسری سند کے ساتھ اس حدیث کو پیش کر کے فرماتے ہیں۔ ھٰذا حدیث حسن صحیح۔

مشہور محدث ابن حزم ظاہریؒ (غیر مقلد) اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں۔

(بحوالہ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیؒ ج۲ ص۲۲۵)

حضرات! ہم نے بعض کتب حدیث کا حوالہ نقل کرنے کے بعد ایک سند کے رواۃ کی توثیق کتب رجال سے نقل کرکے بعض حضرات محدثین کرامؒ سے اس کی تصحیح بھی نقل کردی ہے۔

اب اس حدیث کے معنوی اور مدلول کے لحاظ سے مندرجہ ذیل امور پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں جہاں تقوٰی اختیار کرنے پر زور دیا ہے وہاں امیر کی اطاعت کی بھی اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو نمایاں طور پر تاکید فرمائی ہے۔ اور ہم امیر کی اطاعت کے تقلید شخصی ہونے کی بحث پہلے کر چکے ہیں۔

(۲) آپ نے جہاں اپنی سنت کی پیروی پر حضرات صحابہ کرامؓ اور امت کو تاکید بلیغ ارشاد فرمائی ہے۔ وہاں اپنے حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت کو بھی مضبوط پکڑنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور ان کی سنت کو ایک حسّی مثال سے واضح کیا ہے۔ کہ جس طرح داڑھوں میں مضبوط پکڑی ہوئی چیز نکل نہیں سکتی۔ اسی طرح فرمایا کہ میری اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوط پکڑو۔ اور اس کو بالکل جنبش بھی نہ آنے دو۔

(۳) آپ نے اپنے خلفاء راشدینؓ کی غیر معمولی توصیف کی ہے کہ وہ راشد (راہ راست پر چلنے والے) اور مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں اس لیے ان کی جو بھی سنت ہوگی وہ اسلام میں رشد اور ہدایت ہی ہوگی۔

(۴) تمام اہل السنۃ والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عمر الفاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ خلفاء راشدین میں تھے۔ جن کا راشد اور مہدی ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور جمہور اہل اسلام کے مشاہدہ اور شہادت سے ثابت ہو چکا ہے۔

(۵) ان حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول و فعل کے خلاف اور بعد کو جو چیز بھی ظاہر اور پیدا ہوگی اس کو دین اور مذہب سمجھنا نری بدعت ہوگی۔ اور ہر بدعت ارشاد نبوی علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ کے بموجب گمراہی ہی ہوگی۔ اب ان مذکورہ بالا امور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہمارا استدلال اور احتجاج ملاحظہ فرمایئے۔

ایک وقت میں خلیفۂ راشد صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں پر اس ایک ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم اور ضروری ہوتی ہے۔ جس طرح دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں اسی طرح دو خلیفے بھی بیک وقت منتخب نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صاف اور صریح ارشاد موجود ہے کہ

اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما۔ (مسلم ص ۱۲۸ ج ۲)

جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو تم دوسرے کو قتل کر دو۔

حضرت عرفجہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ (مسلم ص ۱۲۸ ج ۲۔ مشکوٰۃ ص ۳۲۰ ج ۲)

تمہارے پاس جو شخص اس حالت میں آیا کہ تمہارا ایک شخص پر اتفاق ہو اور وہ تمہاری جماعت میں (ایک شخص پر اجتماعیت سے ہٹا کر) تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اُسے قتل کر دو۔

ان حدیثوں سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر دوسرا اپنی خلافت منوانے پر مُصر ہو تو اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ اور اسی پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں۔

کہ ایک زمانہ میں دو خلیفوں کی بیعت کرنا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ چاہے دارِ اسلام کا حلقہ وسیع ہو یا تنگ (شرح مسلم ص ۱۲۶ ج ۲)

تو جس طرح ایک وقت میں صرف ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنا جائز ہے اور دوسرے کی بیعت جائز تو کیا ہوتی وہ تو مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے شیرازہ کو بکھیرنے کے جرم میں واجب القتل ہے۔

اسی طرح خلیفۂ راشد بھی ایک وقت اور ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں کو بیعت کرنا اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکا دینا اور اس کے ہر ارشاد پہ چلنا اور دین و دنیا کے مسائل میں اس سے استدلال اور احتجاج کرنا ضروری اور لابدی ہے۔ الغرض خلافت صدیقیؓ میں تمام مسلمانوں کو صرف حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو اپنا امام۔ حاکم۔ پیشوا اور مقتدیٰ بنانا ضروری تھا۔ اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو ان کی اطاعت اور اتباع کرنا لابدی تھی اسی طرح خلافت فاروقی۔ عثمانی اور حیدری کا حال سمجھیے۔ ان میں سے ہر ایک کے دور میں صرف ایک ایک کی تقلید کرنا ضروری تھا۔ اور تقلید شخصی کا یہی معنیٰ ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیش نظر رکھ کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرا جائے۔

رہی یہ بات کہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت تو نظامِ عالم اور نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے یعنی سیاسی طور پر ہوتی ہے۔ اور حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید محض امورِ دین میں ہوتی ہے جو حقیقۃً جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسند اور گدی ہے۔ تو امام کی بیعت سے تقلید شخصی کیسے ثابت ہوئی؟ تو ہم اس کا جواب بخاری شریف کی حدیث اور مسامرہ اور شرح العقائد کے حوالہ سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام وقت اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت بھی دین ہی کے لیے ہوتی ہے، اور دنیا اس کے تابع ہے۔ مقصود بالذات خلافت سے اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت ہوتی ہے اس لیے امام وقت کی تقلید اور بیعت کو جائز کہنا اور امام معین کی تقلید اور اتباع کو شرک کہنا بالکل نامناسب بلکہ ظلم عظیم ہے۔

جب پہلی چیز جائز ہے تو دوسری بھی جائز ہے۔ اور اگر دوسری شرک ہے تو پہلی اس سے بھی ڈبل شرک ہوگی۔ کیونکہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت سے دین اولاً اور دنیا ثانیاً (یعنی دین اور دنیا دونوں پہلو) ملحوظ ہوتے ہیں۔ اور امام معین کی تقلید میں فقط دین کا لحاظ ہوتا ہے۔ اور جب دین اور دنیا دونوں پہلوؤں میں تقلید شرک نہیں بلکہ شریعت حقہ کی اس پر اشد ترین تاکید موجود ہے تو دوسرے مسئلہ میں تقلید اور اتباع سے کیوں شرک لازم آتا ہے؟ غرضیکہ دین و دنیا، مذہب اور سیاست میں فرق نکالنا یہ اہل یورپ کی پیداوار ہے۔ شریعۃ محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کا دامن اس تفریق سے بالکل پاک اور منزہ ہے۔ مسلمان کی دنیا بھی دین ہے۔ بلکہ مسلمان کا سونا جاگنا۔ اٹھنا، بیٹھنا۔ کھانا، پینا وغیرہ بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اور ہر پہلو دین ہے۔

یہاں تو یہ نظریہ ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ

احتسب نومتی کما احتسب قومتی — یعنی میں اپنی نیند کو بھی ایسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جس طرح کہ اپنے کھڑے ہو کر نماز اور تہجد پڑھنے کو

(بخاری ص ۶۲۲ ج ۲)

الحاصل اگر تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایک خلیفہ اور امام کی اتباع۔ تقلید اور بیعت پہ اتنی تاکید شدید نہ فرماتے۔ جب آپ نے ایسا کرنے پر امت کو عموماً اور حضرات صحابہ کرامؓ کو خصوصاً ایک حد تک مجبور کر دیا ہے تو اب فرمائیے۔ کہ آپ تقلید شخصی کے اثبات پر اور کیسی دلیل چاہتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک العیاذ باللہ تعالیٰ یہ تمام حضرات، صحابہ کرامؓ تقلید شخصی کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو شرک کرنے پر ابھارا تھا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

جب فریق ثانی کے نزدیک بھی ایک خلیفہ اور امام کی بیعت، تقلید اور اتباع صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تو امام معین کی تقلید اور اتباع کو بھی ایسا ہی سمجھئے۔ جس چیز کو آپ تسلیم کرتے ہیں ہم اسی کو تقلید شخصی سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ اس کا عنوان کچھ ہی اختیار کر لیجئے۔ معنیٰ ایک ہی ہے۔ سُرخی کوئی مقرر کر دیجئے۔ مطلوب اور مدلول ایک اور صرف ایک ہی ہے۔

اعتراض ممکن ہے کہ کسی صاحب کے دماغ اور خیال میں یہ وہم پیدا ہو کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع اور اطاعت سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ خلیفہ راشد ایک ہی نہ تھا۔ بلکہ یکے بعد دیگرے چار (بلکہ زیادہ) تھے اور چار کی یکے بعد دیگرے تقلید کرنے سے تقلید شخصی نہ رہی۔ بلکہ غیر شخصی ہو گئی۔ اور ہم تقلید غیر شخصی کے قائل ہیں۔ جھگڑا تو تقلید شخصی کا ہے؟

جواب اگر غیر رسول کو مسند رسول پر بٹھانا شرک ہے تو اس میں شخصی اور غیر شخصی کا کیا سوال ہے؟ ایک کو بھی مسند نبوت پر بٹھلانا شرک فی الرسالت ہے اور متعدد افراد اور اشخاص کو بھی۔ اور اگر کسی ایک کی تقلید سے کسی شرعی نص اور حکم پر زد پڑتی ہے تو غیر شخصی سے یہ زد کیوں نہیں پڑتی؟ اور یہ بڑی ہی عجیب منطق ہو گی کہ محدود شرک تو ناجائز ہے اور غیر محدود جائز ہے۔ بالفاظ دیگر کم مقدار میں شرک تو ناجائز ہے مگر زیادہ مقدار میں درست ہے۔ نیز سوچنے اور غور کرنے کی ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم ایک منٹ کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ مثلاً وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کی خلافت کا زمانہ دیکھا ہے وہ تو تقلید شخصی سے فی الجملہ بچ جائیں گے کہ انہوں نے کچھ عرصہ کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلید اور اتباع کی۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پھر باری باری سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقلید اور اتباع کی۔ لیکن ذیل کے امور پر اچھی طرح نگاہ رکھیے۔

(۱) اگر رسول کے بغیر کسی دوسرے کی بیعت، اتباع اور تقلید شرک ہے تو لازم آئے گا کہ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان کی تقلید کی تو دو سال اور چار ماہ تک ایک ہی کی تقلید کی وجہ سے العیاذ باللہ تعالیٰ وہ شرک کرتے رہے، پھر اس کے بعد ساڑھے دس سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پھر تقریباً بارہ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اور پھر چار سال اور نو ماہ اور کچھ دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی (ان سب کے لیے دیکھئے علی الترتیب اکمال صفحہ ۵۸۷، صفحہ ۶۰۲، صفحہ ۶۰۲، صفحہ ۶۰۳) اور یہ شرعاً محال ہے۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ایک خلیفہ کے وقت اور زمانہ میں شرک کرتے رہے تھے۔ کیونکہ شرک تو ایک لمحہ

کے لیے بھی جائز نہیں اور خصوصاً حضرات صحابہ کرامؓ سے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بحکم جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اپنے وقت میں ایک ایک کی تقلید کی، تو کہنا پڑے گا کہ تقلید شخصی شرک نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ شرک کرتے رہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس کے جواز کی نسبت ہوگی کہ آپ نے اس کی اجازت دی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا معاذ اللہ تعالیٰ۔

(۲) ایک ایسا صحابی آپ تسلیم کیجیے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور ان کی تقلید اور اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ پھر مان لیجیے کہ خلافت صدیقی ہی میں اس صحابی کا انتقال ہوگیا اب ارشاد فرمایئے کہ کیا وہ مسلمان رہا؟ یا العیاذ باللہ تعالیٰ کافر ہوگیا؟ کیونکہ ان کے حق میں تو محض تقلید شخصی ہی رہی ان کو تو دوسرے حضرات خلفاءؓ کا زمانہ پانا نصیب ہی نہیں ہوا۔ آپ اس صحابی کے متعلق کیا ارشاد فرمائیں گے؟

یہ نرا احتمال ہی نہیں بلکہ آپ بخاری (ص ۷۴۶ ج ۲) اور مسند طیالسی (ص ۳) وغیرہ دیکھ لیجیے کہ جنگ یمامہ میں جو عہد صدیقی میں ہوئی کتنے صحابی جو حافظ اور قاری قرآن تھے شہید ہوئے اور اس کثرت سے شہید ہوئے کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے مدبر اور دور اندیش کو یہ کہنا پڑا کہ قرآن لکھنا اور جمع کرنا چاہیے۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کی شہادت اسی زور پر رہی تو خطرہ ہے کہ کہیں دنیا سے قرآن ہی ختم نہ ہو جائے۔ اسی حدیث کی شرح میں شراح حدیث نے یہ لکھا ہے کہ گیارہ سو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چودہ سو مسلمان شہید ہوئے تھے اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بارہ سو مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سات سو حفاظ قرآن اور قراء تھے (حاشیہ بخاری ص ۷۴۶ ج ۲) آپ ان حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا نظریہ قائم کریں گے؟ کیا واقعی یہ لوگ العیاذ باللہ تعالیٰ مشرک تھے! کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے علاوہ اور کسی خلیفہ کی خلافت تو انہوں نے پائی ہی نہیں تاکہ وہ تقلید شخصی سے نکل جاتے۔

(۳) وہ تابعیؒ اور مسلمان جنہوں نے مثلاً صرف حضرت عمرؓ کے زمانہ اور عہد میں اسلام قبول کیا (کیونکہ انہیں کے دور میں مصر، شام، عراق، ایران مکمل طور پر اور روم کا خاصا علاقہ فتح ہوا۔ اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے) اور پھر طبعی موت یا شہادت کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انہوں نے نہ تو اس سے قبل کا زمانہ پایا اور نہ بعد کا۔ فقط مثلاً حضرت عمرؓ کی خلافت ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور پھر انہی کی خلافت اور عہد میں انتقال کر گئے یا شہید ہوگئے۔ کیا وہ لوگ بھی مسلمان تھے یا نہیں؟ کیونکہ انہوں

نے تو ایک سے زیادہ خلافت کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ تاکہ وہ اکابر تقلید شخصی کے چکرے نکل جاتے؟ اس قصہ کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ ع

گھٹیے تو ابتدا نہیں بڑھیے تو انتہا نہیں

الغرض یہاں بھی اگر غور اور فکر سے کام لیں گے تو آپ کو تقلید شخصی ہی کارفرما نظر آئے گی اور بس

فائدہ قارئین کرام کو یہ بات معلوم ہوگی کہ جب بیس[۲۰] تراویح پر حضرت عمرؓ سے اور جمعہ کے دن اذان زائد پر حضرت عثمانؓ کے حوالہ سے استدلال کیا جاتا ہے تو بعض غیر مقلد اس کاروائی کو بدعت عمری اور بدعت عثمانی سے یاد کیا کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا وہ مقولہ جو ایک امام اور ایک قاری پر سب نمازیوں کو اکٹھا کرنے کے بعد اس فعل کو عمدہ اور پسندیدہ خیال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ

نعم البدعة هذه (بخاری ص ۲۶۹/۱) یہ کیا ہی اچھی نو ایجاد ہے

بعض غیر مقلدین اس کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تو اپنی اس کاروائی کو بدعت کہا ہے۔ تو پھر یہ سنت کیسے ہوئی؟ ہم یہاں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ اصل نماز تراویح کا نیز جماعت کے ساتھ نماز تراویح کا ثبوت خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا نہیں؟ اور آپ نے کتنی راتیں نماز پڑھائی؟ اور پھر کتنی رکعات پڑھائیں؟ یہ بات انشاء اللہ العزیز؟ مسئلہ تراویح میں بیان ہوگی۔ اس کے علاوہ رسالہ التراویح مع ترجمۃ الینابیع پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جو طبع شدہ ہے

البتہ ایک امام کی اقتداء میں اکٹھے ہو کر نماز تراویح کو اتفاق اور اتحاد سے ادا کرنا حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ نے نماز تراویح اور بیس[۲۰] رکعات کو بدعت نہیں کہا۔ بلکہ ایک امام کے پیچھے اجتماعی صورت میں نماز پڑھنے کو بدعت کہا ہے۔ جس کے خود غیر مقلدین بھی مرتکب ہیں۔ اور اس حدیث میں لفظ بدعت سے شرعی بدعت مراد نہیں بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی یہ اجتماعی شکل کیا ہی بہترین نو ایجاد ہے۔ (نعمت البدعۃ ہذہ) اور درحقیقت حضرت عمرؓ کی یہ کاروائی بھی سنت ہی تھی اور ہے اور انشاء اللہ العزیز تاقیامت رہیگی اور ہم حضرات خلفاء راشدینؓ کے فعل اور قول کو اس لیے سنت کہتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول اور فعل کو سنت کہا ہے۔ اب فریق ثانی کی مرضی کہ حضرت عمرؓ وغیرہ کے فعل اور قول کو بدعت کہیں یا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی اقتداء کریں۔ کیونکہ آپ تو حضرات خلفاء راشدینؓ کے عمل کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیکھیے فریق ثانی

کیا ارشاد فرمایا ہے؟ ع۔ نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہم حضرات خلفاء راشدینؓ کے اقوال و افعال کے سنت ہونے کی علت علم اور اسکی حکمت اور فلسفہ بھی ہدیۂ قارئین کر دیں۔ اسمیں تو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اور فرمان سنت ہی ہے۔ جب آپ کا ارشاد سنت ہے تو آپ نے اپنے حضرات خلفاء راشدینؓ کی پیروی اور اقتداء کا تاکیدی فرمان صادر فرمایا ہے۔ اس لیے حضرات خلفاء راشدینؓ کے اقوال اور افعال سنت ٹھہرے، کہ آپ نے ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اور آپ کا حکم اور ارشاد بہرحال سنت ہی ہے۔ لہذا بواسطہ آپ کے امر اور حکم کے حضرات خلفاء راشدینؓ کا ہر قول اور ہر فعل بھی سنت ہی ہوگی۔ ہاں اگر کسی معقول دلیل سے ان کی کسی بات میں غلطی ثابت ہو جائے تو معاملہ جدا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی تائید میں فریق ثانی کے رہبر اعظم جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کا ایک اقتباس بھی پیش کر دیں۔

صاحب موصوفؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان ما سنته الخلفاء الراشدون من بعده فالاخذ به ليس الا لامره صلى الله تعالى عليه وسلم بالاخذ به والاقتداء بما فعلوه هو لامره صلى الله تعالى عليه وسلم لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدين والاقتداء بابي بكرؓ وعمرؓ (الدين الخالص ص ۴۲۵/۲۶)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جو امور حضرات خلفاء راشدینؓ نے جاری کیے ہیں ان کی ان امور میں پیروی اور اقتداء صرف اس لیے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ نے علیہ وسلم نے ہی حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتداء کا (الگ) ارشاد فرمایا ہے۔

نواب صاحبؒ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلینے کے بغیر چارہ کار نہ دیکھا کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت کی اقتداء محض حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول و عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دراصل یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے ہے۔ اور ان ما سنته الخلفاء کے الفاظ سے نواب صاحبؒ نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے طور و طریق کو صریح الفاظ میں سنت

سے تعبیر کیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ مشہور ہے کہ کلام الملوک۔ ملوک الکلام

اعتراض فریق ثانی کیا عوام اور کیا خواص یہ اعتراض کیا کرتا ہے کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت سے مراد صرف وہی چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئی ہو اور حضرات خلفاء راشدینؓ میں سے اکثر یا بعض نے اس کو رائج کیا ہو تو ایسے امور خلفاء کے مجتہدات میں شامل ہوں گے۔ سنۃ خلفاء میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت صرف وہی اشیاء ہو سکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اور موافق ہوں اور جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بظاہر مخالف نظر آئیگی تو وہ سنت نہ ہوگی۔ بلکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا اجتہاد ہوگا اور اگر ایسے امور میں انکی اقتدا نہ بھی کیجائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور نہ اس سے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدینؓ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے لہذا حضرت عمرؓ کا قول اور فعل بیس تراویح کے متعلق اور حضرت عثمانؓ کا ارشاد جمعہ کی اذان کے متعلق سنۃ میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ جو بدعت عمریؓ اور بدعت عثمانی ٹھہوگی۔

فریق ثانی کے مایہ ناز محدث مولانا مبارکپوری صاحب (المتوفی ۱۳۵۳ھ) نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص ۳۶۸ ج ۱ میں جمعہ کی اذانِ زائد کے سنت نہ ہونے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اذانِ زائد بدعت ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ اگر اذان زائد سنت ہوتی تو حضرت ابن عمرؓ کیوں اسے بدعت سے تعبیر کرتے؟ لہذا معلوم ہوا کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کا ہر فعل اور قول سنت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی سنت ہوگا۔ جو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے قول و فعل کے موافق ہو۔

جواب اگر ہم فریق ثانی کے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہہ دیں تو بالکل بجا ہوگا کہ اگر حضرات خلفاء راشدینؓ العیاذ باللہ تعالی بدعت رائج کیا کرتے تھے تو یہ بتلایا جائے کہ بدعتی کیسے خلیفہ راشد اور ہدایت یافتہ بن سکتا ہے جبکہ آپ نے انہیں الخلفاء الراشدین المہدیین سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ بدعتی بھی راشد اور مہدی ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی سنت کے بعد وسنۃ خلفاء الراشدین کا ذکر واو عطف سے کیا ہے اور سنت کو ظاہر اور صاف طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور نحو کا مشہور و معروف مسئلہ ہے۔ کہ اصل عطف میں مغایرت ہے کہ معطوف۔ معطوف علیہ کا غیر ہو جانا چاہیئے۔ لہذا آپ کی سنت الگ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کی سنت الگ ہوگی اگر حضرات خلفاء الراشدینؓ کی سنت جدا اور الگ نہ ہوتی بلکہ

وہی ہوتی جو آپؐ کی ہے تو حضرات خلفاء راشدینؓ اور ان کی سُنت کے واو عطف کے ساتھ الگ ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں تو ہمارا یہ جواب بھی ناکافی نہیں ہوگا۔ لیکن ہم فریق ثانی کی تسلی کے لیے اور خصوصاً جناب مبارکپوری صاحبؒ کے اطمینان کے لیے ایک ایسی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں جس کے بعد ان کو لب کشائی کی جرأت بھی نہ ہو سکے۔ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علیؓ نے شراب کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

جلد النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اربعین وابوبکرؓ اربعین وعمرؓ ثمانین وکل سنۃ (مسلم ص۷۲ ج۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرابی کو چالیس کوڑے لگوائے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس لگوائے اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے لگوائے۔ اور ان میں سے ہر ایک سنّت ہے۔

حضرات! ملاحظہ فرمایئے کہ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ اور سند کے ساتھ ہے جس کی سند اور رواۃ پر کلام نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت عمرؓ کے اس عمل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کے مخالف ہے۔ حضرت علیؓ سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور حضرت علیؓ بالاتفاق خود بھی خلیفہ راشد ہیں۔ لہذا ان کا حضرت عمرؓ کے فعل کو سنّت کہنا ہمیں اس لیے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرات خلفاء راشدینؓ کے قول اور فعل کو سنت کہا ہے۔ اور ہمیں ان کی پیروی اور اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے ایسے فعل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف ہے سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگر آپ مزید اضافہ کے طالب ہوں تو وہ بھی سُن لیجئے۔ امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ جملہ بھی نقل فرماتے ہیں۔

ثم اتمھا عثمان ثمانین وکل سنۃ (معرفت علوم الحدیث ص۱۸۱)

پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کوڑے لگوائے۔ اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ثم جلد عثمانؓ ثمانین واربعین (مستدرک ص۳۷۵ ج۴) قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح (پھر حضرت عثمانؓ نے اسی اور چالیس کوڑے لگوائے چونکہ حدیث میں زیادتِ ثقہ کا معتبر ہونا ایک اتفاقی چیز ہے لہذا حضرات محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق یہ زیادت بھی تسلیم کرنا پڑے گی۔

اب ہم فریق ثانی سے مودبانہ التماس کرتے ہیں کہ اگر حضرات خلفاء کی سنت صرف وہی ہو سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو ارشاد فرمایئے کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل، بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے فعل کے بھی مخالف ہے، کیوں سنت سے تعبیر کرتے ہیں اور کیوں فرماتے ہیں۔ وکل سنۃ۔ سند صحیح مسلم کی ہے۔ اور فرمانے والے حضرت علیؓ ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی نظر سے اوجھل نہ ہو جائے کہ شرابی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی حتمی، قطعی اور اٹل حد مقرر ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ شرابی کو ہاتھوں سے۔ پاؤں سے اور چادروں سے (بٹ بٹ کر) مار پیٹ لیا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری ص ۱۰۰۲ ج ۲ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے اور اسکے ساتھ اس کو بھی ملا لیجئے کہ حضرت علیؓ فرماتے تھے، کہ اگر کسی حد میں سزا دینے کی وجہ سے مجرم کی جان تلف ہو جائے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں مگر شرابی کی جان اگر تلف ہو جائے تو میں اس کی دیت اور خون بہا دینا پسند کرتا ہوں، کیونکہ

لان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یسنہ (بخاری ص ۱۰۰۲ ج ۲ و مسلم ص ۷۲ ج ۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی کوئی (اٹل) سزا مسنون قرار نہیں دی۔

لم یسنہ کے جملہ کو دیکھیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کے نزدیک، شرابی کی (اٹل) سزا سرے سے ثابت ہی نہیں، مگر پھر بھی وہ چالیس؟ اور اسی کوڑوں کی سزا کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں وکل سنۃ ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔

اب ارشاد فرمایئے کہ اگر مقلدین حضرات اور خصوصاً احناف۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کے اس فعل کو جو بظاہر اور سطحی نظر سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول اور فعل کے مخالف ہو سنت کہتے ہیں تو آپ ان پر کیوں برستے ہیں؟ اور ان کی اصلاح کی آپ کو کیا فکر پڑ گئی ہے؟ آپ اپنی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ ع خویش را تاویل کن نے ذکر را

رہا مولانا مبارکپوری صاحب کا حضرت ابن عمرؓ سے جمعہ کی اذان اول کے بدعت ہونے کا قول نقل کرنا تو بلاشبہ یہ قول (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۰ ج ۲ طبع حیدر آباد دکن میں) موجود ہے۔ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان کا بدعت کہنا علی سبیل الانکار ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ کاروائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔ اور جو چیز آپؐ کے زمانہ میں نہ تھی تو وہ (لغوی) بدعت کہلاتی ہے لیکن بدعت حسن بھی ہوتی ہے اور اس کے

خلاف بھی ہوتی ہے۔ (فتح الباری ص ۴۵ ج ۳) اور یہی مطلب بذل المجہود (ص ۱۸۰ ج ۲) میں بھی بیان کیا گیا ہے اگر بدعت لغوی مراد ہو تو اس پر تو کوئی قدغن نہیں۔ اور اگر اُن کی مراد شرعی بدعت ہے تو ان کی اپنی رائے ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ شرعی بدعت کی ترویج کریں اور حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت شرعی بدعت پر اتفاق کرلے۔ اور حضرات تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ اور تا ہنوز سلفؒ وخلفؒ کا اس پر اتفاق اتحاد اور تعامل مستمر اد ہو۔ اور خود اکثر غیر مقلدین حضرات کا بھی اس پر عمل ہے۔

دوسری حدیث: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم میں زندہ رہوں گا۔ لہذا

فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ — تم میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدار کرنا

(ترمذی ص ۲۰۷ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۰ مستدرک ص ۷۵ ج ۳ اور مشکوٰۃ ص ۵۶۰ وغیرہ)

اس حدیث کی امام ترمذیؒ تحسین اور فن رجال میں مہارت تامہ رکھنے والے یعنی علامہ ذہبیؒ (تلخیص مستدرک ص ۷۵ ج ۳ میں) تصحیح کرتے ہیں۔ اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتدار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ اور من بعدی سے مراد ان حضرات کی حالتِ خلافت ہے کیونکہ بدون امارت اور بلا خلافت تو دونوں حضرات آپ کے روبرو بھی موجود تھے۔ تو پھر من بعدی کا کیا مطلب؟ اور ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اسلام اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ دو خلیفوں کی بیک وقت اطاعت اور اتباع کی جائے۔ لہذا مطلب بالکل صاف ہے کہ عہد ابوبکرؓ میں حضرت ابوبکرؓ کی اور عہد عمرؓ میں حضرت عمرؓ کی تقلید اور اقتدار کی جائے۔ اور یہی تقلید شخصی ہے۔ گو ایک معین زمانہ کے لیے ہی سہی۔ رہا مذہب و سیاست یا دین و دنیا کا فرق نکالنا تو یہ بالکل لچر پوچ بات ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

تیسری حدیث: ہم نقل تصحیح کے ساتھ یہ حدیث پہلے نقل کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد — میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبد اللہ ابن مسعودؓ پسند کریں۔

(مستدرک ص ۳۱۹ ج ۳)

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف حضرت ابن مسعودؓ ہی کی تخصیص نہ فرماتے اور

ان ہی کی پیروی پر آمادہ نہ کرتے ورنہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہو گا کہ جو چیز بھی تمہارے لیے حضرت ابن مسعودؓ پسند فرمائیں تم میں بھی اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہوں۔ اور اس پر راضی اور خوش ہوں؟

حضرات! یہی وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود ہیں جن کے اقوال اور افعال پر فقہ حنفی کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جس چیز پر راضی ہوں اس پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی راضی ہیں اور آپؐ جس چیز پر راضی ہوں ناممکن ہے کہ پروردگار عالم اس پر راضی نہ ہو نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا حضرت ابن مسعودؓ پر تھی۔ اور ان کے اقوال و افعال پر حنفی فقہ کا دارومدار ہے۔ اب تو آپ حضرات کو مخزن فقہ نبوی حضرت ابن مسعودؓ اور اس فقہ کے معلم اور استاد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سامنے سپر ڈال کر یوں اپنی شکست کا اقرار کرنا چاہیئے۔ گو

ضروری تو نہیں کر دیں لبوں سے داستاں اپنی زباں اک اور بھی ہوتی ہے اظہارِ تمنا کی

چوتھی حدیث:۔ بخاری وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں کہ جب تک یہ عالم متبحر یعنی حضرت عبداللہؓ بن مسعود تمہارے درمیان زندہ ہے تو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ انہیں سے پوچھو۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک تقلید شخصی شرک ہوتی تو حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ فرماتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر ایک ہی آدمی کو اپنا امام نہ بنا لیا کرو بلکہ جس سے جی چاہے پوچھ لیا کرو، حالانکہ آپؓ خود صاف طور پر حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی ذات گرامی پر بھروسہ کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی طرف مراجعت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیئے کہ آپؓ تقلیدِ شخصی پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ اگر تقلید شخصی شرک ہوتی جیسا کہ فریق ثانی کا زعم ہے تو پہلے آپؐ نے اور پھر حضرت ابوموسیٰؓ نے اس پر لوگوں کو کیوں ابھارا؟

پانچویں حدیث:۔ حضرت اسودؒ بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ

اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلماً او امیراً فسألناہ عن رجل توفی و ترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنۃ النصف والاخت النصف

(بخاری ص ۹۹۷ ج ۲)

حضرت معاذؓ بن جبل ہمارے پاس یمن میں معلم یا امیر منتخب ہو کر آئے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص کی وفات ہو چکی ہے اور اس کی ایک لڑکی اور ایک بہن موجود ہے اس کی وراثت کس طرح تقسیم ہو گی؟ تو حضرت معاذؓ نے اس میت کا ترکہ نصف لڑکی کو اور آدھا اس کی بہن کو دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے قبل سنہ ۱۰ھ میں حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ (قسطلانی حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۸۷) گویا یہ واقعہ آپ کی زندگی کا ہے۔ اس حدیث سے ذیل کے امور وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں

(۱) جس طرح امیر اور حاکم کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح معلم کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اور معلم کا لفظ اس میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ حضرت اسودؓ کو اس لفظ کے نقل اور پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ چونکہ حضرت معاذؓ یمن کے گورنر تھے۔ جو امیر اور معلم بنا کر وہاں بھیجے گئے تھے۔ اس لیے وہاں کے سب باشندوں پر ان کی اطاعت لازم تھی۔

(۲) اگر اہل یمن کے لیے حضرت معاذؓ کی بات فیصلہ اور فتویٰ حجت نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے العیاذ باللہ تعالیٰ ایک بے فائدہ اور مہمل کام کیوں کیا کہ تنہا حضرت معاذؓ کو اہل یمن کی طرف بھیجا جبکہ انکا حکم ان پر لازم ہی نہ تھا؟ حضرت امام بخاریؒ کتاب اخبار الآحاد میں فرماتے ہیں

وکیف بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امراءہ واحدًا بعد واحدٍ — یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حکام و امراء کو کیسے اکیلے اکیلے بھیجا کرتے تھے۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۶)

(۳) اگر سب اہل یمن کے لیے حضرت معاذؓ کی جو شخص معین اور فرد حقیقی تھے اطاعت ضروری تھی اور یقیناً ضروری تھی تو فریق ثانی پر لازم آئے گا کہ وہ تقلید شخصی کے جواز کو تسلیم کرلے۔ یا صاف کہہ دے کہ العیاذ باللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کی اشاعت کے لیے حضرت معاذؓ کو روانہ کیا تھا اور وہ اس کی اشاعت بھی کرتے رہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی تقلید شخصی رائج تھی کیونکہ آپ کی زندگی میں ہی اہل یمن پر حضرت معاذ کی رائے اور بات حجت تھی۔ اور یہی تقلید شخصی ہے کہ غیر منصوص مسائل میں کسی ایک پر اعتماد کرلینا۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں سائلین نے حضرت معاذؓ سے کوئی دلیل نہیں پوچھی اگرچہ اپنے مقام پر اس کی دلیل بھی موجود تھی۔ لیکن ان پر محض حسن ظنی کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاذؓ کی بات کو حجت تسلیم کرلیا۔ اور یہی تقلید شخصی ہے۔

چھٹی حدیث: ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر ہمیں کوئی ثقہ آدمی حضرت علیؓ کا فتوٰی سنائے تو ہم سر مو بھی اس سے تجاوز نہیں کریں گے۔ اور حافظ ابن حجرؒ سے اس حدیث کی تصحیح بھی ہم نقل کر چکے ہیں۔

دیکھیے کہ حضرت ابن عباسؓ ایسے جلیل القدر اور مجتہد صحابی حضرت علیؓ کی کیسی تقلید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ لم نتجاوزھا۔ ہم حضرت علیؓ کے فتوٰی سے ذرا بھی تجاوز نہ کریں گے۔ فریق ثانی ہی حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کر سکتا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ کی تقلید کا ارتکاب کیوں کیا؟ اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک رہے گی تو حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ لیجیے کہ آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی تقلید کریں گے۔ ہمیں حضرت علیؓ وغیرہ کی بات کی تقلید کب جائز ہے؟

ساتویں حدیث: ہم ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے پہلے یہ نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام لوگ کسی ایک وادی اور گھاٹی میں چلنا شروع کر دیں اور حضرت عمر فاروقؓ کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں جائیں تو میں،

سلکت وادی عمرؓ و شعبہ — حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی راہ و رسم کی پابندی کا کیوں اظہار فرماتے؟ بلکہ ان کو کہہ دینا چاہیے تھا کہ اگر تمام لوگ بھی کسی میدان اور گھاٹی میں جائیں، تو جائیں مگر میں تو بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہی چلوں گا۔ مجھے حضرت عمرؓ وغیرہ کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے العیاذ باللہ تعالیٰ مشرک بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ہم یہ حدیث بھی نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود وہی کچھ کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند ہوتا تھا۔ اور آپ کسی چیز کو پسند نہ فرماتے تھے، تا نہ گفتے کردگار

آٹھویں حدیث: حضرت جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور آپ سے کوئی چیز دریافت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر کسی وقت آنا۔ (آپ اس وقت بیمار تھے) اس عورت نے عرض کیا کہ اگر میں پھر کسی وقت آؤں، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی اگر آپ کی وفات ہو جائے تو پھر کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا

فاتی ابابکر رضی (بخاری ص ۵۱۶ ج ۱ و مسلم ص ۲۷۳ ج ۲ اور مشکوٰۃ ص ۵۵۵ ج ۲ وغیرھا) — کہ تو ابوبکر رضی کے پاس آنا

اس حدیث سے جہاں حضرت ابوبکر رضی کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ وہاں اس سے تقلید شخصی بھی آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہے۔ کیونکہ اس عورت نے تو آپ سے مسئلہ ہی پوچھا تھا۔ اس کے اس سوال پر کہ اگر آپ نہ ہوں تو میں کیا کروں آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ابوبکر رضی کے پاس آنا۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آپ یوں ارشاد فرماتے کہ جس سے تمہارا جی چاہے پوچھ لینا۔ حضرت ابوبکر رضی ہی سے سوال کرنے اور پوچھنے کی آپ نے کیوں تلقین کی؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ایک ہی آدمی سے مسئلہ پوچھنا نہ شرک فی الرسالت ہے اور نہ گناہ۔ بالفاظ دیگر غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ شرک ہے اور نہ گناہ۔

حضرات! ہم نے چند صحیح حدیثیں بطور نمونہ آپ کے سامنے عرض کی ہیں۔ کہ تقلید شخصی اگر شرک ہوتی تو ناممکن اور محال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت دیتے؟ اور پھر آپ کے حضرات صحابہ رضی اس کی ترویج اور اشاعت کرتے؟ بلکہ وہ خود اس پر اس طور پر عمل پیرا تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اور حضرت ابن عباس رضی کے الفاظ میں وہ حضرت عمر رضی اور حضرت علی رضی کے قدم بقدم چلتے کہ سر مو بھی تجاوز نہ کرتے؟ اور پھر حضرات صحابہ کرام رضی ایک ہی استاد کی ـــــ خدمت میں رہنے کی وصیت بھی اپنے تلامذہ کو کرتے رہے۔ جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضرت معاذ رضی نے اپنے شاگرد حضرت عمرو رحمہ بن میمون رحمہ کو وصیت کی تھی کہ تم میری وفات کے بعد حضرت عبداللہ رضی بن مسعود کی خدمت میں ہی رہنا۔ اور بعض حضرات تابعین رحمہ کے بعض اقوال بھی ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ کہ مثلاً حضرت محمد رحمہ بن سیرین رحمہ نے فرمایا کہ امام شعبی رحمہ کے فتاویٰ پر ہی بھروسہ کرنا کیونکہ وہ حضرات صحابہ کرام رضی کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عنبسہ رحمہ کا حضرت ابو قلابہ رحمہ کے متعلق اہل شام کو یہ کہنا کہ

لن تزالوا بخیر یا اھل الشام ما دام فیکم ھٰذا او مثل ھٰذا۔ — اے اہل شام! جب تک تم میں حضرت ابو قلابہ رحمہ یا ان جیسے سمجھدار موجود ہیں تو تم خیریت کے ساتھ ہی رہو گے۔

(بخاری ص ۶۶۳ ج ۲ و ص ۱۰۱۹ ج ۲ و مسلم ص ۵۷ ج ۲ واللفظ لہ)

اور اس قسم کے دیگر ایسے اٹل دلائل اور براہین ہیں جن سے اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر حضرات ائمہ مجتہدینؒ مثلاً حضرت امام شافعیؒ ایسے بزرگوں کا حضرت عطاءؒ کی تقلید کرنا۔ یا حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کا یہ فرمانا کہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بھی ایک زبردست حجت ہے جب کہ ایسے موقع میں صحیح حدیث موجود نہ ہو جن کو ہم باحوالہ تفصیل کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں اور اس قسم کے دیگر سینکڑوں اقوال اور بھی موجود ہیں جن سے صرف شپرہ چشم ہی اغماض کر سکتا ہے۔ ہم اس باب میں انہیں حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں جن سے بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ تو کفر و شرک ہے اور نہ بدعت و مذموم بلکہ محمود و مقصود ہے ورنہ معاذ اللہ تعالیٰ اس غلط نظریہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرات صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور جمہور سلفؒ و خلفؒ کی طرف ہو گی ہم فریق ثانی سے نہایت ہی مؤدبانہ التجا کرتے ہیں کہ وہ اس وادیٔ پُرخار میں اس کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انصاف و عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ؎

خدا کا کر خوف دل میں گلچیں لگا نہ بلبل کے گھر میں آتش
وہاں سے اس کے لگ اٹھے گی ہر اک شجر اور حجر میں آتش

باب سوم

تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے

فریق ثانی کا یہ بھی ایک عام اعتراض ہے کہ تقلید اگر کوئی اچھی چیز ہوتی تو خیر القرون میں اس کا ثبوت ہوتا حالانکہ چوتھی صدی سے قبل اس کا وجود نہ تھا اور یہ چوتھی صدی کے بعد کی بدعت ہے۔ چنانچہ بقول ان کے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ۔

اعلموا ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد بعینه اھ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۲/۱)	تم جان لو کہ بلاشبہ لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب کی تقلید خالص پر مجتمع اور متفق نہ تھے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید شخصی کا رواج اور ثبوت نہ تھا اور جو دینی مسئلہ خیر القرون میں نہ ہو اس کے مذموم اور بدعت ہونے میں کیا شک ہے؟ علاوہ ازیں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے حضرات ائمہ کرامؒ چوتھی صدی سے پہلے ہی گذرے ہیں جب تین صدیوں میں ان کی تقلید نہیں ہوئی تو بعد کو آنے والوں کی تقلید کا کیا اعتبار ہے؟ اور اسی تقلید شخصی کی تردید اور مذمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کرتے ہیں جن کی شخصیت بین الفریقین مسلّم ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد جونا گڑھی حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کو نقل کر کے یوں لکھتے ہیں کہ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ چاروں مذہب مالکی، حنفی حنبلی، شافعی چار سو برس بعد کے مسلمانوں میں پھیلے چار سو برس تک کے مسلمان ان سے دور تھے الخ بلفظہ (طریق محمدی ص ۶)

<u>الجواب</u>: ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ کتب اسماء الرجال (دیوگرافی) سے اس پر کچھ

حوالے نقل کرتے ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل بھی لوگوں میں امام معین اور مذہب متعین کی تقلید رائج تھی اور جن کے حوالے درج کیے جائیں گے وہ صرف یہی نہیں کہ مقلد اور فقیہ ہی تھے بلکہ بعض جلیل القدر محدث بھی تھے اور عالم اسباب میں علم حدیث کے اصول وضوابط انہیں ہی کے ارشادات پر موقوف ہیں۔ اور وہ احادیث کے مرکزی راوی ہیں اور ان میں سے بعض حضرات جج اور قاضی بھی رہے ہیں اور ان میں کوئی کسی امام کا اور کوئی کسی امام کا مقلد تھا

(۱) قاضی اسماعیل بن الیسع الکندیؒ (المتوفی بعد ۱۶۴ھ) فقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متبع تھے اہل مصر ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب سے نا شناسا تھے ۱۶۴ھ میں انہیں مصر کا قاضی مقرر کیا گیا تھا (الجواہر المضیہ ص ۱۶/۱)

(۲) امام لیثؒ بن سعدؒ (المتوفی ۱۷۵ھ) جو کثیر العلم والحدیث اور ثقہ وثبت تھے (تہذیب التہذیب ص ۴۶۱/۸) اور اپنے زمانہ میں مصر کے سب سے بڑے حنفی ہی تھے (تہذیب الاسماء واللغات للنوویؒ ص ۷۴/۲) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وے حنفی مذہب بود وقضائے مصر داشت (اتحاف ص ۲۲۷)

(۳) امام عبداللہؒ بن المبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ) جو الامام العلامہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۵۳/۱) فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو فقہ ہے میں نے وہ امام ابو حنیفہؒ ہی سے سیکھی ہے (تاریخ بغداد ص ۳۵۵/۱۳ ومناقب موفق ص ۲۳۶/۱) علامہ ابو الولید الباجی المالکیؒ (المتوفی ۴۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب ومقلدین میں امام ابن المبارکؒ بھی ہیں (شرح الموطا ص ۳۰/۲ طبع مصر) اور امام صدر الائمہ المکیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) اور مولی احمدؒ بن مصطفےٰ المعروف بطاش کبری زادہؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ حنفیہ میں سے ایک امام عبداللہؒ بن المبارکؒ بھی ہیں (مناقب موفق ص ۱۳۳/۲ ومفتاح السعادۃ ص ۱۱۲/۲)

(۴) امام وکیعؒ بن الجراحؒ المتوفی ۱۹۷ھ جو الامام الحافظ اور الثبت تھے (تذکرہ ص ۲۸۲/۱) کان یفتی برأی ابی حنیفۃؒ (جامع بیان العلم ص ۱۴۹/۲) کان یفتی بقول ابی حنیفۃؒ (تذکرہ ص ۲۸۲/۱ وتہذیب التہذیب ص ۱۲۷/۱۱) کہ وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور ان کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے ازراہ تعصب امام وکیعؒ بن الجراحؒ کے حنفی ہونے کا انکار کیا ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں کو مسخ کرتے ہوئے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کا اجتہاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہو جایا کرتا تھا نہ یہ کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے قول اور رائے پر فتویٰ دیتے تھے (محصلہ تحفۃ الاحوذی ص ۷/۱) لیکن یہ تاویل سراسر باطل ہے اس لیے کہ اگر ان کا اجتہاد، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہوتا تو عبارت یوں ہوتی یفتی کرأی

ابی حنیفۃ وبقول ابی حنیفۃ لیکن الفاظ برأی ابی حنیفۃ وبقول ابی حنیفۃ رح ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امام صاحبؒ کی رائے اور ان کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے امام ابن عبدالبر المالکیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

کان یفتی برأی ابی حنیفۃؒ وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃؒ حدیثا کثیرا۔
(جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۴۹ ج ۲ طبع مصر)

حضرت امام وکیع بن الجراحؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کی سب حدیثیں ان کو یاد تھیں اور امام ابوحنیفہ رح سے بہت سی حدیثیں امام وکیعؒ نے سنی تھیں۔

الغرض امام وکیع بن الجراحؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی تھے اور انہیں کی رائے اور قول پر فتویٰ بھی دیتے تھے۔

(۵) امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) جو امام العلم اور سید الحفاظ تھے (تذکرہ ص ۲۷۴ ج ۱) وہ بھی یفتی بقول ابی حنیفۃ رح (تذکرہ ص ۲۸۲ ج ۱ تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۱۰ والجواہر المضیئہ ص ۲۰۹ ج ۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور خود امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کا بیان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی تکذیب نہیں کرتے ہم نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں دیکھی اور بے شک ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں (تاریخ بغداد ص ۳۵۴ ج ۱۳)

(۶) امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رح (المتوفی ۱۸۲ھ) جو الحافظ المتقن الثبت اور الفقیہ تھے (تذکرہ ص ۲۲۶ ج ۱) وہ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور پیرو تھے۔ صاحب ابی حنیفۃؒ (ایضاً) اور من الائمۃ الحنفیۃ۔ ومن اصحاب ابی حنیفۃ رح تھے (مفتاح السعادۃ ص ۱۱۹ ج ۲ ومناقب کردری ص ۲۰۶ ج ۲)۔

(۷) امام یحییٰ بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) امام الجرح والتعدیل جو الثقۃ المامون اور احد الائمۃ الثقات تھے۔ (تاریخ بغداد ص ۱۸۴ ج ۱۴) اور حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں کہ وہ امام الجرح والتعدیل اور ایسے عالم تھے جن کی رائے کی احادیث میں اقتدار کی جاتی تھی اور وہ ایسے امام تھے جو علم حدیث میں مرجع خلائق تھے (تہذیب التہذیب ص ۲۸۸ ج ۱۱) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن معینؒ غالی حنفیوں میں شمار کیے جاتے ہیں مگر بایں ہمہ وہ محدث بھی تھے (الرواۃ الثقات المتکلم فیہم بما لا یوجب ردھم ص ۸ طبع مصر ۱۳۲۴ھ) اور خود امام ابن معینؒ کا بیان ہے کہ قرأت میرے نزدیک حضرت امام حمزہؒ کی اور فقہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی کی معتبر ہے اسی پر میں نے لوگوں کو پایا ہے (تاریخ بغداد ص ۳۴۷ ج ۱۳) ان کا حنفی ہونا ایک واضح حقیقت ہے (فیض الباری ص ۱۹۹ ج ۱ ومقدمہ نصب الرایہ ص ۴۲)

لطیفہ علمیہ ناقد فن رجال جن کے بعد آجتک اسماء الرجال پر ایسا عبور رکھنے والا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہوا علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں علم (حدیث) کا مدار تین بزرگوں پر تھا حضرت امام یحییٰؒ بن سعیدؒ القطانؒ حضرت امام یحییٰؒ بن زکریا بن ابی زائدہؒ اور حضرت امام وکیعؒ بن الجراحؒ (تذکرہ صـ ۳۲۸/ ج۱) اور امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں علم یحییٰؒ بن ابی زائدہؒ پر ختم تھا (اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہ صـ ۱۵۰) بحمد اللہ تعالیٰ یہ تینوں بزرگ مقلد تھے اور مقلد بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ علم حدیث و فقہ سے بے بہرہ ہوتے تو یہ حضرات کبھی ان کی تقلید نہ کرتے اور نہ ان کی رائے اور قول پر فتویٰ دیتے علامہ ذہبیؒ اور علامہ جزائریؒ فرماتے ہیں کہ رواۃ پر جرح و تعدیل سب سے پہلے حضرت امام یحییٰؒ بن سعیدؒ القطانؒ نے کی پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ نے (میزان الاعتدال صـ ۲/ ج۱ و توجیہ النظر صـ ۱۱۳) گویا فن حدیث کی صحت و سقم کا عالم اسباب میں مدار حضرت امام یحییٰؒ بن سعیدؒ القطانؒ پر ہے، جو مقلد اور حنفی تھے غیر مقلدین حضرات کا یہ شوشہ کہ احناف کو حدیث سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہ تھا بلکہ وہ صرف فقہ کے دلدادہ تھے سراسر باطل ہے۔ اس لیے کہ اپنے دور میں علم حدیث کا مرکز بھی علماء احناف ہی تھے اور حدیث کی تصحیح و تضعیف کے قائم کردہ اصول بھی انہیں حضرات کے مُسَلَّم چلے آرہے ہیں۔

(۷) خلیفہ جعفرؒ بن معتصم الملقب بہ المتوکل علی اللہ (المتوفی ۲۴۶ھ/ ۸۶۱ء) خلفاء میں سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت امام شافعیؒ کی تقلید کی اور ان کا مذہب اختیار کیا (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ صـ ۲۵۹)

(۸) امام عبد الغفارؒ بن داؤد الحرانیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) جو علم حدیث میں ثقہ اور ثبت تھے۔ حنفی مسلک کے تھے (تہذیب التہذیب صـ ۳۶۶/ ج۶)

(۹) امام عبد الملکؒ بن حبیبؒ (المتوفی ۲۳۹ھ) جو الفقیہ الکبیر تھے چوٹی کے مالکی تھے (تذکرہ صـ ۱۰۷/ ج۲)۔

(۱۰) امام اسماعیل القاضیؒ (المتوفی ۲۸۲ھ) جو الحافظ الامام اور شیخ الاسلام تھے عراق میں مالکیوں کے سربراہ تھے (شیخ المالکیۃ بالعراق تذکرہ صـ ۱۸۰/ ج۲)

(۱۱) امام محمدؒ بن عبد اللہؒ بن عبد الحکمؒ (المتوفی ۲۰۸ھ) جو الامام الحافظ تھے امام الائمۃ ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبد الحکمؒ سے بڑھ کر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال کو جاننے والا اور کوئی نہیں دیکھا مگر وہ بھی۔ احد فقہاء مصر من اصحاب مالکؒ تھے (تذکرہ صـ ۱۱۶/ ج۲) اور وہ ایسے سخت قسم کے مالکی تھے کہ انہوں نے فقہی مسائل میں حضرت امام شافعیؒ اور احناف کے رد میں کتابیں بھی لکھی تھیں (الدیباج المذہب ۲۳۲

لابن فرحون رہ المتوفی ۷۹۹ وتذکرہ صہ ۱۱۵/ ۴)

(۱۲) امام ابوبکر احمدؒ بن محمد الاثرمؒ (المتوفی ۲۶۰ھ) جو الحافظ الکبیر اور العلامہ تھے علامہ ذہبیؒ ان کو صاحب الامام احمدؒ لکھتے ہیں (تذکرہ صہ ۱۳۵/ ۲) یعنی حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے پیرو اور مقلد۔

(۱۳) امام المیمونیؒ (ابوالحسن عبدالملکؒ بن عبدالحمیدؒ المتوفی ۲۷۴ھ) جو الحافظ اور الفقیہ تھے۔ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے بڑے پیروکاروں میں سے تھے کان من کبار اصحاب احمدؒ (تذکرہ صہ ۱۶۲/ ۲)

(۱۴) امام حربؒ بن اسماعیل الکرمانیؒ (المتوفی ۲۸۰ھ) جو الفقیہ اور الحافظ تھے حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے پیروکار اور ان کے مقلد تھے (تذکرہ صہ ۱۴۷/ ۲)

(۱۵) امام ابوبکر احمدؒ بن محمد المروزیؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) جو القدوۃ اور الفقیہ تھے حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے بڑے مقلدین میں سے تھے اجل اصحاب احمدؒ بن حنبلؒ (تذکرہ صہ ۱۸۵/ ۲)

(۱۶) امام ابوعبداللہ محمدؒ بن ابراہیم البوشنجیؒ (المتوفی ۲۹۰ھ) جو الامام العلامۃ الحافظ اور الفقیہ تھے المالکی تھے (تذکرہ صہ ۲۰۷/ ۲) ان کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب وہ امام الحسین القبانیؒ کے جنازہ سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو مشہور محدث الحافظ ابوعمرو الخفافؒ (المتوفی ۲۹۹ھ) ان کی سواری کی لگام اور اپنے دور میں الحافظ الکبیر اور امام الائمہ ابن خزیمہؒ (المتوفی ۳۱۱ھ) اس کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ (ایضاً صہ ۲۰۷) حافظ ابن حجرؒ علامہ ذہبیؒ سے رسہ کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ من کبار الشافعیۃ (تہذیب التہذیب صہ ۱۰/ ۹) بڑے شوافع میں سے تھے۔ یہ بزرگ مالکی تھے یا شافعی کچھ بھی تھے مقلد تھے اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

(۱۷) امام موسیٰؒ بن اسحاق القاضیؒ (المتوفی ۲۹۷ھ) جو الامام الحافظ اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ صہ ۲۱۶/ ۲) اور فرماتے تھے کہ میں نے محدث ابوکریبؒ (جو الحافظ الثقہ محدث الکوفہ تھے (المتوفی ۲۴۸ھ۔ تذکرہ صہ ۷۳/ ۲) سے تین لاکھ حدیث سنی ہے (تذکرہ صہ ۲۱۶/ ۲)

(۱۸) امام محمدؒ بن النضرؒ (المتوفی ۲۹۱ھ) جو الحافظ اور الفقیہ تھے حنفی تھے بلکہ واھل بیتہ حنفیون (تذکرہ صہ ۲۲۰/ ۲) ان کا سارا خاندان ہی حنفی تھا۔

(۱۹) حضرت امام محمدؒ بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) امیر المومنین فی الحدیث جو شیخ الاسلام اور امام الحفاظ تھے (تذکرہ صہ ۱۲۲/ ۲) ان کو شیخ الاسلام تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ)

طبقات الشافعیہ میں درج کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص۲ ج۲ تا ص۱۹) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ انصاف مع ترجمہ اردو کشاف ص۶۷ میں بھی حضرت امام بخاریؒ کو شافعیہ کے طبقہ میں شمار کرتے ہیں اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔ (ابجد العلوم ص۸۱۰)

(۲۰) حضرت امام محمدؒ بن شعیب النسائیؒ (المتوفی ۳۰۲ھ) جن کی کتاب سنن نسائی صحت سند کے لحاظ سے صحاح ستہ میں صحیح بخاری اور مسلم کے بعد تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے۔ شافعی المسلک تھے۔ چنانچہ علامہ الخطیب (شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمدؒ بن عبداللہ حسن تالیف اکمال ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کان شافعی المذہب (اکمال ص۶۲۴) کہ حضرت امام نسائیؒ شافعی المذہب تھے۔

(۲۱) امام و محدث ابو عوانہ (یعقوبؒ بن اسحاق الاسفرائینیؒ المتوفی ۳۱۶ھ) جو الحافظ الثقۃ الکبیر تھے اور علم حدیث میں صحیح ابو عوانہ کے مصنف ہیں جو المسند کے نام سے مطبوع ہے شافعی المسلک تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ

هو اوّل من ادخل کتب الشافعی ومذهبه الی اسفرائین (تذکرۃ ص۳ ج۳)

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کی کتابیں اور ان کا مذہب ملک اسفرائین میں داخل کیا ہے۔

(۲۲) امام ابوبکر احمدؒ بن محمد الخلالؒ (المتوفی ۳۱۱ھ) جو الفقیہ العلامۃ المحدث تھے حنبلی تھے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے علم کے جامع اور مرتب تھے (تذکرۃ ص۷ ج۳)

(۲۳) امام طحاویؒ (ابوجعفر احمدؒ بن محمدؒ المتوفی ۳۲۱ھ) جو الامام العلامۃ اور الحافظ تھے حنفی تھے (تذکرہ ص۲۸ ج۳)

(۲۴) امام ابو العباس احمدؒ بن عمرؒ (المتوفی ۳۰۶ھ) جو الامام العلامۃ شیخ الاسلام اور قدوۃ الشافعیۃ تھے۔ (تذکرہ ص۳۰ ج۳) اور انہی کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کا مذہب پھیلا (ایضاً ص۳۱)۔

(۲۵) امام ابوبکر عبداللہؒ بن محمدؒ بن زیادؒ (المتوفی ۳۲۴ھ) جو الحافظ المجود العلامۃ اور الفقیہ الشافعی تھے۔ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ عراق میں اپنے دور کے اندر وہ شوافع کے امام تھے اور فقہی مسائل اور اختلاف صحابہؓ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (تذکرہ ص۲۷ ج۳، ص۲۸)

(۲۶) محدث محمدؒ بن یوسفؒ (المتوفی ۳۳۰ھ) جو الحافظ الثقہ تھے شافعی المسلک تھے (تذکرہ ص۵۴ ج۳)

(۲۷) امام ابو القاسم عمرو بن الحسن البغدادی الخرقیؒ (المتوفی ۳۳۴ھ) شیخ الحنابلہ تھے (تذکرہ ص۶۲ ج۳)

(۲۸) امام ابو العباسؒ بن القاصؒ (المتوفی ۳۳۵ھ) کبیر الشافعیۃ تھے (تذکرہ ص۶۳ ج۳)

(۲۹) امام ابوبکر احمد بن سلیمانؒ (المتوفی ۳۴۸ھ) جو الامام الحافظ الفقیہ اور شیخ العلماء تھے، حنبلی تھے (تذکرہ ج۳ ص۸۶)

(۳۰) محدث العراق امام ابوبکر محمد بن عبداللہ الشافعیؒ (المتوفی ۳۵۴ھ) جو الامام الحجۃ اور المفید تھے (تذکرہ ج۳ ص۹۱) شافعی المسلک تھے۔

(۳۱) امام وہبؒ بن میسرہؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) جو الحافظ اور العلامۃ تھے مالکی تھے (تذکرہ ج۳ ص۱۰۰)

(۳۲) امام ابوالنضر محمد بن محمدؒ (المتوفی ۳۴۴ھ) الامام الحافظ شیخ الاسلام اور شیخ الشافعیۃ تھے (تذکرہ ج۳ ص۱۰۲)

(۳۳) امام ابوبکر محمد بن احمدؒ (المتوفی ۳۴۴ھ) جو العلامۃ الحافظ اور شیخ عصرہ تھے شافعی تھے (ایضاً ج۳ ص۱۰۸)

(۳۴) امام ابوبکر احمد بن ابراہیم الاسمٰعیلیؒ (المتوفی ۳۷۱ھ) جو الامام الحافظ الثبت اور شیخ الاسلام تھے۔ اپنے علاقہ جرجان میں کبیر الشافعیۃ تھے (تذکرہ ج۳ ص۱۴۹)

(۳۵) امام ابوالقاسم عبدالعزیزؒ بن عبداللہؒ (المتوفی ۳۷۵ھ) شیخ الشافعیہ تھے (ایضاً ج۳ ص۱۶۹)

(۳۶) امام ابوبکر القاضی محمدؒ بن عبداللہؒ (المتوفی ۳۷۵ھ) شیخ مالکیۃ العراق تھے (ایضاً)

(۳۷) امام عبدانؒ بن محمدؒ (المتوفی ۲۹۳ھ) جو الفقیہ الحافظ تھے امام خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ صالح اور زاہد تھے امام ابن السمعانیؒ (الحافظ البارع العلامۃ ابوسعد عبدالکریمؒ بن احمدؒ المتوفی ۵۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ

هو احد من اظهر مذهب الشافعیؒ بخراسان (تذکرہ ج۲ ص۲۳۲) — وہ اُن علماء میں سے ایک تھے جنہوں نے حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ملک خراسان میں ظاہر کیا۔

(۳۸) امام ابوالغرب محمد بن احمد المغربیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) جو الحافظ اور المورخ تھے۔ علامہ ذہبیؒ قاضی عیاض (ابوالفضل عیاضؒ بن موسیٰ المالکیؒ المتوفی ۵۴۴ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ فقہاء مالکیہ میں تھے اور حضرت امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ مفتی اور عالم تھے (تذکرہ ج۳ ص۹۹)۔

(۳۹) امام ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنیؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) جو بڑے فقیہ عالم اور جلیل القدر مناظر تھے امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ کان مقدما فی مذهب الشافعیؒ (الانتقاء ص۱۱۰ طبع مصر) کہ وہ حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں پیش پیش اور سربراہ تھے۔

(۴۰) امام ابویعقوب یوسفؒ بن یحییٰ البویطیؒ (المتوفی ۲۳۱ھ) جو عالم اور فقیہ تھے اور حضرت امام شافعیؒ کے مقلدین اور اصحاب شوافع میں سے تھے امام ابن ابی اللیث الحنفی قاضی مصر کی ان سے چپقلش بھی ہوئی اور حسد

اور عداوت کی وجہ سے مسئلہ خلق قرآن کو آڑ بنا کر انہیں انہوں نے مصر سے بغداد جلاوطن کرا دیا تھا اور وہاں قید خانہ میں ڈال دیے گئے تھے اور قید خانہ ہی میں اُن کی وفات ہوئی (ایضاً۔ الانتقاء ص۱۰۹ و ص۱۱۱)

(۴۱) امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) جو الحافظ الکبیر والامام العلم ا... تھے (تذکرہ ص ۳۰۲/۱) علامہ ابن فرحون رح فرماتے ہیں کہ

قال ابن المدینیؒ کان ابن مہدیؒ یذھب الی قول مالکؒ (الدیباج المذہب ص۱۳۶)	امام ابن المدینی رح فرماتے ہیں کہ امام ابن مہدیؒ حضرت امام مالکؒ کے قول کی طرف جاتے تھے۔

قارئین کرام کتب اسماء الرجال حضرات مقلدین کے ناموں سے بھری پڑی ہیں اگر سب کی چھان بین کی جائے اور مزید نام درج کیے جائیں۔ تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے ہم نے ان واقعات میں امور ذیل کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے تاکہ کوئی بات مبالغہ آمیز نہ ہو اور حقیقت اپنی اصلی شکل میں بالکل عیاں ہو جائے۔

(۱) ہر نام کے ساتھ باحوالہ ضروری اوصاف اور سن وفات ہم نے درج کر دی ہے۔

(۲) ہم نے زیادہ تر علامہ ذہبیؒ کے تذکرہ کے حوالے پیش کیے ہیں ایک تو اس لیے کہ ان کے الفاظ نہایت ہی مختصر ہیں اور دوسرے اس لیے کہ ان کا ناقد فن رجال ہونا فریقین کو تو کیا حافظ ابن حجر رح جیسے ماہر فن امام کو بھی مسلّم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

الذہبی رح الذی ہو من اھل استقراء التام فی نقد اسماء الرجال (شرح نخبۃ الفکر ص...)	علامہ ذہبی رح وہ بزرگ ہیں جنہیں اسماء الرجال کے پرکھنے کی مہارت تامہ حاصل ہے۔

(۳) ہم نے حتی الوسع ہر نام کے ساتھ الحافظ۔ الامام اور شیخ الاسلام وغیرہ کے توصیفی القاب بھی نقل کر دیے ہیں اگر تقلید اور پھر خصوصاً شخصی تقلید شرک ہے تو یہ حضرات الحافظ الامام اور شیخ الاسلام کیسے بن گئے؟ اور بڑے بڑے نامی گرامی محدثین کرام نہ صرف یہ کہ اُن کی توقیر و تعظیم کرتے رہے ہیں بلکہ ان کی سواری کی رکابیں بھی تھامتے رہے ہیں۔

(۴) ہم نے یہ سب حوالے چوتھی صدی سے قبل ہی کے درج کیے ہیں تاکہ فریق ثانی اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھ لے کہ کیا چوتھی صدی سے قبل تقلید رائج تھی یا نہ؟ اور پھر خصوصاً تقلید شخصی؟ جس کو وہ شرک و بدعت کہتا ہے۔

(۵) ہم نے بعض ایسے حوالے بھی درج کیے ہیں کہ بعض مقلدین نے دوسرے حضرات کی تردید میں کتابیں

بھی لکھیں اور ایک دوسرے سے بحث ومباحثہ بھی ہوتا رہا۔ اور دوسرے نظریہ والوں کو جلاوطن بھی کیا گیا اگر تقلید اس وقت نہ تھی تو مقلدین کے ایک فرقہ کو دوسرے کی تردید کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ اور اس کے خلاف کاروائی کی حاجت کیا تھی؟ الغرض یہ دعویٰ کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید نہ تھی سراسر باطل اور یقیناً مردود ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ایسے رکیک شبہات سے جائز تقلید پر تو کوئی زد نہیں پڑتی مگر غلط بات آخر غلط ہوتی ہے۔ ؎

کیا ہوا ہم کو اگر دو چار موجیں چھو گئیں ۔۔۔ ہم نے بدلے ہیں نہ جانے کتنے طوفانوں کا رخ

مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابوالفرج محمدؒ بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) اپنی کتاب الفہرست طبع مصر میں از ص ۲۹۸ تا ص ۳۰۸ میں ان حضرات فقہاء کرامؒ کا تذکرہ کرتے ہیں جو فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور پیرو تھے اور ان کی تعداد انہوں نے تقریباً تیس ۳۰ بیان کی ہے۔ جن میں حضرت امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ بن الحسنؒ امام ابوالولید بشرؒ بن الولیدؒ امام زفرؒ بن الہذیلؒ امام محمد بن سماعۃؒ امام ابوسلیمان الجوزجانیؒ امام احمدؒ بن عمر الخصافؒ، امام طحاویؒ۔ امام ابوالحسن عبید اللہؒ بن الحسن الکرخیؒ اور امام ابوبکر احمدؒ بن علی الرازیؒ وغیرہم شامل ہیں۔ اور پھر از ص ۳۰۸ تا ۳۱۷ میں حضرت امام شافعیؒ کے مقلدین کا ذکر کرتے ہیں اور تقریباً چونتیس ۳۴ حضرات کا نام ذکر کرتے ہیں جن میں خصوصیت سے امام الربیعؒ بن سلیمان المرادیؒ امام ابوثور ابراہیمؒ بن خالدؒ امام یوسفؒ بن یحییٰ البویطیؒ امام ابوابراہیم اسماعیلؒ بن ابراہیم المزنیؒ امام ابواسحاق ابراہیمؒ بن احمد المروزیؒ امام ابوالعباس احمدؒ بن عمرؒ بن سریجؒ اور امام ابوسعید الاصطخریؒ وغیرہم قابل ذکر ہیں اور ص ۲۹۴ تا ص ۲۹۸ میں حضرت امام مالکؒ کے مقلدین کا ذکر ہے جو تقریباً پچیس ۲۵ ہیں جن میں امام عبد اللہؒ بن وہبؒ امام عبد اللہؒ بن عبد الحکم المصریؒ امام معنؒ بن عیسیٰ القزازؒ امام اسماعیلؒ بن اسحاق القاضیؒ امام ابوالفرج عمرؒ بن محمد المالکیؒ اور امام ابوبکر محمدؒ بن عبد اللہ الابہریؒ وغیرہم زیادہ مشہور ہیں۔ اور ص ۲۳۴ میں حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کا اور ان کی کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد امام الاثرم احمدؒ بن محمدؒ۔ امام احمدؒ بن محمدؒ بن الحجاج اور امام اسحاقؒ بن راہویہؒ کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ سب حنبلی تھے (ص ۲۳۵) اور یہ تمام حضرات چوتھی صدی سے قبل کے مقلد ہیں اس لیے کہ مصنف کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی اور تصنیف کا سن ۳۷۷ھ ہے امام ابن عبد البر المالکیؒ نے اپنی کتاب الانتقاء میں چوتھی صدی سے قبل کے مالکیوں، شافعیوں کی خاصی اور بعض حنفیوں کی نام بنام فہرست دی ہے۔ شوق ہو تو ملاحظہ کر لیں۔

اہل مصر کی تقلید: مقتدائے اہل السنت والجماعت حضرت امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی ہے۔

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

اھل مصر کانوا مالکیۃ فلما قدم الشافعیؒ مصر تحولوا الشافعیۃ

اہل مصر پہلے حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے اور پھر جب حضرت امام شافعیؒ مصر گئے تو وہ لوگ شافعی المذہب ہوگئے۔

(الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۴۵)

اگر چوتھی صدی سے قبل تقلید رائج نہ تھی تو مصر میں یہ مالکی کہاں سے پیدا ہوگئے تھے؟ اور پھر حضرت امام شافعیؒ کے مصر تشریف لے جانے کے بعد یہ لوگ شافعی کیسے بن گئے تھے؟ اور حیرت ہے کہ بات بھی صرف ایک دو افراد کی نہیں ہو رہی بلکہ عام اہل مصر کی ہو رہی ہے فریق ثانی کو کچھ تو غور و انصاف کرنا چاہیئے کہ وہ کیا کہتا ہے ؎

جہاں میں عام ہے میرے الم کی داستاں لیکن
وہ مجھ سے سن نہیں سکتے میں ان سے کہ نہیں سکتا

زبردست زیردستوں پر ظلم بھی کرتے تھے

امام خطیب بغدادیؒ اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ۔ امام محمدؒ بن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) جو الامام العلم الفرد الحافظ تھے۔ پہلے چند سال بغداد میں حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کے مبلغ رہے اس کے بعد انہوں نے اجتہاد مطلق کا درجہ حاصل کر لیا۔

وکانت الحنابلۃ تمنع من الدخول علیہ (الی قولہ) وقد ظلمتہ الحنابلۃ

اور حنبلی مسلک والے عام لوگوں کو ان کے پاس جانے سے منع کرتے تھے۔۔ اور حنبلیوں نے ان پر ظلم کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ص$\frac{۱۶۴}{۲}$ و تذکرہ ص$\frac{۲۵۲}{۲}$)

اگر چوتھی صدی سے قبل تقلید رائج نہ تھی تو امام ابن جریرؒ کو پہلے بغداد میں حضرت امام شافعیؒ کے مذہب پھیلانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور پھر یہ حنبلی کہاں سے آگئے تھے جنہوں نے امام ابن جریرؒ پر ظلم کیا اور لوگوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا؟

امام عزالدین ابو الحسن علی ابن اثیرؒ (المتوفی ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ ۳۲۳ھ میں حنابلہ نے خلاف شرع باتوں پر احتساب شروع کر دیا جہاں نبیذ نظر آتی اسے بہا دیتے گانے والی عورتوں کو مارتے آلات موسیقی کو توڑ ڈالتے مردوں کو عورتوں کے ساتھ چلنے سے روکتے حکومت کی طرف سے ان پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا گیا کہ شارع عام پر ایک ساتھ دو حنبلی جمع نہیں ہو سکتے اس سے حنابلہ کا جوش

بڑھ گیا جو شافعی نظر آتا اُسے پٹوا دیتے اس سے بہت سے شوافع کی جانیں ضائع ہوئیں (ابن اثیر صـ۹۸/۸ بحوالہ تاریخ اسلام صـ۲۱۵/۳) اگر چوتھی صدی سے پہلے تقلید نہ تھی تو یہ حنبلی اور شافعی ایک دوسرے کے خلاف انتقامی جذبہ سے پیش آنے والے کہاں سے نازل ہوگئے تھے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھ کیوں بے قابو ہو کر حملہ بول دیتے تھے مگر ؎

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں   کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

گھر کی وزنی شہادت

۲۲۸ھ میں جب خلیفہ واثق باللہ العباسی رحؒ نے سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے کچھ لوگ بھیجے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ بحوالہ مسالک الممالک لکھتے ہیں کہ

محافظان سد کہ دراں جا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی وزبان عربی و فارسی میگفتند اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند

سد سکندری کے محافظ (باشندے) بھی مسلمان اور حنفی المذہب تھے اور عربی وفارسی زبان بولتے تھے مگر سلطنت عباسیہ سے بے خبر تھے۔

(ریاض المرتاض صـ۲۱۶ - بحوالہ خیر التنقید صـ۲۳)

اگر چوتھی صدی سے قبل تقلید شخصی کا وجود نہ تھا تو شمالی علاقہ میں سد سکندری کے پاس بسنے والے یہ حنفی المسلک کہاں سے آگئے تھے؟ اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ اس دور میں تمام اسلامی علاقوں میں ایک ہی خلیفہ ہوتا تھا۔ جو اس وقت عباسی تھا اور سد سکندری کے پاس رہنے والے لوگ اسلام اور مذہب حنفی کے تو دلدادہ تھے لیکن سلطنت عباسیہ سے شناسا نہ تھے۔

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید تھی یا نہ اور یہ غلط رائے قائم کرنے میں قصور کس کا ہے؟ ؎

شکوے ہمارے سارے غلط بھی سہی مگر   لو تم ہی اب بتاؤ کس کا قصور تھا

نواب صاحبؒ الانصاف کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ

نشأ ابن شریحؒ فاسس قواعد التقلید (الی ان قال) ولذالك یعد من المجددین علی رأس المائتین (الجنۃ صـ۳۹)

امام ابن شریح رحؒ نے ہمت کی اور قواعد تقلید کی بنیاد رکھی (پھر فرمایا کہ) اسی لیے وہ دوسری صدی کے مجددین میں شمار ہوتے ہیں۔

اگر چوتھی صدی سے پہلے تقلید نہ تھی تو دوسری صدی کے مجدّد کو قواعد اور ضوابط تقلید مرتب کرنے کی کیا مصیبت پڑی تھی؟ اور پھر وہ یہ کاروائی کرنے کی وجہ سے مجدد کیسے بن گئے؟ جب کہ تقلید ہی ہے ناروا ہے۔ کیا شرک اور بدعت اور ناروا کام کرنے والا بھی اسلام میں مجدد کہلا سکتا ہے؟ شاید کہ ؎

رکھ لیا ہے نام اس کا آسماں تحریر میں

حجۃ اللہ البالغہ کا مطلب غیر مقلدین نے غلط سمجھا ہے

یہ بات سابق بحث سے بالکل عیاں ہو گئی کہ چوتھی صدی سے قبل نہ صرف یہ کہ تقلید ہوتی تھی بلکہ بکثرت رائج تھی لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت کو چوتھی صدی سے قبل تقلید کی نفی کے سلسلہ میں پیش کرنا قطعاً غلط اور سراسر باطل ہے۔ اور خود ان کی اپنی عبارت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقلّ من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان

دوسری صدی کے بعد لوگوں میں معین مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور اس وقت ایسے لوگ بہت ہی کم تھے جو معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس وقت مذہب معین کی پابندی ہی واجب تھی۔

(انصاف مع ترجمہ اردو کشاف ص۵۹)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں یہ امور بالکل واضح ہیں۔

(۱) دوسری صدی کے بعد معین مذہب کی تقلید (شخصی) رائج ہو چکی تھی۔

(۲) اس دور میں ایسے آدمی بہت ہی کم تھے جو معین فقہی مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔

(۳) اور یہ معین اور شخصی تقلید اس وقت نہ صرف یہ کہ رائج اور چالو ہی تھی بلکہ واجب بھی تھی۔

اندریں حالات حجۃ اللہ البالغہ کا وہ سرسری مطلب مراد لینا جو فریق ثانی پیش کرتا ہے ایک بہت بڑے فقیہ محدث اور متکلم کے کلام میں کھلا تعارض اور تضاد ثابت کرتا ہے مگر یہ ڈر بھی ہے کہ فریق ثانی کہیں حضرت شاہ صاحبؒ ہی پر نہ برس پڑے کہ تقلید شخصی کو واجب کہہ کر (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ بھی مشرکین کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ لیکن ؎

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اسکی گردن پہ
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت کا مطلب

حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت پر غور کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں تین جملے قابلِ غور ہیں (۱) غیر مجتمعین (۲) تقلید خالص (۳) مذہب واحد بعینہٖ اور اس کے ساتھ مزید یہ کڑی بھی ملالیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ

واعلم ان الناس کانوا فی المائۃ الاولیٰ والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذہب واحد بعینہٖ (انصاف ص۵۷)	تم جان لو کہ لوگ پہلی اور دوسری صدی میں کسی معین مذہب کی تقلید پر مجتمع نہ تھے۔

اس عبارت میں پہلی اور دوسری صدی کا صراحۃً ذکر ہے اور اس کا ذکر بھی ہے کہ ان صدیوں میں مذہب خاص کی تقلید پر اجتماعیّت نہ تھی یعنی گو تقلید ہوتی تھی لیکن متفرق تھی اور متعدد حضرات ائمہ کرامؒ کی ہوتی تھی اور اس وقت ان میں علمی قابلیت بھی عروج پر تھی اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ وہ تقلید بھی کرتے تھے اور خود بھی مسائل کو دلائل سے اخذ کرنے کی استطاعت رکھتے تھے اور بعد کے لوگوں میں علمی کمزوری پیدا ہوگئی اور تقلید خالص زوروں پر ہوگئی اور تقلید کا عام رجحان ہوگیا یہ نہیں کہ پہلے تقلید نہ تھی۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی لکھتے ہیں کہ۔ چوتھی صدی کے بعد تقلید کا رجحان عام ہوگیا ائمہ کرامؒ کی علمی اور اجتہادی کوششیں اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئیں الخ (پیش لفظ معیار الحق ص ک)

مطلب بالکل واضح ہے کہ چوتھی صدی سے قبل پہلی اور دوسری صدی میں بھی فی الجملہ تقلید رائج تھی۔ لیکن تقلید خاص کا رجحان اور اجتماعیّت نہ تھی کیف من اتفق کوئی کسی امام کی تقلید کرتا اور کوئی کسی کی اور کوئی نہ بھی کرتا۔ اور چوتھی صدی سے قبل حضرات ائمہ اربعہؒ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرام کی تقلید بھی ہوتی رہی لیکن بعد کو ان کی تقلید متروک ہوگئی اور اکثر امت کا اتفاق حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید پر ہوگیا اور انہیں کی تقلید قابل اعتبار ہوئی الحاصل کتب اسماء الرجال کے صریح اور محکم حوالوں کی روشنی میں اور خود حضرت شاہ صاحبؒ کی انصاف کی عبارت کی روشنی میں حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت کا مطلب واضح ہے کہ چوتھی صدی سے قبل بھی تقلید تھی مگر اس میں اجتماعیت نہ تھی حضرات ائمہ اربعہؒ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید بھی باقاعدہ ہوتی تھی اور تقلید بکھری ہوئی تھی اور چوتھی صدی کے بعد تشتّت رفع ہوگیا اور اجتماعیّت پیدا ہوگئی اور تاریخی ٹھوس حوالے اس کا واضح ثبوت ہے ؎

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے ۔۔۔ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

دوسرے حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید چوتھی صدی سے قبل حضرات ائمہ اربعہؒ کے علاوہ اور حضرات ائمہ کرامؒ

کی تقلید بھی ہوتی تھی مگر بعد کو بند ہو گئی کیونکہ اُن کی کتب اور فقہ کی ترویج نہ ہو سکی۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) امام دحیمؒ بن عبد الرحمٰنؒ المتوفی ۲۴۵ھ (جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الفقیہ الکبیر لکھتے ہیں) حضرت امام اوزاعیؒ المتوفی ۱۵۷ھ جو شیخ الاسلام اور الحافظ تھے کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۵۸ ج ۲)

(۲) امام دعلجؒ بن احمدؒ (المتوفی ۳۵۱ھ) جو الامام اور الفقیہ تھے حضرت امام ابن خزیمہ (ابوبکر محمدؒ بن اسحاقؒ جو الحافظ الکبیر امام الائمۃ شیخ الاسلام تھے المتوفی ۳۱۱ھ تذکرہ ص ۲۵۹ ج ۲) کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۹۲ ج ۳)

(۳) امام معافیؒ بن زکریاؒ (المتوفی ۳۹۰ھ) جو الحافظ العلامۃ تھے امام ابن جریر طبریؒ کے مقلد تھے (تذکرہ ص ۲۰۳ ج ۳)

(۴) امام الحسنؒ بن سفیانؒ (المتوفی ۳۰۳ھ) جو الحافظ الامام اور شیخ خراسان تھے حضرت امام ابو ثور (ابراہیمؒ بن خالدؒ المتوفی ۲۴۰ھ جو الامام المجتہد الحافظ تھے تذکرہ ص ۸۷ ج ۲) کے مقلد تھے (ایضاً ص ۲۴۶ ج ۲) یہ مثالیں موجود ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل بعض دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید بھی ہوتی رہی تھی لیکن بعد کو ترک ہو گئی علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ۔ اہل اندلس اور اہل شام عرصۂ دراز تک امام اوزاعیؒ کے مقلد تھے۔

ثم فنی العارفون به وبقی منه ما یوجد فی کتب الخلاف۔ (تذکرہ ص ۱۶۲ ج ۱)

پھر ان کے جاننے والے مٹ گئے اور کتب خلاف میں صرف ان کا نام ہی باقی رہ گیا۔

ظاہر بات ہے کہ جب مذہب کو ماننے والے ہی نہ رہیں تو مذہب کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ امام برہان الدین ابراہیمؒ بن علی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۹ھ) حضرات ائمہ اربعہؒ اور دیگر ائمہ کرامؒ کا اور ان کے مقلدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وغلب مذهب الاوزاعی رحمه الله تعالی علی الشام وعلی جزیرة الاندلس الی ان غلب علیهما مذهب مالکؒ بعد المائتین فانقطع واما مذهب الحسنؒ والثوریؒ فلم یکثر اتباعهما ولم یطل تقلیدهما وانقطع مذهبهما عن قریب الی ان قال واما اصحاب الطبریؒ وابی ثورؒ فلم یکثروا ولا طالت مدتهم وانقطع

کہ شام اور جزیرہ اندلس میں حضرت امام اوزاعیؒ کا مذہب غالب تھا اور دو صدیوں کے بعد ان کا مذہب ختم ہو گیا۔ اور وہاں حضرت امام مالکؒ کا مذہب غالب ہو گیا اور امام حسن بصریؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے پیرو کار زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا بلکہ جلدی ہی ان کا مذہب ختم ہو گیا (پھر آگے فرمایا) باقی رہے امام طبریؒ اور امام ابو ثورؒ کے مقلد تو یہ بھی زیادہ نہ تھے اور نہ ان کی تقلید کا زمانہ لمبا تھا اور امام ابو ثورؒ کے مقلد تیسری صدی کے

اتباع ابي ثورؒ بعد ثلاثمأة واتباع
الطبريؒ بعد اربعمأة واما داؤدؒ
فكثر اتباعه وانتشر ببلاد
بغداد وبلاد فارس مذهبه
وقال به قوم قليل بافريقية
والاندلس وضعف الآن فهؤلاء الذين
وقع اجماع الناس على تقليدهم مع
الاختلاف فى اعيانهم واتفاق
العلماء على اتباعهم والاقتداء بمذاهبهم
ودرس كتبهم والتفقه على مأخذهم
والبناء على مأخذهم والنباء على
قواعدهم والتفريع على اصولهم
دون غيرهم لمن تقدمهم
اوعاصرهم للعلل التى ذكرناها
وصار الناس اليوم فى اقطار الارض
على خمسة مذاهب مالكية
وحنبلية وشافعية وحنفية
وداؤدية وهم المعروفون بالظاهرية اھ

(الديباج المذهب ص۱۳)

بعد اور امام طبریؒ کے پیروکار چوتھی صدی کے بعد ختم
ہوگئے اور امام داؤد ظاہریؒ کے اتباع زیادہ تھے اور
بغداد اور فارس کے شہروں میں ان کا مذہب پھیلا، اور
افریقہ اور اندلس میں کچھ تھوڑے سے لوگ بھی ان کے
مسلک پر تھے اور اب وہاں بھی یہ مذہب کمزور ہوگیا ہے
پس یہ وہ حضرات ائمہ کرامؒ ہیں کہ باوجود ان کی شخصیتوں
میں اختلاف کے لوگوں کا ان کی تقلید پر اب اجماع ہے
اور سب علماء کا اتفاق ہے کہ ان کی پیروی اور ان کے
مذہب کی اقتداء کی جائے اور ان کی کتابیں پڑھی پڑھائی
جائیں اور ان کے دلائل پر فقہ کی بنیاد رکھی جائے اور ان
کے قواعد کو مبنیٰ قرار دیا جائے اور صرف انہیں کے اصول
پر تفریعات کی جائیں نہ کہ دوسروں کے اصول پر دوسرے
خواہ ان سے پہلے ہوں یا ان کے معاصر ہوں۔ ان اسباب
کی وجہ سے جن کا ذکر ہم نے کر دیا ہے اور اب تو تمام
اطراف عالم میں پانچ ہی مذہب ہیں مالکی حنبلی شافعی
حنفی اور داؤدی جو ظاہری مشہور ہیں۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ باقی حضرات ائمہ کرامؒ کی نہ تو کتب باقی رہیں نہ مقلد رہے اس لیے
ان کی تقلید کو فروغ حاصل نہ ہو سکا بخلاف ان پانچ مذاہب کے جن کا تذکرہ ہوا کہ دنیا کے بیشتر علاقوں
میں بھی پائے جاتے ہیں اور لوگ انہیں کے پیرو ہیں اور جن جن ملکوں اور علاقوں میں وہ پائے جاتے
ہیں ان کا بھی انہوں نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو الدیباج المذہب ص۱۲ و ص۱۳) گو انکی

تحقیق میں اہل الظاہر موجود تھے لیکن علامہ ابن خلدونؒ کی تحقیق سے وہ بھی مٹ گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

ثم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمته (مقدمہ ص۴۴۹)

اب اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا اس لیے کہ اس مذہب کے ائمہ مٹ گئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمدؒ بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ (المتوفی ۸۴۰ھ) مقلدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

لان الاحاطة باعمال المقلدين متعذرة مع انتشارهم في اقطار الاسلام شرقاً وغرباً وشاماً ويمناً اھ

مقلدین کے اعمال کا احاطہ کرنا مشکل ہے اس لیے کہ وہ تمام اسلامی ممالک میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص۱۱۵ ج۱)

اس عبارت سے مقلدین کی کثرت اور کل جہاں میں پھیلاؤ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

غیر مقلدین حضرات قیاس کو رد کرنے کے لیے وہی حربہ استعمال اور اختیار کرتے ہیں جو امام داودؒ بن علی الظاہریؒ (المتوفی ۲۷۰ھ جو الحافظ الفقیہ المجتہد اور فقیہ اہل الظاہر تھے تذکرہ ص۱۳۶ ج۲) نے اختیار کیا ہے اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے قیاس کو رد کیا ہے۔ (الدیباج المذہب ص۱۲) اور امام سبکیؒ جمہور کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

نفاة القياس لا يبلغون رتبة الاجتهاد ولا يجوز تقليدهم القضاء الخ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص۴۵ ج۲)

قیاس کی نفی کرنے والے اجتہاد کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اور قضاء کا عہدہ بھی ان کے سپرد کرنا ناجائز نہیں ہے۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ ہم نے اصولی اور فروعی احکام میں متعدد مقامات میں یہ بات دہرائی ہے کہ اہل الظاہر علماء شریعت میں سے نہیں ہیں ہاں صرف ناقل ہیں اگر ثقہ ہوں (ایضاً) غیر مقلدین حضرات ان کی تقلید کی حامی نہیں بھرتے اور نہ ان کی تقلید کا اقرار کرتے ہیں اس لیے مقلدین کے صرف چار ہی طبقے باقی رہ جاتے جو غیر منصوص احکام میں تقلید کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔

ناگواری

ممکن ہے بعض حضرات کو امام سبکیؒ کا یہ قول ناگوار گذرے کہ اہل الظاہر علماء شریعت میں سے نہیں ہیں لیکن ان کی بات بالکل صحیح ہے اولاً اس لیے کہ جمہور اہل اسلام کا ساتھ چھوڑ کر اور ان کی مخالفت کر کے کوئی شخص علماء شریعت کا فرد کیسے بن سکتا ہے؟ وثانیاً اگر ایسا شخص قاضی بن جائے، تو

پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں اسلام اور شریعت کا عالمگیر ہونا کیسے ثابت کرسکے گا؟ کیونکہ ظاہر امر ہے کہ تمام پیش آمدہ مسائل اور سب جزئیات قرآن وحدیث میں صراحۃً تو مذکور نہیں ہیں پھر قیاس سے مخلص ہی کیا ہے؟ وثانیاً مسائل اور احکام کے اثبات کے لیے شریعت میں چار دلیلیں اور اصول ہیں۔ کتابؒ، سنتؒ، اجماع اور قیاسؒ گو قیاس درحقیقت مُظہر ہے مُثبت نہیں لیکن اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے تو اس اصلٌ من اصول الشریعت کو نہ جاننے اور نہ ماننے والا علماء شریعت میں سے کیسے ہو سکتا ہے؟

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

وذهب الجمهور من الصحابةؓ والتابعينؒ والفقهاءؒ والمتكلمينؒ الى ان القياس الشرعي اصل من اصول الشريعة يستدل به على الاحكام التى يرد بها السمع وليس فيها نص ولا اجماع قال ابن عبد البرؒ لا خلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة فى نفى القياس فى التوحيد واثباته فى الاحكام الا داؤد فانه نفاه فيهما جميعا انتہی (الجنۃ ص۱۲)

جمہور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ فقہاءؒ اور متکلمینؒ اس طرف گئے ہیں کہ شرعی قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے احکام سمعی میں (جو محض عقلی نہیں) جب کہ ان کے اثبات کے لیے نص اور اجماع نہ ہو قیاس شرعی سے استدلال کیا جا سکتا ہے امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ (اسلامی) شہروں کے حضرات فقہاء کرامؒ اور تمام اہل السنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید (وعقائد) میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہاں احکام کا اثبات قیاس سے ہو سکتا ہے امام داؤدؒ دونوں میں قیاس کی ایک ساتھ نفی کرتے ہیں۔

اور نواب صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ

وخلاف در قیاس شرعی است جمہور از صحابہؓ وتابعینؒ وفقہاءؒ ومتکلمین باں رفتہ کہ اصلی از اصول شریعت است استدلال میرود بداں بر احکام وارده بسمع وظاہریہ انکارش کرده اند اھ (افادۃ الشیوخ ص۲۲)

قیاس شرعی میں اختلاف ہے جمہور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ، فقہاءؒ اور متکلمینؒ اس طرف گئے ہیں کہ قیاس شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے احکام سمعیہ میں اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور اہل ظاہر نے قیاس کی حجیت کا انکار کیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جب قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے تو اس کو نہ جاننے اور

نہ ماننے والا علماء شریعت میں شامل نہیں ہو سکتا اور ادھورے عالم کو عہدۂ قضا سپرد کرنا خطرۂ ایمان سے خالی نہیں ہے کما لایخفیٰ ایسے لوگوں کے لیے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے ؎

دعا یہ ہے رہِ منزل سے آشنا نکلیں — یہ رہنما جو ابھی کارواں میں آئے ہیں

اسلامی ممالک اور باقی ملکوں میں مقلدین

اس وقت دنیا میں تقریباً ایک ارب سے زیادہ مسلمان بیان کیے جاتے ہیں اور ان میں اکثریت مقلدین کی ہے اور ان میں بھی علی الخصوص حنفیوں کی اکثریت ہے اور پہلے بھی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق۔ ہندوستان۔ چین۔ ماوراء النہر وبلاد العجم کلہا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں (مقدمہ ص ۴۴۸) اور مؤرخ دوراں۔ امیر البیان علامہ شکیب ارسلانؒ (المتوفیٰ ۱۳۶۶ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیرو اور مقلد ہے یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اور افغانستان کے مسلمان چین کے مسلمان ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان شام وعراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں۔ اور سوریہ (شام) کے بعض اور حجاز۔ یمن۔ حبشہ، جاوا، انڈونیشیا اور کردستان کے مسلمان حضرت امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور مغرب کے مسلمان مغربی اور وسط افریقہ کے مسلمان اور مصر کے کچھ لوگ حضرت امام مالکؒ کے مقلد ہیں اور عرب کے بعض مسلمان اور شام کے بعض باشندے جیسے نابلس اور دومہ کے رہنے والے حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے مقلد ہیں (حاشیہ حسن المساعی ص ۶۹)

اور بفضلہ تعالیٰ تفصیل سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ چوتھی صدی کے بعد حضرات ائمہ اربعہؒ کے مذاہب اور ان کی کتابوں کی ہی تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت ہوتی رہی اور لوگوں کی نظریں صرف انہیں کی طرف اٹھنے لگیں اور پیش آمدہ مسائل میں ضرورتیں بھی انہیں سے اور ان میں سے بھی علی الخصوص فقہ حنفی سے پوری ہونے لگیں بقیہ مذاہب یا تو سرے سے مٹ گئے اور یا کمیاب اور مرجوح ہو کر رہ گئے اب بقول امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنھا مفسدۃ کبیرۃ الخ (عقد الجید ص ۳۶)

ان چاروں مذاہب کو لینے میں بڑی مصلحت اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا فساد اور خرابی ہے۔

اور ہندوستان وغیرہ ان علاقوں میں جہاں دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی فقہ اور کتابیں رائج نہیں ہیں

اور ان کی تعلیم و تدریس نہیں ہوتی تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ان علاقوں میں جاہل انسان کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب اور اس سے نکلنا حرام ہے۔

فان کان انسان جاھلاً فی بلاد الھند الی قولہ وجب علیہ ان یقلد بمذھب ابی حنیفۃؒ ویحرم علیہ الخروج من مذھبہ الخ (انصاف صک)

جب کوئی انسان ہندوستان (وغیرہ علاقوں) میں جاہل ہو (آگے فرمایا) تو اس کے لیے واجب ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس کے لیے اس سے نکلنا حرام ہے۔

الحاصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت سے چوتھی صدی سے قبل تقلید کی نفی پر اور اسی طرح ان کی کسی اور عبارت سے یا ان کے ابناء کرام کی کسی عبارت سے غیر منصوص احکام میں مشروع تقلید کی نفی اور تردید پر استدلال کرنا قطعی باطل اور سراسر مردود ہے۔ یہ حضرات خود بھی مقلد تھے اور تقلید کے داعی بھی لہذا ترک تقلید پر ان سے استدلال واحتجاج کرنا بالکل بے سود ہے۔ ع

چھیڑتا تھا تو کوئی شکوۂ بے جا کرتے

تقلید کا تسلسل بحمد اللہ تعالیٰ ہم صریح اور ٹھوس حوالوں سے یہ بات بیان کر آئے ہیں کہ چوتھی صدی سے پہلے بھی تقلید رائج تھی اور پہلی اور دوسری صدی میں تقلید کے ثبوت کا اقرار ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے عرض کر چکے ہیں۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لے کر چوتھی صدی تک متواتر اور مسلسل تقلید ہوتی رہی اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃؓ الی ان ظھرت المذاھب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر یعتبر انکارہ ولو کان ذلک باطلاً لانکروہ الخ (عقد الجید ص۲۹)

حضرت صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ علماء کرام میں سے جس کا بھی اتفاق ہوتا برابر تقلید کرتے رہے اور بغیر کسی قابلِ اعتبار انکار کے یہ کارروائی ہوتی رہی اگر تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات ضرور اس کا انکار کرتے۔

غور فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ حضرات صحابہ کرامؓ کے بابرکت دور سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک کس طرح تسلسل اور تواتر کے ساتھ (لم یزالوا کے الفاظ سے) تقلید کا ثبوت پیش کر رہے ہیں اس

کا صاف طور پر مطلب یہ ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک سے تسلسل کے ساتھ بلانکیر آج تک برابر تقلید ہوتی رہی اور تقلید سے کوئی مخلص نہیں اور یہ بالکل جائز ہے ۔ ع

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

مذاہب اربعہ کی ترجیح کی وجہ علامہ ابن خلدونؒ کا یہ حوالہ و وقف التقلید فی الامصار عند ھؤلاء الاربعۃ الخ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ ان ھذہ المذاھب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ الخ پہلے بیان ہو چکا ہے المدونۃ اور المحررۃ کے الفاظ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ مذاہب اربعہ کی کتابیں ابوابا فصولاً مدون اور مرتب ہیں اور افادۂ عام کے لیے مسائل اور جزئیات خاصی تفصیل کے ساتھ ان میں درج ہیں اور انہی مذاہب اربعہ کی کتب کی عموماً تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت ہوتی رہی ہے ۔ اور انہی کتب سے لوگوں کی دینی طور پر پیش آمدہ مسائل میں ضروریات پوری ہوتی ہیں اور بقیہ مذاہب کو فروغ حاصل نہ ہو سکا ۔ جیسا کہ علامہ ابن فرحونؒ کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ اب تقلید انہی مذاہب میں منحصر ہے اور محققین کے نزدیک اگرچہ پیش آمدہ مسائل میں فی الجملہ اجتہاد تاقیامت باقی رہیگا لیکن اجتہاد مطلق حضرات مجتہدین پر ختم ہو چکا ہے اور یہ رتبہ کسی اور کو نہ مل سکا اور نہ مل سکتا ہے ع یہ رتبہ بلند ملا جو مل گیا ۔

اعتراض فریق ثانی کے شیخ الکل کہتے ہیں کہ ۔ اور ایک ان میں شیخ عزیز الدین بن عبد السلام ہیں اور ایک ابن دقیق العیدؒ ہیں کہ یہ دونوں صاحب بھی مرتبہ اجتہاد مطلق کو پہنچ گئے تھے چنانچہ فاضل حبیب اللہ قندھاریؒ منتہم الحصول میں فرماتے ہیں ۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ کوئی دو آدمی اس میں خلاف نہ کریں گے کہ ابن عبد السلام اور ابن دقیق العیدؒ دونوں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے تھے الخ (معیار الحق ص ۵۱)

الجواب :۔ ان دونوں بزرگوں کو درجۂ اجتہاد مطلق تک پہنچانا درست نہیں ہے ۔ اولاً اس لیے کہ علامہ ذہبیؒ جن پر جناب میاں صاحبؒ نے کلی اعتماد کیا ہے دیکھئے معیار الحق ص ۲۷ ، علامہ ذہبیؒ کے بارے فرماتے ہیں جن کی جلالت شان اور علو مکان سے سب علماء ادنیٰ اور اعلیٰ واقف ہیں الخ) امام ابن دقیق العیدؒ کو الشافعی المالکی لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۲۵۶/ج۴) اور شیخ عزیز الدین ابن عبد السلامؒ (المتوفی ۶۶۰ھ) کو امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ میں شامل کیا ہے (ملاحظہ ہو طبقات ص ۸۰/ج۵) اور قاہرہ میں مدرسہ صالحیہ میں بادشاہ نجم الدین ایوبؒ بن کاملؒ نے انہیں تدریس سپرد کی تھی ۔ وفوض تدریس الشافعیۃ بھا الی الشیخ عزالدین فباشرہ الخ (طبقات ص ۸۱/ج۵) اور فقہ شافعی کی تدریس ان کے سپرد کی تھی جو پڑھاتے تھے ۔ وثانیاً جناب میاں صاحبؒ

کا دعویٰ اجتہاد مطلق کا ہے اور اپنے استدلال میں جو حوالہ انہوں نے فاضل قندھاریؒ کا پیش کیا ہے اس میں صرف اجتہاد کا ذکر ہے مطلق کا کوئی لفظ اس میں موجود نہیں ہے لہٰذا تقریب تام نہیں اور فی الجملہ اجتہاد کا ہمیں انکار نہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ الغرض وہ مجتہد مطلق نہ تھے۔ انہی مذاہب اربعہ کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور صرف انہی کی پذیرائی ہوئی اور ردًّا و قبولاً مدار انہی پر رہا اور اختلاف کا دروازہ بند کرنے کے لیے علماء نے بہتری اور کامیابی انہی مذاہب اربعہ میں سمجھی اور باقی حضرات کی تقلید متروک ہو گئی اور اب تقلید انہی مذاہب اربعہ میں بند ہو گئی اور یہ وجہ ترجیح ان کے ہاں واضح ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

بے شک امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں حضرات سلفؒ پر اعتماد ضروری ہے حضرات تابعینؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ پر اعتماد کیا اور حضرات تبع تابعینؒ نے حضرات تابعینؒ پر اعتماد کیا اور اسی طرح ہر دور کے علماء نے اپنے زمانہ سے ماقبل دور کے علماء پر اعتماد کیا اور عقل بھی اس کی خوبی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ شریعت صرف نقل اور استنباط سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے اور نقل اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ بعد کو آنے والا ہر طبقہ ماقبل کے حضرات سے اتصال کے ساتھ شریعت حاصل نہ کرے۔ اور جب حضرات سلفؒ کے اقوال پر اعتماد کرنا متعین ہو گیا تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہو صحیح اسانید سے مروی ہوں او مدونة فی الکتب المشہورة ہوں۔ یا اگر ان کی اسانید متصل نہ ہوں تو ان کے اقوال مشہور کتابوں میں مدوّن اور درج ہوں۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ

ولیس مذهب فی هذه الازمنة المتاخرة بهذه الصفة الاهذه المذاهب الاربعة الخ (عقد الجید ص۳۱ و ص۳۲)	اور ان آخری زمانوں میں بجز ان مذاہب اربعہ کے اور کوئی مذہب اس صفت پر نہیں ہے۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم (عقد الجید ص۳۸)	جب ان چار مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب حقہ مٹ گئے تو انہی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہو گی اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہو گا۔

یعنی ایسا مذہب جس میں حضرات سلفؒ کے اقوال صحیح اسانید سے منقول ہوں یا اگر صحیح اسانید موجود نہ ہوں تو حضرات سلفؒ کے اقوال مشہور اور معتبر کتابوں میں درج ہوں اب ان چار مذاہب کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے لیکن حق اور اہل حق اور فرقہ ناجیہ کا ان مذاہب اربعہ میں منحصر ہونا حصر عادی اور اکثری ہے نہ کہ حصر شرعی اور عقلی اور نہ اہل علم میں اس کا کوئی مدعی ہے اور یہ حصر عادی و اکثری فریق ثانی کے شیخ الکل کو بھی مسلم ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر اس حصر کو عادی اور اکثری کہیں تو مسلم الثبوت ہے الخ (معیار الحق ص۴۴) نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اور معنی عادی اکثری کے یہ ہیں کہ فی الواقع تو موجب حکم خدا اور رسولؐ کے سب اہل سنت کے مقتدائے صحابہؓ اور تابعینؒ اور مجتہدین ائمہ اربعہؒ اور سوائے ان کے اور مقلدین اُن کے فرقہ ناجیہ میں داخل تھے۔ لاکن آج کے دن عادت ایسی ہوگئی ہے کہ سوائے اہل مذاہب اربعہ کے کوئی نہیں رہا اور روایت بھی کسی مذہب کی سوائے مذاہب اربعہ کے اکثر کو نہیں ملتی تو اس طرح سے حصر کرنا شرعی تنزیلاً نہ ہوا بلکہ عادی اور اکثری بہ سبب وجوہ مانع کے ہوا اور ارتفاع اس مانع کی سے یہ حصر نہ رہے گا یعنی جب کہ کوئی روایت صحیحہ بنقل متصل ثابت کسی مجتہد سے سوائے ائمہ اربعہؒ کے ہم کو ملیگی تو اس وقت ائمہ اربعہؒ اور وہ مجتہد آخر یکساں ہوں گے الخ (معیار الحق ص۴۵) اس صریح عبارت میں فریق ثانی کے شیخ الکل نے واضح الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حصر عادی و اکثری کے تحت فرقہ ناجیہ اب مذاہب اربعہ ہی میں منحصر ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ بدر الدین بعلیؒ (المتوفی ۷۷۸ھ جنہوں نے فتاوی ابن تیمیہؒ کو ملخص کیا ہے) فرماتے ہیں قائل کا یہ قول کہ میں حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کی پابندی نہیں کرتا اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں دوسروں کو چھوڑ کر صرف ایک کی پابندی نہیں کرتا تو اس نے اچھا کہا اور دو قولوں میں یہی درست ہے۔

وان اراد انی لا اقتید بھا کلھا بل اخالفھا فھو مخطئ فی الغالب قطعاً اذالحق لا یخرج عن ھذہ الاربعۃ فی عامۃ الشریعۃ الخ

اور اگر اس کی یہ مراد ہے کہ میں ان سب کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان سب کی مخالفت کرتا ہوں تو وہ اکثر مسائل میں قطعاً خطاکار ہے کیونکہ اکثر مسائل شرعیہ میں حق ان چاروں مذاہب سے خارج نہیں ہے۔

(فتاوی ابن تیمیہ ص۲۱۹ ج۲ و مختصر الفتاوی المصریۃ ص۵۸)

اور حافظ ابن تیمیہؒ ہی دوسرے مقام میں لکھتے ہیں کہ

اگرچہ حضرات ائمہ اربعہؒ کے علاوہ اور امام بھی ہوئے ہیں مثلاً سفیانؒ بن عیینہؒ وغیرہ لیکن اولاً تو انہوں نے

اپنے اختیار کیے ہوئے احکام پر کتابیں نہیں لکھیں۔

ثم اندرجت مذاهبهم تحت مذاهب الائمة المعتبرة الخ

پھر ان کے مذاہب حضرات ائمہ معتبرین کے مذاہب کے تحت درج ہو گئے ہیں۔

(نقض المنطق ص۱۴۵ طبع قاہرہ ۱۳۷۰ھ)

اور نیز فرماتے ہیں کہ۔ بلاشبہ حق ان مذاہب سے خارج نہیں کیونکہ یہی حضرات راہنما ہیں اور اس امت کے ارباب مذاہب ہیں اور بلند مرتبہ سردار اور قیادت کرنے والے علماء دین دیانتدار سچے اور امانت دار وافر علم اور واضح اجتہاد والے ہیں اور اسی وجہ سے لوگوں نے فروع میں ان کی اقتداء کی ہے اور ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنایا ہے حتیٰ کہ یہی حضرات مشارق ومغارب میں ارباب مذاہب ہیں۔ (نقض المنطق ص۱۴۶)

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں۔

ولم يبق الا مذهب اهل الرأى من العراق واهل الحديث من الحجاز (مقدمہ ص۴۴۷)

اور باقی نہ رہا مگر مذہب اہل الرأی (فقہاء احناف) کا جو عراقی ہیں اور محدثین کا جو حجازی ہیں۔

یعنی جن حضرات پر باوجود محدث ہونے کے فقہ کا غلبہ تھا وہ اہل الرائے کہلائے اور جن پر باوجود فقیہ ہونے کے فن حدیث کا غلبہ تھا وہ محدثین کہلائے پہلے گروہ کا مرکز عراق تھا اور دوسرے کا حجاز تھا اور ان ہی کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے دور میں نہ تو اہل الظاہر کا بالعموم مذہب رہا اور نہ ان کے ائمہ رہے۔

علامہ تاج الدین السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ

وهذه المذاهب الاربعة ولله تعالى الحمد فى العقائد واحدة الا من لحق منها باهل الاعتزال او التجسم والا فجمهورها على الحق يقرون عقيدة ابى جعفر الطحاوى التى تلقاها العلماء سلفا وخلفا بالقبول الخ (معيد النعم ومبيد النقم ص۶۲ طبع مصر)

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تعریف ہے یہ چاروں مذاہب عقائد میں ایک ہی ہیں ہاں مگر ان میں سے جو معتزلہ یا مجسمہ سے جا ملے ورنہ ان کی اکثریت حق پر ہے اور یہ سب اُس عقیدہ کا اقرار کرتے ہیں جو امام ابو جعفر الطحاوی الحنفیؒ نے (عقیدۃ الطحاوی کے نام سے) لکھا ہے۔ جس کو سلفاً اور خلفاً علماء نے قبول کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مذاہب اربعہ اصول میں متفق ہیں ان میں جو بھی اختلافات ہیں وہ صرف

فروعی ہیں۔ اس کی مزید تشریح انہوں نے اپنی کتاب طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۲۶۱/۲۶ طبع مصر میں کی ہے۔

الزام تراشی

جملہ مقلدین حضرات غیر منصوص مسائل میں تقلید کرتے ہیں مگر اپنے ائمہ کرام کو صرف مجتہد جان اور مان کر نہ کہ ان کو معصوم عن الخطاء تسلیم کر کے کیونکہ المجتہد یخطئی و یصیب اور عقیدہ حقیقۃً اس پختہ یقین واذعان کا نام ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اور نہ شک ڈالنے والے کے شک سے زائل ہو مگر مشہور منکر حدیث جو غیر مقلدیت کے کھلے دروازہ سے ترقی کر کے اس مقام پر پہنچے ہیں جناب حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری لکھتے ہیں کہ ان مقلدین کا اختلاف بظاہر فروعی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اصولی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے مخصوص امام کی تقلید کا عقیدہ بھی رکھتا ہے بلفظہٖ (طلوع اسلام ص ۱۲ میری طالب العلمی اگست ۱۹۵۰ء) مقلدین کا آپس میں اختلاف فروعی ہے اصولی نہیں اور اپنے مخصوص امام کے متعلق ان کا غیر متزلزل عقیدہ نہیں بلکہ صرف مجتہد ہونے کی وجہ سے حسن ظنی ہے کہ مجتہد ہونے کی وجہ سے صواب و خطاء دونوں پہلو ان سے ممکن ہیں گو اغلب صواب ہے۔

باب چہارم

ہم باب سوم میں چوتھی صدی تک کے بہت سے اکابر حضرات محدثین کرامؒ اور فقہاء کرامؒ کا مقلد ہونا باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔ اب ہم چوتھی صدی کے بعد کے بعض حوالے ہدیۂ قارئین کرام کرنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) امام ابو عبداللہ الحسینؒ بن الحسنؒ الحلیمیؒ (المتوفی ۴۰۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ العلامۃ البارع اور رئیس اہل حدیث لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۱۹/۳)

(۳) امام ابو بکر احمدؒ بن محمدؒ البرقانیؒ (المتوفی ۴۲۵ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ اور شیخ الفقہاء والمحدثین لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۹/۳)

(۴) امام ابوالقاسم ھبۃ اللہؒ بن الحسنؒ اللالکائیؒ (المتوفی ۴۱۸ھ) جو الامام الحافظ اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۷/۳)

(۵) امام ابو عمرو عثمانؒ بن سعید الدانیؒ (المتوفی ۴۴۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ مالکی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۹۹/۳)

(۶) امام ابو عمر یوسفؒ بن عبداللہؒ بن عبدالبرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام شیخ الاسلام اور حافظ المغرب لکھتے ہیں۔ پہلے ظاہری تھے۔ ذہبیؒ لکھتے ہیں ثم صار مالکیا پھر مالکی المذہب ہو گئے تھے اور حضرت امام شافعیؒ کی فقہ کی طرف بھی بکثرت میلان رکھتے تھے۔ (تذکرہ ص ۳۰۸/۳)

(۷) امام ابو بکر احمدؒ بن الحسینؒ البیہقیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ العلامۃ اور شیخ خراسان لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ حضرت امام الحرمینؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جتنے بھی شوافع ہیں ان کی گردن میں حضرت امام شافعیؒ کا احسان لٹکا ہوا ہے۔ مگر امام بیہقیؒ کا حضرت امام شافعیؒ پر احسان ہے لتصانیفہ فی نصرۃ مذھبہ۔ کیونکہ حضرت امام بیہقیؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کی تائید میں بہت سی

کتابیں لکھی ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۱۰/۳)

حضرت امام بیہقیؒ کی سنن الکبریٰ وغیرہ کتابیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہو چکی ہیں جن کی روایات سے فریق ثانی استدلال کیا کرتا ہے۔ اور ان کی دوسری کتاب "کتاب القراۃ" کی اکثر روایات پر قراۃ خلف الامام کے سلسلہ میں تو اس کی گاڑی چلتی ہے۔ اگر حضرت امام بیہقیؒ فریق ثانی کے نزدیک تقلید شخصی کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہیں تو مشرک کی تصنیف پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۸) امام ابو محمدؒ الحسین بن مسعود بغویؒ (المتوفی ۵۱۶ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام اور الحافظ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۵۲/۴)

یہ وہی امام بغویؒ ہیں جن کی قرآن کریم میں تفسیر معالم التنزیل اور حدیث میں شرح السنۃ اور مصابیح وغیرہ کتابیں آج بھی موجود ہیں اور اہل علم ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۹) امام ابن عساکرؒ۔ ابو القاسم علیؒ بن الحسنؒ (المتوفی ۵۷۱ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام۔ الحافظ الکبیر۔ محدث الشام فخر الائمہ اور ثقۃ الدین لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۱۸/۴)

جن کی تاریخ ابن عساکر طبع ہو کر منصہ شہود پہ آ چکی ہے۔

(۱۰) امام زیدی۔ ابو الحسن علیؒ بن احمدؒ (المتوفی ۵۷۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ العابد المحدث اور احد الائمہ لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۵۰/۴)

(۱۱) امام الحازمی۔ ابو بکر محمدؒ بن موسیٰؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ اور البارع لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۵۲/۴)

جن کی کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے اور اصول حدیث میں شروط الائمۃ الخمسہ وغیرہ متعدد کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

(۱۲) امام عبد الغنیؒ بن عبد الواحدؒ (المتوفی ۶۰۰ھ) جو الحافظ الامام اور محدث الاسلام تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۶۰/۴)

(۱۳) امام ابن الحصری ابو الفتوح نصر بن ابی الفرجؒ (المتوفی ۶۱۹ھ) جو الامام اور الحافظ اور المفید تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۱۶۷/۴)

(۱۴) امام عبد الرزاقؒ بن ابی محمد الشیخ عبد القادر جیلانیؒ (المتوفی ۶۰۳ھ) جو سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ

(المتوفی ۵۶۱ھ) کے صاحبزادے تھے ۔ جن کو علامہ ذہبیؒ الامام المحدث اور الحافظ لکھتے ہیں ۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح حنبلی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۶۲/۴)

(۱۵) امام عبدالقادرؒ بن عبداللہ (المتوفی ۶۱۲ھ) جو الامام اور الحافظ تھے ۔ حنبلی المذہب تھے (تذکرہ صہ ۱۶۴/۴)

(۱۶) امام علی بن المفضل (المتوفی ۶۱۱ھ) جو الحافظ ۔ العلامہ اور المفتی تھے ۔ مالکی المذہب تھے (تذکرہ صہ ۱۶۴/۴)

(۱۷) امام بہجۃ بن الحسنؒ (المتوفی ۶۰۹ھ) جو الحافظ اور المحدث تھے ۔ شافعی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۶/۴)

(۱۸) امام عزالدین ابو الفتحؒ (المتوفی ۶۱۳ھ) جو الحافظ الامام المحدث المفید تھے ۔ حنبلی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۸۶/۴)

(۱۹) امام تقی الدین ۔ ابو الطاہر اسماعیلؒ بن عبداللہؒ بن الانماطیؒ (المتوفی ۶۱۹ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام البارع الحافظ اور مفید الشام لکھتے ہیں ۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ صہ ۱۹۰/۴)

(۲۰) امام ضیا المقدسی ۔ ابو عبداللہ محمدؒ بن عبدالواحدؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام العالم الحافظ الحجۃ اور محدث شام لکھتے ہیں ۔ حنبلی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۹۰/۴)

(۲۱) امام ابو موسیٰ ۔ جمال الدینؒ عبداللہ بن حافظ عبدالغنیؒ (المتوفی ۶۲۹ھ) جو الحافظ الفقیہ تھے ۔ حنبلی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۹۳/۴)

(۲۲) امام ابن نقطہ ۔ ابو بکر محمدؒ بن عبدالغنیؒ (المتوفی ۶۲۹ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الامام المتقن اور المحدث لکھتے ہیں ۔ حنبلی المذہب تھے (تذکرہ صہ ۱۹۷ھ)

(۲۳) امام الدبیثی ابو عبداللہ محمدؒ بن ابی المعالیؒ (المتوفی ۶۳۷ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ الثقہ لکھتے ہیں ۔ شافعی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۱۹۹/۴)

(۲۴) امام ابن الصلاح ۔ ابو عمرو عثمانؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ المفتی اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں ۔ علامہ ذہبیؒ ان کو شافعیؒ لکھتے ہیں ۔ (تذکرہ صہ ۲۱۴/۴)

یہ وہی حافظ ابن صلاحؒ ہیں جن کا اصول حدیث میں ایک بہترین رسالہ علوم الحدیثؒ کے نام سے مصر اور المدینۃ المنورۃ میں طبع ہوا ہے ۔

(۲۵) امام الصریفینی ابو اسحاق ابراہیمؒ بن محمدؒ ۔ (المتوفی ۶۴۱ھ) جو الحافظ المتقن اور العالم تھے ۔ حنبلی المذہب تھے ۔ (تذکرہ صہ ۲۱۸/۴)

(۲۶) امام یونینی ۔ ابو عبداللہ محمدؒ بن ابی الحسینؒ (المتوفی ۶۵۸ھ) جو الفقیہ الحافظ الامام اور القدوۃ تھے ۔

حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۲۳ ج ۴)

(۲۷) امام ابو شامۃ۔ ابو القاسم عبدالرحمٰنؒ بن اسماعیلؒ۔ (المتوفیٰ ۶۶۵ھ) جو الحافظ العلامۃ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۴۳ ج ۴)

(۲۸) امام رشید الدین ابو الحسین یحییٰؒ بن علیؒ (المتوفیٰ ۶۶۲ھ) جو الحافظ۔ الامام الثقۃ اور المجود تھے۔ مالکی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۲۶ ج ۴)

(۲۹) امام شرف الدین النابلسی ابو المظفرؒ یوسفؒ بن الحسنؒ (المتوفیٰ ۶۷۰ھ) جو الامام اور الحافظ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۱۴ ج ۴)

(۳۰) امام ابن العاویہ۔ ابو المظفر منصورؒ بن سلیمؒ (المتوفیٰ ۶۷۷ھ) جو الامام الحافظ اور المفید تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۴۸ ج ۴)

(۳۱) امام نووی۔ ابو زکریا یحییٰؒ بن شرفؒ (المتوفیٰ ۶۷۵ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ الاوحد القدوۃ شیخ الاسلام اور علم الاولیاء لکھتے ہیں۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۰ ج ۴)

یہ وہی امام نوویؒ ہیں جن کی "شرح مہذب" "شرح صحیح مسلم" اور اسماء واللغات وغیرہ ایسی عظیم النفع کتابیں موجود ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ ہیں وہ بھی مقلد ہی۔

(۳۲) امام محب الدین الطبری۔ ابو العباس احمدؒ بن عبداللہؒ (المتوفیٰ ۶۹۴ھ) جو الامام المحدث المفتی اور فقیہ الحرم تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۵ ج ۴)

(۳۳) امام زین الدین الابنوری۔ ابو الفتح محمدؒ بن احمدؒ (المتوفیٰ ۶۶۷ھ) جو الامام المحدث الحافظ المفید تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۶ ج ۴)

(۳۴) امام ابن دقیق العید ابو الفتح محمدؒ بن علیؒ (المتوفیٰ ۷۰۲ھ) جو الامام الفقیہ المحدث العلامۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الشافعی المالکی لکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۶۲ ج ۴)

(۳۵) امام شرف الدین الدمیاطیؒ (المتوفیٰ ۷۰۵ھ) جو الامام۔ العلامۃ الحافظ الحجۃ اور الفقیہ تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۵۸ ج ۴)

(۳۶) امام شہاب الدین ابن الفرجؒ (المتوفیٰ ۶۹۹ھ) جو الامام العالم الحافظ اور شیخ المحدثین تھے۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۶۷ ج ۴)

(۳۷) امام علی بن عبد الکافیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) جو الفقیہ اور الحافظ تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۲۶۲/۴)
انہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی تردید میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کا نام "شفاء السقام" ہے جو دکن میں طبع ہو چکی ہے۔

(۳۸) امام شمس الدین ابن جوانؒ۔ (المتوفی ۶۸۲ھ) جو الامام، الحافظ اور المتقن تھے۔ شافعی المذہب تھے (تذکرہ ص ۲۶۳/۴)

(۳۹) امام سعد الدین الحارثیؒ (المتوفی ۷۱۱ھ) جو الشیخ الامام الفقیہ الحافظ اور المتقن تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۷۷/۴)

(۴۰) امام جمال الدین المزیؒ (المتوفی ۷۴۲ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ العالم الحبر الحافظ الاوحد اور محدث شام لکھتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو سو ۲۰۰ جلدوں میں تہذیب الکمال لکھی۔ شافعی المذہب تھے۔ (تذکرہ ص ۲۸۰/۴)
یہ وہی تہذیب الکمال ہے جس کو چھانٹ کر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) شافعی المذہب نے "تہذیب التہذیب" کی شکل میں اسماء الرجال (بیوگرافی) میں اپنی عمدہ یادگار چھوڑی ہے۔

(۴۱) حافظ ابن تیمیہؒ۔ ابو العباس احمدؒ بن عبد الحلیمؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) جو الحافظ المحدث المفسر العلامۃ المجتہد تھے۔ حنبلی المذہب تھے۔ نواب صدیق حسن خانؒ ان کو شیخ الحنابلۃ لکھتے ہیں۔ (الجنہ ص ۳۸)

قارئین کرام! اس بحر بے کراں کا کوئی ساحل ہی نہیں۔ اگر آپ کتب اسماء الرجال۔ طبقات المحدثین۔ طبقات الفقہاء، طبقات المؤرخین۔ طبقات المفسرین اور طبقات النحاۃ وغیرہ ملاحظہ کریں تو آپ کو جمہور اہل اسلام میں حضرات محدثین کرامؒ۔ فقہاء عظامؒ۔ مفسرین نیک انجامؒ، مؤرخین ذوالافہامؒ اور مصنفین کتب الرجال کے الاعلام سے کم از کم اٹھانوے ۹۸ فی صدی مقلد ہی نظر آئیں گے۔ ذرا آپ طبقات الشافعیہ الکبری علامہ سبکیؒ۔ طبقات الحنابلہ قاضی ابو یعلیؒ اور طبقات مالکیہ میں الدیباج المذہب لابن فرحونؒ اور طبقات حنفیہ میں "الجواہر المضیۃ" اور "الفوائد البہیہ" وغیرہ کا مطالعہ تو کیجئے۔ اور پھر آپ تقلید شخصی کو شرک اور مقلدین کو مشرک قرار دیجئے۔ کیا آپ کی جمہور اہل اسلام کو مشرک کہنے ہی سے خوشی ہو سکتی ہے؟ ہم علی وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ حضرات سلف و خلف میں تقلید شخصی نہ صرف یہ کہ رائج ہی تھی بلکہ بعض اس کی اشاعت اور وصیت بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ امام ابو اسماعیل عبد اللہؒ بن محمد الھرویؒ (المتوفی ۴۸۱ھ) کے ترجمہ میں ان الفاظ سے ان کی توصیف کرتے ہیں الامام الزاہد الحافظ شیخ الاسلام اور لکھتے ہیں کہ وہ علم لغت کے ماہر امام اور حافظ حدیث تھے اور کٹر حنبلی تھے اور ان کا یہ قول بھی علامہ ذہبیؒ نے نقل کیا ہے

انا حنبلي ما حييت وان امت
فوصيتي للناس ان يتحنبلوا
(تذکرہ ص ۳۵۴ ج ۴)

میں جب تک زندہ رہا تو حنبلی ہی رہوں گا۔ اور اگر میں مرجاؤں تو لوگوں کو میری یہی وصیت ہے کہ وہ حنبلی مذہب اختیار کریں۔

کیا ہم فریق ثانی سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ جب تقلید شخصی کفر شرک اور بدعت ہے اور اس کی ترویج خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے تو اہل اسلام کے نزدیک تقلید شخصی کرنے والا اور اس کی وصیت کرنے والا الامام الزاہد الحافظ اور شیخ الاسلام کیسے بن گیا؟ کیا کوئی مشرک اور بدعتی بھی شیخ الاسلام بن سکتا ہے؟ ذرا ہمت کر کے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کو شیخ الاسلام کہہ دیجئے پھر دیکھئے کہ مسلمان آپ کی کیا تواضع اور آپ سے کیا سلوک کرتے ہیں؟

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ

حافظ ابن عبد السلامؒ اور ان کے تلمیذ حافظ ابن دقیق العیدؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن سید الناسؒ اور ان کے شاگرد حافظ زین الدین العراقیؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کے شاگرد امام جلال الدین سیوطیؒ تمام اکابر شافعی المذہب تھے۔ (الجنۃ ص ۲۳)

فریق ثانی سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ حافظ ابن دقیق العیدؒ کی الامام اور عمدۃ الاحکام وغیرہ اور علامہ ابن سید الناسؒ کی شرح الترمذی اور امام عراقیؒ کا الفیۃ الحدیث اور حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری۔ بلوغ المرام۔ شرح نخبۃ الفکر۔ تقریب التہذیب۔ تہذیب التہذیب اور لسان المیزان وغیرہ بے شمار کتابوں اور امام سیوطیؒ کی تصنیف تفسیر جلالین۔ تفسیر اتقان اور تدریب الراوی وغیرہ لاتعداد کتابوں کو ہاتھ بھی نہ لگائیں۔ کیونکہ یہ تمام اکابر امام شافعیؒ کے مقلد تھے اور فریق ثانی تقلید شخصی کو شرک و بدعت کہتا ہے تو پھر مشرکین اور مبتدعین کی کتابوں پر کیا اعتماد اور بھروسہ ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ علوم اسلامیہ اور فنون متداولہ کی اکثر و بیشتر کتابیں مقلدین ہی کی تالیف کردہ ہیں۔ تو پھر اگر غیر مسلم یا ملحد قسم کے لوگ اسلامی کتب کے ذخیرہ پر اعتراض کریں اور انہیں ناقابل اعتبار ٹھہرائیں تو ان پر کیا گلہ ہو سکتا ہے؟ ؎

دوستوں سے ہم نے وہ صدمے اٹھائے جان پر — دشمنوں سے دشمنی کا سب گلہ جاتا رہا

حضرات مصنفین صحاح ستہ

حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ حضرت امام نسائیؒ حضرت امام داودؒ حضرت امام ترمذیؒ اور حضرت امام ابن ماجہؒ کے بارے کتابوں میں مختلف

قسم کے اقوال ملتے ہیں بعض حوالوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مقلد تھے اور انہی حوالوں سے مغالطہ کھا کر غیر مقلدین کے وکیل اعظم نے انہیں غیر مقلد لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو نتائج التقلید ص)

علامہ طاہرؒ بن صالح الجزائریؒ اپنی محقق کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر (المطبوع فی ۱۳۲۸ھ) میں لکھتے ہیں کہ

اما البخاریؒ وابوداؤدؒ فاماما ن فی الفقہ وکانا من اھل الاجتھاد واما مسلمؒ والترمذیؒ والنسائیؒ وابن ماجۃؒ وابن خزیمۃؒ وابو یعلیٰؒ والبزارؒ ونحوھم فھم علی مذھب اھل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد لبعینہ من العلماء ولا ھم من الائمۃ المجتھدین علی الاطلاق بل یمیلون الی قول ائمۃ الحدیث کالشافعیؒ واحمدؒ واسحاقؒ وابی عبیدؒ وامثالھم وھم الی مذاھب اھل الحجاز امیل منھم الی مذاھب اھل العراق۔ (توجیہ النظر ص۱۸۵)

حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ فقہ میں امام تھے اور دونوں اہل اجتہاد میں سے تھے اور حضرت امام مسلمؒ حضرت امام ترمذیؒ حضرت امام نسائیؒ حضرت امام ابن ماجہؒ حضرت امام ابن خزیمہؒ حضرت امام ابو یعلیٰؒ حضرت امام بزارؒ اور ان جیسے اور حضرات، حضرات محدثینؒ کے مذہب پر تھے علماء میں سے کسی ایک کے متعین طور پر مقلد نہ تھے بلکہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمدؒ حضرت امام اسحاقؒ، حضرت امام ابوعبیدؒ اور ان جیسے حضرت محدثین کرامؒ کے اقوال کی طرف میلان کرتے تھے اور بہ نسبت حضرات فقہاء اہل عراقؒ کے مذاہب کے یہ حضرات مذاہب اہل حجازؒ کی طرف زیادہ مائل تھے۔

باقی حضرات کا مجتہد منتسب ہونا تو اس عبارت میں واضح ہے کہ وہ مطلق مجتہد نہ تھے۔ بلکہ منتسب تھے البتہ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ کے بارے فرماتے ہیں کہ وہ دونوں من اہل الاجتہاد تھے اگر مراد یہ ہو کہ یہ حضرات مجتہد منتسب ہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت امام ابوداؤد اور حضرت امام ترمذیؒ کے بارے فرماتے ہیں کہ

اما ابوداؤدؒ والترمذیؒ فھما مجتھدان منتسبان الی احمدؒ واسحاقؒ (الانصاف ص۷۹)

حضرت امام ابوداؤدؒ اور حضرت امام ترمذیؒ حضرت امام احمدؒ اور حضرت امام اسحاقؒ کی طرف مجتہد منتسب ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مجتہد تو تھے لیکن مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب تھے اور اگر مراد یہ ہو کہ وہ مجتہد مطلق تھے تو درست نہیں کیونکہ اگر حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ مجتہد مطلق ہوتے تو کتب فقہ میں جہاں دیگر حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے فقہی اقوال نقل ہیں ان کے اقوال بھی نقل ہوتے۔ حالانکہ کتب فقہ ان کے فقہی اقوال سے بالکل خالی ہیں۔ حضرت امام ترمذیؒ اپنے استاد امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ سے حدیث کی تصحیح و تضعیف اور رواۃ کی توثیق و تضعیف تو نقل کرتے ہیں لیکن کہیں بھی انہوں نے فقہی مذہب اور مسلک کے طور پر ان کا قول ترمذی شریف میں نقل نہیں کیا جب کہ حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے علاوہ دیگر کمتر درجہ کے حضرات فقہاء کرامؒ کے اقوال اور مذاہب بھی انہوں نے نقل کیے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل اور کھلا قرینہ ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب تھے رہا ان کا مجتہد اور فقیہ ہونا تو اس کا کوئی منکر نہیں حضرات علماء کرام کے ہاں یہ مقولہ شہرت کا درجہ رکھتا ہے۔ فقہ البخاری فی الابواب والتراجم کہ حضرت امام بخاریؒ کی فقہ بخاری شریف کے ابواب و تراجم میں ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

ومن هذا القبيل محمد بن اسماعيل البخاری فانه معدود فی طبقات الشافعية وممن ذكره فی طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكیؒ (الی ان قال) وكلام النووی الذی ذكرناه شاهد له (انصاف ص۷۴)

اور اسی طرح حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور جن حضرات نے انہیں طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے ان میں امام تاج الدین سبکیؒ بھی ہیں (پھر فرمایا کہ) حضرت امام نوویؒ کا کلام جو ہم نے ذکر کیا ہے اس امر کا شاہد ہے۔

امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۲ ص۲ تا ص۱۹ میں حضرت امام بخاریؒ کے تفصیلی حالات بیان کیے ہیں اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ بھی حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام نسائیؒ حضرت امام ابوداؤدؒ کو شوافع کی فہرست میں داخل کرتے ہیں (ابجد العلوم قسم ثالث ص۲۸۱) حضرت امام بخاریؒ وہ بزرگ ہیں جن کے دو رسالوں جزء رفع الیدین اور جزء القراءۃ پر فریق ثانی کی دو اختلافی مسائل میں گاڑی چلتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ حضرت امام بخاریؒ بھی مقلد ہی ثابت ہو گئے۔ ع

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

حضرت امام نسائیؒ کو علامہ سبکیؒ طبقات شافعیہ میں درج کرتے ہیں (ملاحظہ ہو طبقات ص ۸۳/۲)
اور حضرت امام ابوداؤدؒ کے بارے فرماتے ہیں کہ

قال شیخنا الذهبی رحمه الله تعالیٰ	ہمارے شیخ علامہ ذہبیؒ نے فرمایا کہ حضرت امام ابوداؤدؒ
تفقه ابوداؤد باحمدؒ بن حنبلؒ	نے حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ سے فقہ حاصل کی اور مدت
ولازمه مدة (طبقات ص ۴۹/۲)	تک ان کی خدمت میں رہے۔

حافظ ابن القیمؒ بھی حضرت امام ابوداؤدؒ کو حنبلی لکھتے ہیں (اعلام الموقعین ص ۲۳۶/۱ طبع ہند) اور علامہ اسماعیل پاشا بغدادیؒ بھی حضرت امام ابوداؤدؒ کو حنبلی لکھتے ہیں (ہدیۃ العارفین ص ۳۹۵/۱) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے حضرت امام نسائیؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ کے حنبلی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (مقدمہ فیض الباری ص ۵۸) اور فرماتے ہیں کہ حق بھی یہی ہے (العرف الشذی ص ۲) یہ حضرات شافعی ہوں یا حنبلی بہرحال ہیں تو مقلد ہی۔ امام اسحاقؒ بن ابراہیمؒ بن راہویہؒ (المتوفی ۲۳۷ھ) کو امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے (طبقات ص ۲۳۲/۱) اور مقدمہ فیض الباری ص ۵۸ میں حنفی بتایا ہے۔ حضرت امام دارقطنیؒ (ابوالحسن علیؒ بن عمرؒ المتوفی ۳۸۵ھ) بھی شافعی المذہب تھے (طبقات ص ۳۱۱/۲) اسی طرح حضرت امام بیہقیؒ، صاحب مشکوٰۃ الشیخ ولی الدین ابوعبداللہؒ محمد بن عبداللہ الخطیبؒ (رسالِ اختتام۔ تالیف ۷۳۷) اور مولف بلوغ المرام حافظ ابن حجرؒ سب شافعی المذہب تھے کما مرّ۔

کتب تفسیر اکثر اور متداول کتب تفسیر بھی مقلدین ہی کی ہیں مثلاً تفسیر بیضاوی۔ البحر المحیط۔ معالم التنزیل۔ خازن ابن کثیر، تفسیر کبیر وغیرہ شوافع کی ہیں تفسیر احکام القرآن للجصاصؒ۔ تفسیر مدارک۔ ابوالسعود، روح المعانی اور مظہری وغیرہ احناف کی ہیں وعلیٰ ہذا القیاس تفسیر وغیرہ دیگر اسلامی علوم وفنون میں اکثر تصانیف مقلدین کی ہیں اگر تقلید شخصی کے مرتکب مشرک اور مبتدع ہیں تو ان کی تالیف کردہ کتابوں سے کلیۃً دست برداری کرنا پڑیگی۔ کیونکہ مشرک و مبتدع کی نہ تو شرعاً نقل اور بات معتبر ہے اور نہ جرح وتعدیل۔ غیر مقلدین حضرات کو پھر تو صرف داؤد بن علیؒ ابن برہانؒ۔ ابن حزمؒ وزیر یمانیؒ امیر یمانیؒ اور قاضی شوکانیؒ وغیرہ کی کتابوں پر ہی اکتفا کرنا پڑے گی۔ مگر مقلدین حضرات کی کتابوں پر بے اعتمادی کے اظہار کے باوجود بھی ان سے چھٹکارا نہیں ہو سکے گا۔ ۔۔

اگر تم طیش میں آکر مرا خط پھاڑ ڈالو گے
تمہارے پاؤں چومیں گے میری تحریر کے ٹکڑے

باب پنجم

حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید پر اعتراض

فریق ثانی کا بزعم خویش وزنی اور مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور علی الخصوص حضرات خلفاء راشدینؓ کا علم یقیناً حضرات ائمہ اربعہؒ سے زیادہ تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ کی تقلید نہیں کی جاتی؟ اور لوگ ابوبکری اور عمری وغیرہ کیوں نہیں کہلاتے؟ اور حنفی اور شافعی وغیرہ کیوں بن گئے؟ جب یہ چاروں حضرات ائمہ کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں نہ تھے تو کیوں نہ ہو کہ وہی چیز لی جائے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں تھی اور ان کی تقلید کیوں نہ کی جائے جب کہ حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدینؓ (الحدیث) اور حدیث ما انا علیہ واصحابی اس کی واضح مؤید ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی تقلید نہیں کی جاتی اور حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید ضروری ٹھہرائی جاتی ہے؟

الجواب: یہ اعتراض آج کی پیداوار نہیں بلکہ یہ بہت پرانا ہے اور یہ ایک رافضی کی پٹاری سے سرقہ کیا گیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اس کو یوں نقل کرتے ہیں۔

قال الرافضی ذهب الجميع منهم الى القول بالقياس والاخذ بالرأى فادخلوا فى دين الله تعالىٰ ماليس منه وحرّفوا احكام الشريعة واتخذوا مذاهب اربعة لم تكن فى زمن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا زمن الصحابةؓ واهملوا اقاويل الصحابةؓ مع انهم

رافضی نے کہا کہ تمام مقلدین قیاس کے قائل ہیں اور رائے کو لیتے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں وہ کچھ داخل کر دیا جو دین میں سے نہیں اور انہوں نے شریعت کے احکام بدل ڈالے اور چار مذاہب بنا لیے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال ان مقلدین نے ترک کر دیے حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تصریح کی ہے اور یہ کہا

نصوا علی ترک القیاس وقالوا اول من قاس ابلیس الخ (منہاج السنۃ ج۲ ص۸۹ طبع بولاق) ہے کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا

ہم نے حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں اس سوال اور اعتراض کے موجد کی نشاندہی کی ہے اور یہ ایک طویل اعتراض ہے جس میں رافضی کے اعتراض کی یہ شق بھی ہے کہ تم ابوبکری اور عمری وغیرہ کیوں نہیں کہلاتے حنفی اور شافعی وغیرہ کیوں بنتے ہو (الی آخر ما قال) اس طویل اعتراض کو نقل کر کے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کے بخیے اُدھیڑے ہیں اور فضاءِ آسمانی میں اس کی دھجیاں بکھیری ہیں کہ معترضین کا سارا کنبہ جمع ہو کر بھی رفو نہ کر سکے ہم نہایت ہی اختصار سے ان کے جواب کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرات ائمہ اربعہؒ کے مسائل وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نقل در نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

(۲) مذاہب اربعہ کی کتابوں کو دیکھئے کہ وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال سے باقاعدہ استدلال کرتے ہیں اور ان کو وہ اپنے لیے حجت سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

(۳) باقی ابوبکری و عمری وغیرہ اس لیے نہیں کہتے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ نے دینی مسائل کتب کی شکل میں جمع نہیں کیے بخلاف حضرات ائمہ اربعہؒ کے کہ خود انہوں نے یا ان کے لائق اور معتبر تلامذہ نے ان کے بیان کردہ مسائل جمع کیے ہیں اس لیے مسائل کی نسبت حضرات ائمہ اربعہؒ کی طرف ہوئی اور ان مسائل میں لوگوں نے ان کی پیروی اور تقلید کی اور حنفی و شافعی وغیرہ کہلائے۔

(۴) جس طرح صحیح بخاری، مسلم، اور ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ وغیرہ نے مرتب اور مدون کی ہیں اور کمال فراست اور پوری دیانت کے ساتھ ان میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کی ہیں اس لیے ان کتب کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے نہ اس لیے کہ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اور اختراع کردہ باتیں ہیں جیسے صحیح بخاری کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں درج کردہ حدیثیں حضرت امام بخاریؒ کے اپنے اقوال بن جائیں حدیثیں نہ رہیں اسی طرح حضرات ائمہ اربعہؒ کی طرف مسائل کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار نہ رہیں اور حقیقت بدل کر کوئی اور چیز بن جائے تو جس طرح صحیح بخاری کی نسبت حضرت امام بخاریؒ کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس میں حدیثیں جمع کرنے میں ان کو (سولہ) برس

کی محنت شاقہ کرنا پڑی ہے اسی طرح فقہ کی جمع و تدوین میں چونکہ حضرات ائمہ اربعہؒ (وغیرہم) نے بے حد کاوش اور بڑی کوشش کی ہے اس وجہ سے نسبت ان کی طرف ہوئی نہ اس لیے کہ یہ ان کی اپنی ایجاد و اختراع ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ یہ قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔

(۵) یا جیسے حضرت امام حفصؒ کی قرأت (جو ہندوستان میں رائج ہے) یا ابن کثیرؒ اور امام نافعؒ وغیرہ قراء حضرات کی قرأت ان کی اپنی ایجاد نہیں بلکہ ان (سات مشہور قاریوں) کی قرأت خود صحیح حدیث (انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف) اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نقل ہوتی چلی آتی ہے ان حضرات قراءؒ کی طرف قرأت کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ان کی اپنی ایجاد ہو اسی طرح فقہ کی نسبت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضرات ائمہ اربعہؒ کی ایجاد ہو اور پہلوں سے منقول اور ماخوذ نہ ہو۔

(۶) رافضی کی مراد حضرات ائمہ اربعہؒ کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ ہونے سے اگر یہ ہے کہ ان کے مسائل وہ نہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے بیان کردہ مسائل تھے تو یہ رافضی کا خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ حضرات ائمہ اربعہؒ اور مذاہب اربعہ کی کتابیں احادیث اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے پُر ہیں اور اگر رافضی کی مراد یہ ہے کہ یہ حضرات بنفس نفیس اُس مبارک زمانہ میں نہ تھے تو بجا ہے اس میں کیا مضائقہ ہے؟ آخر دنیا گذشتی اور گذاشتی ہے۔ جیسے حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ حضرت امام ابوداؤدؒ حضرت امام حفصؒ حضرت امام نافعؒ اور حضرت امام ابن کثیرؒ وغیرہ بھی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں نہ تھے ان کے تاخر زمانی کی وجہ سے نہ تو حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی خرابی واقع ہو سکتی ہے اور نہ قرآن کریم کی قرأت میں کوئی خلل پیدا ہو سکتا ہے۔

(۷) جیسے مثلاً قرأت امام حفصؒ کہنے سے قرآن کریم نہیں بدل جاتا یا مثلاً احادیث صحیح بخاری کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے حدیث کا وجود تیسری صدی کی پیداوار نہیں ہو جاتا تو اسی طرح فقہ کا معاملہ بھی سمجھیں کہ کسی فقیہ اور مجتہد کی طرف نسبت سے وہ اس کی ذاتی اختراع نہیں بن جاتی۔

(۸) جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ حضرات محدثین کرامؒ نے اپنی خداداد قابلیت اور فراست سے بعض احادیث کی تصحیح (یا تضعیف)، کی جن کی صحت (یا ضعف) صراحۃً نہ تو انہوں نے اپنے اساتذہ کرام سے سُنی اور نہ دیگر اہل علم سے۔ اسی طرح حضرات فقہاء کرامؒ نے بھی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت سے مسائل استنباط کیے جن میں ان سے پہلے کسی نے بھی لب کشائی نہیں کی تو جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ

محدثین کرامؒ تصحیح (یا تضعیف) حدیث میں قابل مذمت نہیں اسی طرح حضرات فقہاء کرامؒ بھی فقہی جزئیات کے استخراج واستنباط میں قابل ملامت نہیں ہیں (محصلہ منہاج السنۃ ص۹۰، ۹۱ ج۲ طبع بولاق مصر)

قارئین کرام! حافظ ابن تیمیہؒ کا اصولی جواب آپ نے سن لیا اگرچہ تعبیر اور قدرے تشریح کے ساتھ الفاظ ان کے نہیں لیکن مفہوم سب انہی کا ہے جس سے رافضی اور اس کے چیلوں کے لایعنی اعتراض کی تمام شقوں کی خوب قلعی کھلتی ہے ؎ قاصدا تیرے بیان سے دل ایسا تھم گیا۔ گویا کسی نے رکھ دیا سینے پر اک ہاتھ

اول من قاس ابلیس کی حقیقت

رافضی نے قول اول من قاس ابلیس کے جملہ کو حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض غیر مقلدین حضرات بھی اس سے تقلید کی تردید میں استدلال کیا کرتے ہیں حالانکہ نہ تو یہ حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا قول ہے۔ یہ حضرت امام جعفر صادقؒ (المتوفی ۱۴۸ھ) کا قول ہے دراسات اللبیب ص۲۴۷ طبع قدیم) اور مسند دارمی ص۳۶ طبع ہند میں۔ حضرت محمدؒ بن سیرینؒ اور مطرؒ سے بھی منقول ہے تو ایسے اہم مسئلہ (یعنی مقلدین کے مشرک بدعتی اور گمراہ کرنے کے سلسلہ میں آثار تابعینؒ سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور ان کا اس مد میں کیا اعتبار ہے؟ اور اگر یہ قول درست بھی ثابت ہو جائے تب بھی مقلدین پر اس کی کوئی زد نہیں پڑتی اس لیے کہ اس قیاس سے نص کے مقابلہ میں قیاس مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس لعین کو بھی اِذْ اَمَرْتُکَ کے الفاظ سے سجدہ کرنے کا تھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے اس صریح حکم کے مقابلہ میں اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ سے قیاس فاسد کر کے خود کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر سمجھا اور ایسے قیاس کے باطل۔ فاسد اور مردود ہونے میں کیا شک اور شبہ ہو سکتا ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو، بلکہ اگر فریق ثانی کے ذہن کو مستعار لے کر یوں استدلال کیا جائے کہ پہلا غیر مقلد ہی ابلیس لعین تھا تو زیادہ قرین قیاس ہے وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی اور ابلیس لعین کو بھی حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں تو فرشتوں نے بلا قیل وقال اور بلا طلب دلیل اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں فوراً سجدہ کیا اور وہ مطیع و فرمانبردار اور مقلد ٹھہرے مگر ابلیس لعین اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین اور اعتماد کو ترک کر کے طالب دلیل ہوا اور یوں گویا ہوا۔ اَرَءَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ الآیۃ (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ۷) بھلا دیکھ تو یہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا؟ اور اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ یہ بحث موجود ہے کہ تقلید واتباع

کا ایک ہی معنیٰ ہے اور ابلیس لعین مخلوق میں پہلا فرد ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے حق حکم پر اعتماد نہ کیا اور اتباع و تقلید امر سے گریز کیا اور پھر نص کے مقابلہ میں قیاس کی ٹھان لی اور ترکِ تقلید کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا کیا خوب ہے

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیّاد آگیا

محمود و مذموم رائے

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نہ تو ہر رائے مقبول و محمود ہے اور نہ ہر رائے مردود و مذموم ہے جو رائے نصوص کے موافق اور اُن سے ماخوذ ہے وہ محمود و مقبول ہے اور جو رائے نصوص کے خلاف ہو اور نصوص اس کے ابطال پر شاہد ہوں تو وہ رائے مذموم و مردود ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے بھی محمود رائے اور قیاسِ صحیح کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

باب من شبّه اصلا معلوما باصلٍ مُبیَّنٍ الخ (بخاری ص۱۰۸۸ ج۲)

باب اُس شخص کے بارے میں جس نے اصل معلوم (یعنی مقیس) کو اصل مُبیَّن (یعنی مقیس علیہ) کے ساتھ تشبیہ دی۔

یعنی یہ باب اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک قیاس صحیح ہے جو ان شرائط پر مشتمل ہو جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور دوسرا قیاس فاسد ہے جو اس کے خلاف ہو اور وہی مذموم ہے باقی قیاس میں کوئی مذمت نہیں بلکہ وہ مامور بہ ہے (فتح الباری ص۵۹ ج۱۳ و عمدۃ القاری ص۵ ج۲۵) اور مذموم کے بارے لکھتے ہیں باب ما یذکر من ذم الرای و تکلف القیاس الخ (ص۱۰۸۶ ج۲) یعنی وہ رائے جو کتاب و سنت اور اجماع کے اصل پر مبنی نہ ہو تو وہ مذموم ہے رہی وہ رائے جو ان تینوں اصول پر مبنی ہو تو وہ محمود ہے اور اور اسی کا نام اجتہاد ہے (فتح الباری ص۲۴۳ ج۱۳ و عمدۃ القاری ص۴۳ ج۲۵)

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ

فان الرأی رأیان رای یوافق النصوص وتشهد له بالصحة والاعتبار وهو الذی اعتبره السلف وعملوا به ورأی یخالف النصوص وتشهد له بالابطال والاهدار فهو الذی ذمّوه وانکروه

(اغاثة اللهفان ص۳۳۹ ج۱ طبع مصر)

رائے کی دو قسمیں ہیں ایک وہ رائے ہے جو نصوص کے موافق ہو اور نصوص اس کی صحت اور معتبر ہونے کی شہادت دیں تو وہ رائے حضرات سلفؒ کے ہاں معتبر اور معمول بہ ہے اور دوسری وہ رائے ہے جو نصوص کے مخالف ہو اور نصوص اس کے باطل اور لغو و ساقط ہونے کی شہادت دیں تو اس رائے کی حضرات سلفؒ نے مذمت اور انکار کیا ہے۔

عالم اسباب میں دین کے بارے دونوں طبقوں کی اشد ضرورت ہے

دین سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بھی عالم اسباب میں حضرات محدثین کرامؒ اور حضرات فقہاء عظامؒ سے مستغنی نہیں ہو سکتا ایک طبقہ نے اگر مغز کی حفاظت کے لیے چھلکا کی حفاظت کی ہے تو دوسرے نے مغز کی نگرانی کی ہے اور اگر ایک طبقہ نے راستہ کی چوکیداری کی ہے تو دوسرا طبقہ منزل کا پہرہ دار ہے اگر ایک طبقہ نے مکان کی رکھوالی کی ہے تو دوسرے نے اس کے اندر قیمتی خزانہ کو محفوظ رکھا ہے غرضیکہ سند اور متن روایت اور درایت اور لفظ و معنی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور عالم اسباب میں ان حضرات کا امت مرحومہ پر بڑا احسان ہے حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال نیز توحید (و رسالت) اور امر و نہی وغیرہ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت میں سے کچھ ایسے افراد منتخب کیے ہیں جو امت کے لیے ان احکام کی حفاظت کرتے رہے اور بعد کو آنے والے اُن کے تابع اور مقلد ہیں اسی طرح (فقہی) احکام میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے مجتہد چُن لیے ہیں جو امت کے لیے اجتہاد کے ذریعہ احکام پہنچاتے رہے ہیں اور بعد کو آنے والے لوگ ان کے تابع اور مقلد ہیں۔

(منہاج السنۃ ص ۱۱۳ ج ۴ طبع بولاق)

اور نیز موصوفؒ انہیں دو گروہوں کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ۔ اہل اسلام کے حضرات ائمہ کرامؒ عام مسلمانوں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان وسائل ہیں اور یہ بزرگ چراغ راہ کا کام دیتے ہیں جن کے ذریعہ سے دین کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے آگے حضرات فقہاء کرامؒ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

ویفہمونہم مرادہ بحسب اجتہادہم واستطاعتہم الخ (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ص ۲۰۲ ج ۲ طبع بولاق)

وہ عام مسلمانوں کو اپنے اجتہاد اور طاقت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی (احادیث کی) مراد بتلاتے ہیں۔

ہم عالم اسباب میں دونوں طبقوں کے محتاج ہیں وہ ہمارے مخدوم اور ہم ان کے خوشہ چین اور خادم ہیں اور ان کی تقلید اور اتباع ہی کی بدولت قرآن و حدیث اور دین کی تہ تک رسائی ہو سکتی ہے جو صحیح معنی میں اُن کا محب ہے وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی محب ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کا بھی مخالف ہے۔ ؎

عدو ہوں اس کے دشمن کا موافق اس کے اپنوں کا
بٹھائے جس کو اپنے پاس لیلیٰ اس کا شیدا ہوں

باب ششم

خود کو پہچانیئے

غیر مقلدین حضرات۔ مقلّدین کو تو زور دار الفاظ میں کوستے اور یہ طعن دیتے ہیں کہ وہ تقلید کر کے چوتھی صدی سے بعد کی ایجاد کردہ بدعت کے مرتکب ہیں لیکن اپنا نانا بابا بنگالی کی اور ظاہر کرنیکی مطلقاً زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ انکے وجُود باجُود کا ورود کب ہوا ہے؟ ہم یہاں تفصیل میں نہیں پڑتے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب طائفۂ منصورہ میں اس پر باحوالہ سیر حاصل بحث کر دی ہے وہیں ملاحظہ کریں یہاں صرف مختصر سا خلاصہ عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

علماء کلکتہ نے غیر مقلدین کے خلاف ایک رسالہ ترتیب دیا جس کا نام جناب حاجی عبداللہ صاحبؒ نے تنبیہ الضالین رکھا اس میں ص۶۸ میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ کے فتویٰ کا ذکر بھی ہے اور یہ مولانا عبدالخالق صاحبؒ المتوفی ۱۲۶۲ھ در دہلی۔ ملاحظہ ہو، الحیات بعد الممات ص۳۷۔ حضرت مولانا سیّد نذیر حسین صاحبؒ کے استاد تھے نتائج التقلید ص۱۴، والحیات بعد الممات ص۳۷ وحاشیہ مذہب اہل السنّت والجماعت ص۲۷ از مولانا کاندھلوی صدیقی۔ اس میں تصریح ہے کہ:۔

سو بانی مبانی اس فرقۂ نواحداث کا عبدالحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المؤمنین (سیّد احمد صاحب بریلوی الحنفیؒ المتوفی ۱۲۴۶ھ شہیدؒ) نے ایسی ہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا اور علماء حرمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا مگر کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا (الی قولہ) اپنے تئیں خلیفہ امیر المؤمنین کے مشہور کر کے لوگوں کو اپنے عقائد سے بتدریج مطلع کیا اھ۔

(تنبیہ الضالین ص۲ بر حاشیہ نظام الاسلام طبع خورشید عالم لاہور)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ

اور ان کا مذہب اکثر باتوں میں روافض کے مذہب سے ملتا ہے جیسا روافض پہلے رفع یدین اور آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام کے مسئلے امام شافعیؒ کی دلیلوں سے ثابت اور ترجیح دے کر عوام کو خصوصاً حنفی مذہب والے کو شبہ میں ڈالتے ہیں پھر جب یہ بات خوب اپنے معتقدوں کے ذہن نشین کر چکے تب آگے اور

مسئلوں میں متشکّی اور متردد بناتے ہیں (ص۵)

اور پھر لکھا ہے کہ

اور وہ لوگ آپ کو محمدی اور دوسرے مذہب والوں کو ناقص محمدی اور بدعتی کہتے ہیں (ص۳۲)

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ محدث ابن شاہینؒ نے اپنے کو محمدی المذہب کہا تھا انکی تقلید اور پیروی کرتے ہوئے اِس دَور میں اس فرقہ کے بانی نے محمدی نام تجویز کیا۔

اور پھر لکھا ہے کہ

اور چاروں مذہب کے حق ہونے پر انکار رکھتا ہے اور علماء کے اجماع کو خلاف جانتا ہے اور چاروں اماموں کی تقلید کو بدعت کہتا ہے۔ (ص۳۳)

اور مزید لکھا ہے کہ

لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں اور حقیقت میں محمدیوں کے خلاف ہیں (ص۱۳۰)

اور مولانا وجیہہ الدین کلکتویؒ فرماتے ہیں کہ:

فرقۂ گمراہ کہ جو منکر تقلید ائمہؒ کے ہیں اور نیا طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں (نظام اسلام ص۱۲۹)

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ کے شاگرد قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ پانی پتی لکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق بنارسی ربانیٔ فتنۂ غیر مقلدیت نے برملا کہا کہ عائشہؓ علیؓ سے لڑی اگر توبہ نہ کی مرتد مری اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہؓ کا علم ہم سے کم تھا ان کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں۔

(کشف الحجاب ص۲۱۔ بحوالہ ترک تقلید ص۱۱ از مولانا بشیر احمد صاحب قادری)

۱۲۵۴ھ میں اس گمراہ فرقہ کے خلاف متعدد علماء حق نے بڑے سخت فتوے دیے (ملاحظہ ہو تنبیہ الضالین ص۳۱ وغیرہ) جن میں خصوصیت سے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور مولانا مفتی صدر الدین خان بہادر دہلویؒ (استاد نواب صدیق حسن خان صاحبؒ۔ دیکھئے الحظ ص۳۲) اور مولانا عبدالخالق صاحبؒ۔ قابلِ ذکر ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم مرزا حیرت دہلویؒ کافی بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ اب میں مفصلۂ ذیل یوربینس کی کتابوں سے مولانا شہیدؒ اور سید صاحبؒ اور محمدی مذہب جسے غلطی سے وہابیہ سے پکارا گیا اس کی نسبت کچھ طویل آرائے کا خلاصہ کرتا ہوں (حیات طیبہ ص۲۲۹)

اور پھر اسی صفحہ میں لکھا کہ۔ اور خواہ مخواہ بیچارے محمدیوں کو خوفناک صورت میں دکھایا ہے الخ

جناب حافظ اسلم صاحب جیراجپوری جو پہلے غیر مقلد تھے پھر منکر حدیث ہو گئے (چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ والد مولانا سلامت اللہ صاحبؒ اگرچہ خالص اہلحدیث تھے مگر ان میں تعصب مطلق نہ تھا۔ نوادرات صـ۲۷۱۔ اور مزید لکھتے ہیں کہ ہمارا گھر مقامی اور بیرونی علماء اہلحدیث کا مرجع تھا۔ نوادرات صـ۲۴۴۔ اور لکھتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک فقہ کی دینی اہمیت نہیں ہے اس کی تعلیم محض اتمام نصاب کے لیے دی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل سے ہماری روح بغاوت کرتی تھی۔ نوادرات صـ۲۵۲) لکھتے ہیں کہ پہلے اس جماعت نے اپنا کوئی خاص نام نہیں رکھا تھا۔ مولانا شہیدؒ کے بعد جب مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے وہابی کہنا شروع کیا تو وہ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے پھر اس کو چھوڑ کر اہلحدیث کا لقب اختیار کیا جو آج تک چلا جاتا ہے (نوادرات صـ۳۴۳) ان سب ٹھوس حوالوں سے ثابت ہوا کہ یہ فرقہ ۱۲۴۶ھ کے بعد کی پیدائش اور بالکل نئی بدعت ہے پہلے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہلاتے تھے اور لوگ ان کو وہابی کہتے تھے لیکن بعد کو کمال ہوشیاری اور سرکاری نوازش سے اہلحدیث بن گئے۔

مولانا محمد علی صاحب الصدیقی لکھتے ہیں کہ

نواب (صدیق حسن خان) صاحبؒ نے عبدالحق بنارسی سے ۱۲۸۵ھ میں جب مکہ میں حج کو گئے اجازت لی اجازت نامہ میں اپنے نام کے ساتھ محمدی لکھا یہی پہلا نام تھا اہلحدیث مولانا السید نذیر حسین (صاحبؒ) کا رکھا ہوا ہے (حاشیہ مذہب اہل سنت والجماعت صـ۳۶)

علامہ سید سلیمان ندویؒ (المتوفی ۱۳۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

ہندوستان میں اہلحدیث کے نام سے تحریک سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ سے شروع ہوئی الخ (حیات شبلی حاشیہ جلد اول صـ۳۰۸)

جناب محقق ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب صاحب قادریؒ (المتوفی ۱۹ صفر ۱۴۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ۔

مولوی محمد حسین (م ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں وہابی کے بجائے اہلحدیث لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ۱۲۹۲ھ میں لکھا انگریزی اور عربی میں اس کے ترجمے ہوئے اھ (حاشیہ جنگ آزادی صـ۶۴)

مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ۔

اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے جماعت اہلحدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اھ (ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص۲۱۲)

غیر مقلد عالم مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی لکھتے ہیں کہ

(مولوی محمد حسین بٹالوی نے) اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا ... (آپ نے) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔

(سیرت ثنائی ص۳۷۲ از مولانا عبدالمجید خادم سوہدری گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء)

اور حافظ اسلم صاحب لکھتے ہیں کہ

نواب صدیق حسن خان نے بھوپال سے اس تحریک کی مالی اور علمی امداد کی جس سے اس کو عظیم الشان تقویت پہنچی بلفظہ (نوادرات ص۳۴۳)

یہ ہے ہندوستان میں غیر مقلدین اور نام نہاد اہلحدیث کی مختصر سی کہانی کہ اس فرقہ کا بانی حضرت سیّد احمد بریلویؒ کی مبارک اور مجاہدانہ مجلس سے راندہ ہوا عبدالحق بنارسی تھا لوگوں میں یہ فرقہ وہابی کے لفظ سے موسوم تھا لیکن وہ اپنے کو محمدی کہلاتا رہا پھر سعی بلیغ کر کے یہ فرقہ اہلحدیث بنا اور جہاد کی منسوخیت کی کتاب لکھ کر سرکار برطانیہ سے انعام اور جاگیر بھی پائی اور اس کے صلہ میں سرکاری کاغذات اور دفاتر سے لفظ وہابی منسوخ کرا کے اہلحدیث کا حکم صادر کرایا مگر صد حیرت ہے کہ یہ فرقہ مقلدین حضرات کو چوتھی صدی کے بعد کی بدعت کا طعنہ دیتا ہے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکنے کی ذرہ بھر تکلیف نہیں کرتا ہے

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر   دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

لفظ اہلحدیث پر غاصبانہ قبضہ

کتب حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، شروح حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال وغیرہا میں صدیوں سے اہلحدیث اور اصحاب الحدیث کا جملہ نقل در نقل ہوتا چلا آرہا ہے جو علم حدیث کی سنداً و متناً خدمت کرنے والوں پر اور بالفاظ دیگر حضرات محدثین کرام پر بولا جاتا ہے۔ عام اس سے وہ حنفی ہوں یا مالکی شافعی ہوں یا حنبلی وغیرہ مگر زمانۂ حال کے غیر مقلدین حضرات نے لفظ اہلحدیث صرف اپنے ہی لیے سرکار برطانیہ سے الاٹ کرا لیا ہے، اور عوام کو یہ دھوکہ

دیتے ہیں کہ ہم وہی اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہیں جن کا ذکر کتابوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ مگر چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔ کہاں صحیح معنیٰ میں اہل حدیث اور کہاں نام نہاد اہل حدیث؟ اس کو آپ اسی طرح سمجھیے جس طرح کہ اسرائیل فلسطینیوں کو ان کے جدی پشتی گھروں سے بے دخل کر کے ان کے گھروں پر قابض ہے اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی کیمپوں میں رہتے اور دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور اسرائیل دندناتا پھر رہا ہے کہ فلسطین ہمارا ہے اور اصل باشندوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتا یہی حال نام نہاد اہلحدیث کا ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے ٹھوس حوالوں سے اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کا مطلب اور مفہوم طائفۂ منصورہ میں بڑی وضاحت سے عرض کر دیا ہے اس کی طرف ضرور مراجعت کریں۔ تاکہ حقیقت حال بالکل نمایاں ہو جائے اور فریق ثانی کی سینہ زوری بھی عیاں ہو جائے کہ وہ کیا کہتا اور کرتا ہے؟ ؎

جبر اتنا تو میرے حال پر صیاد نہ کر فسخ بھی کرتا ہے اور کہتا ہے فریاد نہ کر

ہندوستان میں علماء احناف کی خدمت حدیث

علماء احناف نے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے جس طرح قرآن کریم اور علوم قرآن اور فقہ کی خدمت کی ہے اسی طرح انہوں نے ہر دور اور ہر ملک میں بڑھ چڑھ کر حدیث کی بھی خدمت کی ہے تاریخ اور کتب اسماء الرجال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا کوئی بھی ان کی اس خوبی کا انکار نہیں کر سکتا باقی ضدی اور متعصب کا اس جہان میں کوئی علاج نہیں ہے چونکہ فریق ثانی کے بعض دوست اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہندوستان میں علم حدیث ان کے ذریعے ہی پھیلا ہے جب کہ علماء احناف صرف فقہ کے ناشر رہے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے اپنے گھر کا حوالہ عرض کر دیا جائے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (المتوفی ۱۳۷۵ھ) اپنی مشہور کتاب تاریخ اہل حدیث حصہ سوم میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں علم و عمل بالحدیث اور اس کے تحت یہ نام درج کرتے ہیں۔

(۱) شیخ رضی الدین صغانی لاہوریؒ (المتوفی ۶۵۰ھ)

(۲) 〃 علی متقی جونپوریؒ (المتوفی ۹۷۵ھ)

(۳) 〃 محمد طاہر گجراتیؒ (گجرات کاٹھیاوار) (المتوفی ۹۸۶ھ)

(۴) 〃 عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ)

(۵) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ)

(۶) " نور الحقؒ (" ۱۰۷۳ھ)

(۷) سید مبارک محدّث بلگرامیؒ (" ۱۱۱۵ھ)

(۸) شیخ نور الدین احمد آبادیؒ (" ۱۱۵۵ھ)

(۹) میر عبد الجلیل بلگرامیؒ (" ۱۱۳۸ھ)

(۱۰) حاجی محمد^ل^ افضل سیالکوٹیؒ (" ۱۱۴۶ھ)

(۱۱) حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ (" ۱۱۹۵ھ)

(۱۲) امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (" ۱۱۷۶ھ)

(۱۳) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ (" ۱۲۳۹ھ)

(۱۴) " " رفیع الدین صاحب دہلویؒ (" ۱۲۳۳ھ)

(۱۵) " " عبد القادر صاحب دہلویؒ (" ۱۲۳۰ھ)

(۱۶) " " محمد اسماعیل شہیدؒ (" ۱۲۴۶ھ)

(۱۷) استاد الآفاق حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (" ۱۲۶۲ھ)

(تاریخ اہلحدیث صـ۲۸۷ تا صـ۴۲۴ ملخصاً)

اور یہ سب کے سب حضرات حنفی تھے جن کی بدولت بقول مولانا میر صاحبؒ ہندوستان میں حدیث کا علم اور عمل پھیلا اور لوگوں نے ان کی خوشہ چینی کرتے ہوئے حدیث و سنّت کو اپنایا بقیّہ جملہ حضرات کے حنفی اور مقلد ہونے میں تو کسی اہل علم کو کوئی تردّد اور شک و شبہ نہیں ہو سکتا اگر کچھ شبہ ہو سکتا ہے تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ کی بعض آزاد عبارتوں سے ہو سکتا ہے لیکن ان کا حنفی ہونا بھی ایک ثابت اور واضح حقیقت ہے۔ فریق ثانی بھی تسلیم کرتا ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ۔

ل حاجی محمد افضل صاحب سیالکوٹیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے استاد تھے چنانچہ شاہ صاحبؒ خود القول الجمیل (صـ۱۶۴ طبع کانپور) میں فرماتے ہیں واجازنی بمشکوٰۃ المصابیح وصحیح البخاری وغیرہ من الصحاح الست الثقۃ الثبت حاجی محمد افضلؒ اھ یعنی مشکوٰۃ اور بخاری وغیرہ صحاح ستہ کی کتابوں کی اجازت مجھے ثقہ اور ثبت حاجی محمد افضل صاحبؒ نے دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بارے تصریح کرتے ہیں کہ وہ حنفی تھے۔ (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص۷۵) نیز لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو بڑے عالم حنفیوں میں اور بڑے متبع کتاب وسنت تھے الخ (ترجمان وہابیہ ص۱۱) اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی گوجرانوالوی لکھتے ہیں کہ۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شاہ ولی اللہؒ کے ابنائے کرام تک یہ تمام مصلحین عظام ظاہری اعمال میں عموماً فقہ حنفی کے پابند تھے الخ (حیات النبی ص۱۱)

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پہلے رفع یدین کرتے تھے اور اسی دور میں انہوں نے تنویر العینین فی رفع الیدین لکھی تھی آخر میں رفع یدین ترک کر دیا تھا۔ بحمد اللہ تعالیٰ طائفہ منصورہ میں ہم نے اس پر باحوالہ بحث کر دی ہے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت مولانا شہیدؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔ اور وہ یہ فرماتے تھے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملے اس پر عامل ہوں ورنہ ابو حنیفہؒ کی رائے کا مقلد ہوں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۴/ج۱ طبع جید برقی پریس دہلی)

اور ایک بار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید اور حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہب حنفی سے بڑھ کر کوئی مذہب محقق نہیں بلفظہٖ (تذکرۃ الرشید ص ۲۷۴/ج۲) اور نیز فرماتے ہیں کہ بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے تھے اگر نہ ملتی تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے تھے اھ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۴/ج۱)

الغرض ان حضرات کا حنفی ہونا دلائل اور ٹھوس حوالوں سے ثابت ہے جس کا انکار مشکل ہی نہیں سراسر تعدی بھی ہے اپنے اپنے دور میں انہی حضرات کی انتہائی کوشش اور بے حد کاوش سے ہندوستان میں کتاب و سنّت اور علوم دینیّہ کی نشر و اشاعت ہوئی اور آج تک مسلمان اُن کی سعی سے استفادہ کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز آنے والی نسلیں بھی جن کی قسمت میں اسلام ہو گا متمتع ہوں گی۔

ہندوستان میں پہلے غیر مقلد عالم و محدث

مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے مشہور تلامذہ میں بائیس ۲۲ حضرات کا ذکر کرتے ہیں جن میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ، مولانا شاہ عبد الغنی صاحب دہلویؒ، مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ وغیرہم ہیں اور یہ تمام اکابر حنفی مسلک

پڑھتے۔ اور ان کے تلامذہ میں اپنے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ کا ذکر بھی کرتے ہیں اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں یہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے منظم طریقہ سے مشن کے طور پہ غیر مقلدیت کو چلایا چمکایا اور پروان چڑھایا اور اس کے لیے باقاعدہ ایک مہم کے تحت افراد پیدا کیے گئے جنہوں نے تقریراً و تحریراً اور تدریساً اپنے مسلک کی خوب نشر و اشاعت کی اور خود بھی انہوں نے اپنے سینہ کے دفینہ راز کو معیار الحق کے سفینہ پر ثبت کر دیا اور اس طرح اس نومولود فرقہ کو خاصا فروغ حاصل ہوا کیونکہ ظالم انگریز کے خلاف جہاد میں مسلمان پیش پیش تھے اور علماء کے ہاتھ میں ان کی قیادت تھی اور یہ سبھی حنفی تھے جیسا کہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آج تک کوئی موحد متبع سنت حدیث و قرآن پہ چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگیزی اور بغاوت پہ آمادہ ہوا ہو جتنے لوگوں نے غدر میں شر و فساد کیا اور حکام انگلیشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفی تھے نہ متبعان حدیث نبوی اھ (ترجمان وہابیہ ص۲۵) الحمد للہ تعالیٰ جہاد ۱۸۵۷ء کا فخر احناف کو حاصل ہے۔

اس لیے انگریز نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر عوام کے دلوں سے علماء کا وقار اور ان پر اعتماد بالکل نکال کر بے اعتمادی کی فضاء پیدا کی اور آزادیٔ رائے کا سبق اہل ہند کو ازبر کرایا جس سے غیر مقلدیت کے لیے زمین خاصی ہموار ہوگئی۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد شاہ شاہجہانپوری لکھتے ہیں کہ

پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سُنا ہے اپنے آپ کو وہ تو اہل حدیث یا محمدی یا مُوحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے (الارشاد الیٰ سبیل الرشاد ص۱۳ بحوالہ اہلحدیث اور انگریز مولانا بشیر احمد قادری ص۱۵)

قارورہ کس سے ملتا ہے؟

محدث العراق الحافظ المفید المکثر ابو حفص عمرؒ بن احمد البغدادی المعروف بابن شاہینؒ (المتولد ۲۹۷ھ) جنہوں نے ۳۰۷ھ میں سماعت حدیث شروع کی تھی (تذکرہ ج۳ ص۱۸۳)

اور ان کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی تھی امام دارقطنیؒ کا بیان ہے۔

ابن شاھین یلج علی الخطاء وھو ثقۃ — کہ محدث ابن شاہینؒ غلطی پر ڈٹ جاتے تھے اور تھے ثقہ

اور علامہ خطیب بغدادیؒ امام محمدؒ بن عمر الداودیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

ابن شاھینؒ بقیۃ الشیوخ الٰی انہ — محدث ابن شاہینؒ بقیۃ الشیوخ میں سے تھے

وکان لحانا ولا یعرف الفقہ وکان اذا ذکر لہ مذہب احد یقول انا محمدی المذہب الخ (تذکرہ ص۱۴۳)

لیکن بڑی غلطی کرنے والے تھے اور فقہ سے ناواقف تھے اور اگر ان کے سامنے کسی کا مذہب پیش کیا جاتا (مثلاً حنفی۔ مالکی۔ شافعی اور حنبلی وغیرہ) تو فرماتے کہ میں محمدی المذہب ہوں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نام نہاد اہلحدیث کا نو احدث فرقہ ۱۲۴۶ھ سے بعد کی پیداوار ہے اور یہ پہلے اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے جب کہ لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔ پھر ترقی کر کے اور سرکار برطانیہ کی طرف رجوع کر کے اور رائے جہاد کی منسوخیت کی گیت گا کے سرکاری دفاتر میں اہل حدیث بن گئے اور یہی نام اب تک چلا جاتا ہے جب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے محدث ابن شاہینؒ کے بیان میں محمدی المذہب کے لفظ دیکھ لیے تو پھولے نہ سمائے اور ان کا قول نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ

وازیں جا ثابت شد کہ محمدی گفتن خود را ماثور از سلف صلحاء است ایجاد متبعان ایں زمان نیست بلکہ ایں انتساب از مدت نہ صد سال بودہ آمدہ است قاصران کہ تتبع احوال علماء و تراجم سلف صلحاء ندانند از کسے کہ خود را محمدی میگوید در حیرت می افتند و تعجب میکنند و عجب تر ازیں آنست کہ از گفتن حنفی و شافعی مثلاً متعجب و متحیر نمے گردند اھ (ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۵۲۵)

اور اس حوالہ سے یہ ثابت ہوا کہ اپنے آپ کو محمدی کہنا حضرات سلف صلحاءؒ سے منقول ہے یہ اس زمانہ کے پیروی کرنے والوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ نسبت نو سو سال کی مدت سے چلی آرہی ہے جو لوگ علماء کے احوال کے تتبع اور حضرات سلف صلحاءؒ کے تراجم کے جاننے سے قاصر ہیں وہ اس شخص کے بارے میں جو اپنے آپ کو محمدی کہلاتا ہے حیران ہوتے اور تعجب کرتے ہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ وہ مثلاً اپنے آپ کو حنفی اور شافعی کہنے پر متعجب اور متحیر نہیں ہوتے۔

لیکن یقین جانیئے کہ محدث ابن شاہینؒ سے یہ غضب کیا ہوا لفظ بھی ان حضرات کو مفید نہیں اس لیے کہ یہ لفظ بھی چوتھی صدی کی بدعت ہے فرق اتنا ہی نکلے گا کہ بقول ان کے حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید چوتھی صدی کے بعد کی بدعت ہو گی اور محمدی المذہب کا لقب چوتھی صدی کی بدعت ہو گی اور یہ لفظ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے ثابت ہے۔ یہ چوتھی صدی کے ایک محدث سے ثابت ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ فقہ کے علم سے بھی محروم تھے اور غلطی پر ڈٹ جانے والے تھے یہی حال ہے

زمانۂ حال کے نام نہاد اہلحدیث کا کہ فقہ کے پیچھے لٹھ لیے پھرتے ہیں اور غلط باتوں پہ ڈٹ جانا تو ان کی گھٹی میں داخل ہے جس سے اوّل تا آخر تبستے دار د کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ حضرات ائمہ کرامؒ سے محبت کا دم بھی بھرتے ہیں اور ان پہ برسنے اور انہیں کوسنے سے بھی باز نہیں آتے ؎

بتلائے عقلِ انسانی کوئی حل اس معمّے کا — نظر کچھ اور کہتی ہے خبر کچھ اور کہتی ہے۔

باب ہفتم

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ احادیث کے ظاہری مفہوم ہی کو کیوں نہ لے لیا جائے تاکہ کسی بھی امام کی فقہ اور تقلید کی ضرورت ہی پیش نہ آئے کہ فلاں امام نے اس کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے اور فلاں نے یہ مطلب لیا ہے؟ خصوصاً جب کہ فہم معنیٰ میں حضرات ائمہ کرامؒ کے نظریات جدا جدا ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں تضاد بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک امام ایک چیز کو جائز، حلال مباح اور صحیح کہتا ہے۔ تو دوسرا ناجائز، حرام اور غلط قرار دیتا ہے۔ اندریں حالات ہم کس کو مصیب اور کس کو مخطی رکھیں؟ کس کی تقلید کریں اور کس کی نہ کریں جب یہ خرابی ہی تقلید اور حضرات ائمہ کرامؒ پر اعتماد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس سے کنارہ کشی ہی کیوں اختیار کر لی جائے۔ کہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔

اک مقام ایسا بھی آیا ہے محبت میں سرور
ان حسین ہاتھوں سے بھی دامن چھڑا لینا پڑا

الجواب سطحی طور پر تو یہ اعتراض بڑا خوشنما اور خوبصورت نظر آتا ہے اور ظاہر بین اس کو گلے کا ہار بنانے پر تیار ہو جاتا ہے، مگر غور و فکر کے بعد اس کی اصلیت کھلتی ہے وہ یوں کہ

ہر آدمی ہر بات کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بسا اوقات ایک آدمی الفاظ اور پیش آمدہ واقعہ سے کچھ اخذ کرتا ہے اور ظاہری طور پر وہ اسے ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن غور و فکر اور تشریح کے بعد وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اسے تسلیم سے کوئی مخلص نہیں ملتا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر اور کون آپؐ کا رمز شناس ہو سکتا ہے؟ اور ان سے بڑھ کر حقیقت آشنا اور نکتہ رس اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر صد حیرت اور ہزار افسوس اس امر پر ہے کہ بعض غیر مقلدین حضرات، حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی سنت سے ناواقف بتاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے مولانا محمد صادق خلیل نماز تراویح مؤلفہ علامہ الشیخ محمد ناصر الدین البانی کا ترجمہ کرتے

ہوئے اس کے مقدمہ میں چیلنج کے عنوان کے تحت یہ بھی لکھتے ہیں کہ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وعمل کے ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ کے قول وعمل کو ترجیح دینا اور اس پر عمل پیرا ہونا صحیح نہیں ممکن ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ سنت نبوی سے ناواقف رہے ہوں۔ الخ بلفظہ (مقدمہ نماز تراویح ص ۱۳ طبع نفیس پرنٹنگ پریس فیصل آباد)

اس عبارت کا اول حصہ تو محل نزاع سے خارج ہے خط کشیدہ الفاظ قابل گرفت ہیں۔ کیونکہ ایک دو حضرات صحابہ کرامؓ کا معاملہ ہوتا تو بات جدا تھی کیونکہ ہر صحابی ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس وخدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے اور آپؐ کی مجلس میں دین کی باتیں ہر وقت ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن مجموعی طور پر تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی سے ناواقف قرار دینا بڑی جسارت کی بات ہے۔ جب یہ ممکن ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ سنت نبوی سے ناواقف رہے ہوں تو چودھویں صدی کے مجتہدین کو سنت کہاں سے حاصل اور نصیب ہوئی؟ چونکہ حضرت عمرؓ کے دور سے حضرات صحابہ کرامؓ کا بیس تراویح پڑھنا تواتر سے ثابت ہے جس کا انکار بغیر کسی متعصب اور ضدی کے اور کوئی نہیں کر سکتا اسلئے یہ دعوے کر کے اپنے ناخواندہ حواریوں کو آٹھ تراویح کے سنت ہونے کی لوری دی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو سنت نبوی سے ناواقف گردانا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے ایسا لکھنے والوں کے حق میں اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ

ہماری وضع داری ہے جو ہم خاموش ہیں ورنہ — یہ رہزن ہیں جنہیں ہم رہبر منزل سمجھتے ہیں)

مثلاً واقعہ صلح حدیبیہ کو ہی لے لیجئے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت ابو جندلؓ بن سہیلؓ کو کفار کی طرف واپس کر دینا خود آپؐ کو بھی اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی کس قدر ناگوار تھا۔ اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ سبحان اللہ اس مسلمان کو پھر کافروں کی طرف کیسے لوٹایا جا سکتا ہے؟ (بخاری ص ۳۸۰ ج ۱) اور ان کی واپسی مسلمانوں کو ناپسند اور شاق گذری (فکرہ المؤمنون ذلک وامتعضوا۔ بخاری ص ۶۰۱ ج ۲) اور حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ہم یہ کمزور شرط جو مشرکین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ کیوں قبول کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہ میری مدد کرے گا (بخاری ص ۳۸۰ ج ۱)

ملاحظہ کیجئے! کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مشرکین کی طرف سے پیش کردہ شرائط کو تسلیم کرنا اور ایک مسلمان کو جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے بڑی مشقت اٹھا کر آپ کے پاس پہنچے تھے واپس کرنے کا عمل ابتداءً سمجھ نہ آسکا۔ بلکہ ناگوار گزرا مگر بالمآل حقیقت سامنے آگئی۔ ایک طرف ان حضرات کی اس واقعہ کے متعلق بے چینی۔ بے قراری اور ناگواری ملاحظہ کریں اور دوسری طرف اسی واقعہ کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کی معاملہ فہمی اور اطمینان قلبی دیکھیں کہ جب وہی گفتگو جو حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی تھی وہی حضرت ابوبکرؓ سے کی تو انہوں نے نہایت ہی سکون سے فرمایا کہ۔

ایھا الرجل انہ رسول اللہ ولیس یعصی ربہ وھو ناصرہ فاستمسک بغرزہ فواللہ انہ علی الحق

(بخاری ص ۳۸۰ ج ۱)

اے شخص بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ سو آپ کی رکاب کو پکڑے رکھ بخدا آپ حق پہ ہیں۔

واقعہ صرف ایک ہے مگر آپ نے دیکھا کہ آراء اور نظریات اس کے بارے میں مختلف ہیں۔ یہی حال حضرات مجتہدین کا ہے۔ کہ وہ خداداد فہم و فراست کے مطابق الفاظ واقعہ اور عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔ کوئی مصیب و ماجور ہوتا ہے اور کوئی مخطی و معذور۔ جو بزبانِ حال یہ کہتے ہیں ؎

مجھے ملال نہیں اپنی بے نگاہی کا　　جو دیدہ ور ہیں انہیں بھی نظر نہیں آتا

مصلحتِ وقت کا تقاضا

شرعاً کبھی وقت و مصلحت بھی مسئلہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ صاحب فراست و بصیرت ہی اس مشکل کام کو طے کر سکتا ہے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہؓ (المتوفاۃ ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا حجر و حطیم (جو تقریباً دس فٹ کا بغیر چھت کے کعبہ ہی کا حصہ ہے) بیت اللہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے کہا کہ لوگوں نے اس کو بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کیا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تیری قوم کے پاس (یعنی اہل مکہ کے پاس جب کہ ابووہب بن عابد کعبۃ اللہ کا متولی تھا اور اس نے اعلان کیا تھا کہ کعبہ کی تعمیر میں عورتوں کی ناجائز کمائی۔ سود کی رقم۔ اور لوگوں سے ناجائز طریقہ سے لی ہوئی رقم چندہ میں پیش نہ کرنا لہٰذا حلال کی رقم اتنی جمع نہ ہوسکی تاکہ حجر و حطیم کو اندر داخل کرکے قواعد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

حاشیہ بخاری ص ۲۱۵ ج ۱

پر اس کی بنیاد رکھی جا سکتی اور اس کمی مال کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آیا۔ میں نے کہا کہ کعبۃ اللہ کا دروازہ کیوں بلند کیا گیا ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی تیری قوم کی کارستانی ہے۔ تاکہ جس کو چاہیں کعبہ میں داخل کر دیں۔ اور جس کو چاہیں منع کر دیں۔ اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے دل میری کاروائی کا انکار کریں گے۔ تو میں حجر کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور دروازے کو پست کر کے زمین کے برابر کر دیتا۔ اور دو دروازے بنا دیتا۔ ایک مشرقی سمت میں اور دوسرا مغربی جہت میں۔

(محصلہ بخاری ص ۲۱۵/۱ج و مسلم ص ۴۲۹/۱ج)

چونکہ آپؐ کے سامنے قوم کے بگڑنے اور اوہام میں مبتلا ہونے کا خدشہ اور خطرہ تھا۔ اس لیے اس مصلحت کے پیش نظر کعبۃ اللہ کو اساس ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر تعمیر کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت بھی شرعاً مطلوب ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابیؓ کے قتل کی اجازت طلب کی۔ تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

دعہ لا یتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابہ (بخاری ج ۲/۷۲۸ و مسلم ص ۲/۳۲۱)

یعنی چھوڑ دے۔ لوگوں میں کہیں یہ نہ مشہور ہو جائے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ منافقین وہی تو ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کے ظاہری الفاظ یہ ہیں۔

یَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (پ ۱۰۔ التوبہ ۔ ۱۰)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر

مگر باوجود اس کے ہر منافق کو کیا قتل کیا جاتا۔ بڑا موذی منافق بھی جس نے بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نبوت، و رسالت اور ذات مقدسہ پر رکیک حملے کیے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام بھی لگائے اور اس سلسلہ میں پیش پیش رہا۔ اس کو بھی اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ لوگوں میں یہ چرچا نہ ہو کہ آپؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔

چونکہ منافق ظاہری طور پر کلمہ اور نماز پڑھتے تھے اس لیے عوام الناس کو ان کے منافق ہونے کا کیا علم ہو سکتا تھا ؟ اور ان کے قتل کر دینے سے ایک تو غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے سے نفرت ہو جاتی کہ مسلمان ہونے کے بعد کہیں ہماری باری بھی نہ آجائے۔ اور دوسرے نو مسلموں کے دلوں میں کمی

قسم کے شکوک پیدا ہو سکتے تھے۔ اس مصلحت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقوں کے قتل سے منع فرمایا۔ حالانکہ دوسرے منافق عموماً اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی خصوصاً اپنی منافقانہ سازشوں کی بنا پر ہرگز جان بخشی کے قابل اور مستحق نہ تھا۔

(۳) جب مکہ مکرمہ اور حنین کی فتح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنیمت کا سارا مال قریش اور نو مسلموں کو دیدیا۔ اور بخاری شریف کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے کہ۔

ولم یعط الانصار شیئاً — آپ نے انصار کو کچھ بھی نہ دیا

اس پر انصار کے نوجوانوں میں غم اور غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور یہاں تک بھی وہ کہہ گزرے کہ لڑنے کو ہم اور غنیمت لینے کو قریش۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو انصارؓ کو جمع کیا اور ان سے پوچھا۔ انصار کے سمجھدار طبقہ نے کہا کہ حضرت! ہم نے تو کچھ نہیں کہا۔ ہاں البتہ نوجوانوں نے ایسی باتیں ضرور کی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے قریش کو غنیمت کا مال اس لیے نہیں دیا کہ وہ مستحق اور تم غیر مستحق تھے۔ بلکہ میں نے ان کو تالیفِ قلب کے لیے مال دیا ہے۔ کہ ان کے دل میں اسلام جم جائے پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو مال و زر لے کر جائیں اور تم جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ (مدینہ منورہ) لے جاؤ۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

لو سلک الناس وادیا و سلکت الانصار شعبا لاخترت شعب الانصار — اگر لوگ ایک وادی میں چلنے لگیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں ضرور انصار کی وادی ہی کو ترجیح دوں گا۔

(بخاری ص ۶۲۱ ج ۲ و مسلم ص ۳۳۹ ج ۱)

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں وادیٔ انصار کو اختیار کرتے ہیں؟ اور کیا پیغمبر کو غیر پیغمبر کی وادی پر چلنا جائز ہے؟ فریق ثانی تو اس اقتدار۔ اتباع اور تقلید کو بھی شرک کہتا ہے۔ جسمیں کوئی کسی امام کی اقتدار کرے۔ لیکن یہاں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجود نبی اور معصوم ہونے کے انصار کی وادی کو نہ صرف یہ کہ قبول ہی کرتے ہیں۔ بلکہ ترجیح بھی دیتے ہیں۔

شراح حدیث اس حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ

اراد بالوادی الرأی والمذھب — وادی سے آپ کی مراد رائے اور مذہب ہے۔

(حاشیہ بخاری ص ۶۲۱ ج ۲)

فریقِ ثانی ہی اس گرہ کو کھول سکتا ہے کہ نبی معصوم کس طرح انصارؓ کی رائے اور مذہب کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی اور اس حدیث سے غیر معصوم کے مذہب اور رائے کے حجت ہونے پر استدلال کرے تو اس کے لیے بھی تو گنجائش ہونی چاہیے۔ کما لا یخفیٰ!

بحث خواہ مخواہ طویل ہو رہی ہے۔ کہنا صرف اتنا ہی تھا کہ مصلحتِ وقت اور حالاتِ زمانہ کی بنا پر آپ نے انصارؓ کو مالِ غنیمت سے کچھ بھی نہ دیا۔ اور بظاہر غیر مستحقین ہی کو سب کچھ دیدیا مگر جو کچھ آپ نے کیا وہی حق تھا جس سے بالآخر سب مطمئن ہو گئے۔

قارئین کرام! ایسے بے شمار دلائل ہیں جن سے مصلحتِ وقت کا ثبوت آفتابِ نیمروز کی طرح ثابت ہے۔ ہم سردست انہی واقعات اور براہین پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس تمہید کے ساتھ ایک کڑی یہ بھی ملا لیجیے کہ ایک ہی عبارت اور نظمِ کلام سے بظاہر دو متضاد حکم بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ایک ہی واقعہ میں مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر ایک جائز حکم کو ترک کر کے دوسرا راجح اور بہتر حکم کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ایک ہی قسم کے مسئلہ میں دو مختلف شخصیتوں کے فیصلے الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل اور براہین پر آپ گہری اور غائر نظر دوڑائیے۔

(۱) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ایک خاص واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ قصہ یوں تھا کہ ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت چرواہے کے بغیر کسی کی کھیتی میں جا پڑیں۔ اور اس کو چر گئیں۔ مقدمہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پیش ہوا۔ چونکہ کھیت کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمان میں وہ بکریاں کھیت والے کو دلوا دیں۔ اور اصل قانونِ شرعی کا یہی مقتضیٰ تھا جس میں مدعی یا مدعیٰ علیہ کی رضا بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل نقصان تھا۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور مصالحت کے جو تراضی جانبین پر موقوف تھی یہ صورت تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دیدی جاویں۔ کہ ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے۔ اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جائے۔ کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں۔ جب کھیت پہلی حالت پر آجائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دیدی جائیں۔ اصل الفاظ مع ترجمہ دیکھیے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ — اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کا تذکرہ کیجیے جب دونوں کسی

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا الاٰیۃ

(پ ۱۷ الانبیاء ۵ ۔)

کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت کھیتی میں جا پڑیں۔ اور ہم اس فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے اس فیصلہ کی (حقیقی) سمجھ سلیمانؑ کو دیدی۔ اور ہم نے دونوں کو علم اور حکمت عطا فرمایا تھا۔

دیکھئے! دونوں کے فیصلے بظاہر بالکل متضاد نظر آتے ہیں، مگر دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا۔ اس کا فیصلہ تو فریق ثانی ہی اپنے اجتہاد سے کر سکتا ہے کہ دو متضاد حکم ایک وقت اور ایک حادثہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم میں داخل ہو سکتے ہیں؟ لیکن جو مصلحت آمیز پہلو تھا اس کی سمجھ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو عطا فرما دی تھی۔ جس میں نہ کھیتی والے کا نقصان باقی رہا اور نہ بکری والوں کا۔

(۲) غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ۔

لا یصلین احدٌ العصر الا فی بنی قریظۃ۔

کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر بنو قریظہ میں جا کر

حضرات صحابہ کرامؓ نے حکم سُنا اور چل پڑے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے وہیں نماز پڑھ لی۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ تم جلدی وہاں پہنچو یہ مطلب نہ تھا کہ تم راستے میں نماز ہی نہ پڑھنا۔ گویا اس گروہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حکم کی اصل علت سمجھ لی اور آپ کے ارشاد کو سُن کر حکم کی روح پر عمل کیا۔ اور دوسرے گروہ نے کہا کہ آپؐ نے تو فرمایا ہے کہ بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھنا۔ اس لیے ہم تو راستے میں نماز نہیں پڑھیں گے۔ بلکہ وہاں جا کر ہی پڑھیں گے اس گروہ نے الفاظ کو دیکھا۔ جب دونوں کا قصہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو

فلم یُعنّف واحداً منھم

(بخاری ص ۵۹۱ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (دونوں گروہوں میں سے) کسی ایک پر بھی سختی نہ کی۔

دیکھیے! ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتا ہے اور چونکہ ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کی گنجائش تھی (معاملہ ایسا نہ تھا جس طرح حضرت عدیؓ بن حاتم وغیرہ نے

سیاہ اور سفید دھاگے سرہانے رکھ لیے اور ماہ رمضان میں تاوقتیکہ دونوں دھاگے الگ الگ نظر نہ آجاتے کھاتے پیتے رہتے۔ اس معاملہ میں چونکہ ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کی گنجائش تھی۔ اس لیے حضرت عدیؓ بن حاتم وغیرہ کو ملامت کی گئی، اس لیے اس پر بھی کوئی زجر و توبیخ وارد نہ ہوئی بلکہ تصویب کی گئی اور دوسرا گروہ جس نے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ کی خلاف ورزی کی تھی۔ لیکن چونکہ وہ رمز آشنا اور فقیہ تھا۔ آپؐ کے ارشاد کی تہ کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے اُسے بھی ملامت نہ ہوئی۔

ہم بیچارے تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ فریق ثانی کو ہی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ العیاذ باللہ تعالیٰ دوسرے گروہ پر جس نے بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کی تھی۔ کوئی فتویٰ لگادے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے بغل گیر ہو سکتا ہوں۔ یعنی اس کے ننگے بدن سے میں اپنا ننگا بدن ملا سکتا ہوں یا نہیں؟ آپ نے اس کو اجازت دیدی۔ ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے بھی یہی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اسے اس کاروائی سے منع کر دیا۔ (حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ) جس کو آپؐ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جس کو منع کیا تھا وہ نوجوان تھا۔ (ابوداؤد ص ۳۲۴ ج ۱، مسند احمد ص ۱۸۵ ج ۲)۔

حضرات! مسئلہ کی پوزیشن اور حیثیت ایک ہی ہے۔ ایک کا بھی روزہ تھا اور دوسرے کا بھی، ایک کا سوال بھی اپنی بیوی سے بوس و کنار کا تھا۔ اور دوسرے کا بھی مگر ایک کو رخصت دی جاتی ہے اور دوسرے کو روکا جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ مصلحت پیش نظر ہے۔ بوڑھا آدمی قوائے شہوانیہ کے کمزور پڑ جانے اور طبیعت پر قابو پالینے کی وجہ سے اس قابل تھا کہ اس کو اجازت مل جاتی بخلاف نوجوان کے کہ بقول مجذوبؒ ؎

اتنے خفا جو آپ ہیں سچ کہیے شیخ جی
ایسے ہی کیا تھے آپ مقدس شباب میں

اس سند کے روات یہ ہیں

(۱) نصر بن علی الجہضمی جو ثقہ اور ثبت تھے۔ (تقریب ص ۳۷۲)

۲۔ ابو احمد الزبیریؒ ثقہ اور ثبت تھے۔ (تقریب صـ۳۲۵)

۳۔ اسرائیلؒ جو صحیحین کے روات میں تھے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ان میں بلاوجہ بعض نے کلام کیا ہے۔ (تقریب صـ۳۲)

۴۔ ابوالعنبس جن کا نام حارثؒ ابن عبیدؒ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ انہیں مقبول کہتے ہیں (تقریب صـ۴۳۱) اور امام ابن حبانؒ انہیں ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب صـ ۱۸۹/۱۲)

۵۔ اغرابو مسلم۔ محدث عجلیؒ اور بزارؒ انہیں ثقہ کہتے تھے۔ امام ابن حبانؒ انہیں ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب صـ ۳۶۵/۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب صـ۴۲)

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ۔ جو جلیل القدر صحابی تھے

ہم نے اس سند کے روات اور ان کی توثیق کتب رجال سے ہدیہ قارئین کر دی ہے۔

(۴) حضرت ابو سعید الخدریؓ (سعدؓ بن مالک بن سنان المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو صحابی کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا اور ان کو وضوء کے لیے پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ دونوں نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی۔ اور پھر نماز کا وقت ابھی باقی ہی تھا کہ پانی مل گیا۔ ان میں سے ایک نے وضوء کر کے نماز دُہرا لی۔ اور دوسرے نے نماز کا اعادہ نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب دونوں نے ملاقات کی تو اپنا یہ واقعہ اور ماجرا آپ سے عرض کر دیا۔ آپ نے اس شخص سے جس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تھی ارشاد فرمایا کہ

اَصَبْتَ السُّنَّۃَ وَاَجْزَأَتْکَ صَلٰوتُکَ — تم نے سنت کے موافق کام کیا اور تجھے تیری نماز کافی ہو گئی

اور جس نے وضوء کر کے نماز دہرا لی تھی اس سے فرمایا کہ

لَکَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ — تیرے لیے دہرا اجر اور ثواب ہے

(ابوداؤد صـ ۵۵/۱ ونسائی صـ ۷۵/۱ ومستدرک صـ ۱۷۹/۱ ودارقطنی صـ ۶۹/۱ ومشکوٰۃ صـ ۵۵/۱ ومنتقی الاخبار مع نیل الاوطار صـ ۲۸۸/۱ وغیرہ)

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ دونوں کا عمل اور طرز و طریق کس طرح جدا جدا تھا۔ مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں کو بشارت اور خوشخبری ہی سُنائی ہے۔ اس کا فیصلہ تو فریق ثانی ہی کر سکتا ہے کہ جب ایک کو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم نے سنت کا کام کیا ہے تو اس کے

مقابلہ میں دوسرے کو ثواب و اجر مل سکتا ہے ؟ اور پھر وہ بھی دُہرا ؟

ع کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

یہ یاد رہے کہ کبھی عمل کے دونوں پہلو سنت ہوتے ہیں۔ جیسے سر منڈوانا اور پٹے رکھنا۔ یا داڑھی سفید رکھنا اور مہندی لگانا جس کا ثبوت حدیث اور خیر القرون کے تعامل سے ہے۔ بخلاف بدعات کے۔ کہ ان امور کے محرکات۔ دواعی اور اسباب تو خیر القرون میں موجود تھے۔ مگر امور بدعیہ نہ تھے۔ تو ایسے امور بہر حال بدعت ہی ہیں لاریب فیہ۔ راہ سنت میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔

اس حدیث کے تمام روات ثقہ ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ایک ایک راوی کی توثیق نقل کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات محدثین کرامؒ سے اس کی تصحیح ہی نقل کر دیں

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کی شرط پر صحیح ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شرط شیخینؒ پر صحیح ہے اور فریق ثانی کے رئیس الطائفہ قاضی شوکانیؒ بھی اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں (نیل الاوطار ص ۲۸۹ / ج ۱)

بعض حضرات محدثین کرام نے اس حدیث پر دو اعتراض کیے تھے

ملا کہ عبد اللہؒ بن نافعؒ اس حدیث کو موصول بتلاتے ہیں۔ اور عبد اللہؒ بن نافعؒ کے علاوہ دوسرے راوی اس کو مرسل روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث مرسل ہی ہو گی۔

ملا کہ جو اس حدیث کو موصول روایت کرتے ہیں ان کی سند میں عمیرہؒ بن ابی ناجیہؒ مجہول الحال راوی ہے اس لیے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ ان سوالات اور اعتراضات کا جواب علامہ زیلعیؒ۔ قاضی شوکانیؒ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد یہ دیتے ہیں۔

کہ عبد اللہؒ بن نافعؒ ثقہ ہیں اور ثقہ جب سند کو موصول بیان کرے تو اسی پر اعتماد ہو گا۔ اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ محدث ابن السکنؒ نے اپنے صحیح میں ابو الولید الطیالسیؒ عن اللیثؒ عن عمروؒ بن الحارثؒ وعمیرہؒ بن ابی ناجیہؒ۔ بکرؒ بن سوادہؒ سے موصولاً یہ روایت نقل کی ہے۔ اور عمرو بن الحارثؒ ثقہ ہیں۔ اور عمیرہؒ بن ابی ناجیہؒ ان کے متابع ہیں۔ جب کہ امام نسائیؒ۔ یحییٰؒ بن بکیرؒ۔ اور ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور احمدؒ بن صالحؒ و ابن یونسؒ اور احمدؒ بن سعیدؒ بن ابی مریمؒ نے ان کی تعریف کی ہے۔

(نصب الرایہ ص ۱۶۰ / ج ۱ و نیل الاوطار ص ۲۸۹ / ج ۱ و التعلیق المغنی ص ۶۹ / ج ۱)

الحاصل ہم نے جو سند مستدرک کے حوالے سے نقل کی ہے وہ موصول اور اس کے تمام رواۃ ثقات ہیں۔ اور عمیرؒ بن ابی ناجیہؒ بھی اس سند میں نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی ثقہ ہے اور جن کا وہ متابع ہے وہ بھی ثقہ ہے۔ غرضیکہ اصول حدیث اور حضرات محدثین کرامؒ کی تصریح سے یہ سند متصل۔ اس کے جملہ رواۃ ثقات۔ اور حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ وقت کے ہوتے ہوئے اگر پانی مل جائے تو تیمم سے پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ یہی حضرات ائمہ اربعہؒ کا مسلک ہے (نیل الاوطار صفحہ ۲۷۹ جلد ۱) اور قاضی شوکانیؒ نے بھی دبی ہوئی زبان سے اس کو تسلیم کر لیا ہے (نیل الاوطار ص ۲۷۹ ج ۱) ع

یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا

(۵) حضرت بسرؓ بن ارطاۃ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم سے سُنا۔ آپؐ نے

نہی ان تقطع الایدی فی الغزو (ابوداؤد ص ۲۴۹ ج ۲ و ترمذی ص ۱۷۵ ج ۱)

اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جنگ کے موقع پر چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں

اس کی حکمت اور مصلحت کیا ہے؟ نواب صدیق حسن خانؒ صاحب سے ہی سن لیجئے۔ چوری حدود اللہ میں سے ایک حد اور تعزیرات اسلام میں سے ایک تعزیر ہے۔ مگر پھر بھی جنگ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چور کو سزا دینے اور اس کے ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ جب چور کا ہاتھ کاٹا جائے تو کہیں مشتعل ہو کر وہ مشرکین کے قلمرو میں نہ بھاگ جائے۔ اور مسلمانوں کی جاسوسی نہ کرے۔ یا کہیں مرتد ہی نہ ہو جائے۔ اس مصلحت کی بنا پر آپؐ نے ایسے موقع پر چور کو سزا دینے سے منع کیا ہے۔ اور پھر نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کرام میں حضرت عمرؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کا یہی مذہب تھا۔ اور حضرت امام احمدؒ حضرت امام اسحاقؒ بن راہویہؒ۔ اور حضرت امام اوزاعیؒ وغیرہ ائمہ اسلام نے بھی یہی کہا ہے۔ کہ میدان جنگ میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور ابو محمد المقدسیؒ نے اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے یہ سب کچھ لکھ چکنے کے بعد نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

ولیس فی ھذا ما یخالف نصا ولا

اس طرح کرنے میں نہ تو کسی نص کی مخالفت لازم آتی

قیاسا ولا قاعدۃ من قواعد الشرع (الجنۃ ص۶۴) ہے۔ اور نہ ہی قیاس کی۔ اور نہ ہی قواعد اور ضوابط شرع میں سے کسی قاعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

قارئین کرام ملاحظہ کر چکے کہ چور کی سزا قرآن کریم اور صحیح احادیث میں قطعی یقینی ہے اور یہ ایسا اٹل حکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ منصفانہ اور عادلانہ کلمات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ کہ بخدا (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (دیکھئے بخاری ص ۴۹۴/۱ج)

مگر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ میدان جہاد میں چور کو سزا نہ دینے سے کسی نص۔ قیاس اور شرعی قاعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا یہی ہے آپ اگر اس حدیث کی سند اور اس کے رواۃ دیکھنا چاہیں تو ہم رواۃ اور ان کی توثیق بھی عرض کر دیتے ہیں۔ رواۃ یہ ہیں۔

۱۔ احمدؒ بن صالحؒ۔ جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الثبت اور احد الاعلام لکھتے ہیں۔ (میزان ص ۴۹/۱ج)

۲۔ ابن وہبؒ جن کا نام عبداللہؒ بن وہبؒ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ ان کو الفقیہ۔ ثقہ۔ حافظ اور عابد لکھتے ہیں۔ (تقریب ص ۲۱۰)

۳۔ حیوۃؒ بن شریحؒ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۱۰۷)

۴۔ عیاشؒ بن عباس القتبانیؒ ثقہ تھے۔ (تقریب ص ۲۹۴)

۵۔ شییمؒ بن بیتانؒ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۶۲) اور ان کے متابع یزیدؒ بن صبیحؒ مقبول تھے۔ (تقریب ص ۳۹۸)

۶۔ جنادہؒ بن امیہؓ۔ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو صحابی کہتے ہیں۔ امام یحییٰؒ بن معینؒ اور محدث ابن یونسؒ ان کو صحابی بتاتے ہیں۔ اور علامہ ابن سعدؒ۔ امام ابن حبانؒ اور عجلیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کبار تابعین میں تھے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۱۶/۲ج)

۷۔ بسرؓ بن ارطاۃ کے صحابی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ محدث ابن یونسؒ امام دارقطنیؒ اور امام ابن حبانؒ اور اہل شام ان کو صحابی بتاتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۳۵/۱ج و ص ۴۳۶) اور علامہ ذہبیؒ بھی ان کو صحابہؓ میں شمار کرتے ہیں (تجرید اسماء الصحابہؓ ص ۵۰/۱ج) اور ان کی ایک اور روایت بھی ہے

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یدعو اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرۃ۔

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواہ احمد والطبرانی۔ ورجال احمد واحد اسانید الطبرانی ثقات (مجمع الزوائد ص ۱۷۸ ج ۱۰) اور اس حدیث کا سمعت النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ کے الفاظ سے ذکر حافظ ابن حجرؒ نے بھی کیا ہے۔ (تہذیب ص ۴۳۶ ج ۱)

(۶) حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عہد فاروقی میں بھوک کے غلاموں نے چوری کی تو حضرت عمرؓ نے حد سرقہ قائم کرنے کی بجائے چوری کے مال کی دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ (الجنۃ ص ۶۳ واعلام الموقعین ص ۸ ج ۳)

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں کہ

ان عمر بن الخطاب اسقط القطع عن السارق عام المجاعۃ (الجنۃ ص ۶۴) — حضرت عمرؓ نے قحط سالی میں چور سے قطع ید کی سزا موقوف کر دی تھی۔

امام احمدؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بھوک وغیرہ سے مجبور اور لاچار ہو کر چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ (بحوالہ اعلام الموقعین ص ۸ ج ۳)

(۷) حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو فرمانے لگے کہ مجھے دادا کی وراثت کے مسئلہ میں ایک خیال پیدا ہوا ہے کاش کہ تم اس کو مان لو حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اگر ہم آپ کی رائے کو مان لیں تو وہ بھی صحیح اور رشد ہے۔ اور اگر ہم آپ سے قبل بوڑھے (حضرت ابوبکرؓ) کی رائے کو تسلیم کر لیں تو وہ بھی اصابت رائے کے مالک تھے اصل الفاظ یہ ہیں۔

فقال عثمانؓ ان نتبع رأیك فھو رشد وان نتبع رأی الشیخ قبلك فنعم ذوالرأی کان (مستدرک ص ۳۴۰ ج ۴) اس سے ثابت ہوا کہ رائے اور رائے کا فرق ہوتا ہے مثلاً ایک ہی مسئلہ میں ایک امام کی رائے کچھ اور ہے اور دوسرے کی اور ہے۔

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ شرط شیخین پر اس روایت کی تصحیح کرتے ہیں۔

حضرات! ہم نے اختصاراً بعض احادیث اور واقعات آپ کی خدمت میں عرض کیے ہیں کہ بسا اوقات ایک ہی حادثہ میں دو جدا جدا اور الگ الگ حکم بھی حق ہوتے ہیں۔ حضرت داؤد اور

حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ دیکھ لیجئے۔ اور اسی طرح اس کو بھی کہ کبھی کسی بہتر اور اولیٰ چیز کو ترک کر کے غیر بہتر اور غیر اولیٰ چیز کو بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مصلحت وقت اور حالات زمانہ ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کعبہ کو مشرکین کی تعمیر کردہ شکل پر چھوڑنا۔ رئیس المنافقین کو قتل نہ کرنا۔ انصار مدینہ کو غنیمت کے مال سے کچھ نہ دینا۔ اور میدان جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹنا وغیرہ۔ اس کا روشن اور اٹل ثبوت ہے۔

اور کسی وقت دو مختلف الطبائع اشخاص اور افراد کے احوال پر نظر دوڑا کر ان کو الگ الگ احکام اور جوابات بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابوداؤد شریف کی حدیث مباشرۃ الصائم کے متعلق نقل کر چکے ہیں۔

اور کسی وقت بظاہر دو مختلف سمجھ اور فہم والے افراد اور فرقوں کے الگ الگ سمجھے ہوئے احکام میں ان دونوں کو سچا سمجھا جا سکتا ہے اور دونوں ہی حق پر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بنو قریظہ کی آبادی میں نماز پڑھنے اور راستے میں نماز پڑھنے والوں کا واقعہ۔ نیز پانی مل چکنے کے بعد ایک صحابیؓ کا وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا اور دوسرے کا نہ دہرانا نقل کر چکے ہیں۔ اس تمام ماضی بحث کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر غور کیجئے۔

(۱) ہر انسان کی سمجھ اور خداداد صلاحیت الگ الگ ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک وہ حضرات صحابہ کرامؓ (حضرت عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ) تھے جو اذا جاء نصر اللہ الخ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرب اجل سمجھ گئے تھے۔ (دیکھئے بخاری ص ۷۳۴ ج ۲ وغیرہ) ایک وہ حضرت ابوبکرؓ تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہے یا خدا تعالیٰ سے جا ملے اور اس بندہ نے ملاقات خداوندی کو ترجیح دی ہے۔ تو حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ وہ بندہ تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور اس سے آپ کے فراق کا سن کر رونا شروع کر دیا۔ دیگر حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہم حیران ہو گئے کہ حضرت ابوبکرؓ کو کیا ہو گیا ہے۔ اور کیوں روتے ہیں (بخاری ص ۵۱۶ ج ۱)

ایک وہ صحابہ (حضرت ابن عمرؓ) تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ ایسا کون سا درخت ہے جس کی انسان کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے فوقع الناس فی شجر البوادی

لوگوں نے جنگلات کے درخت گن مارے لیکن سمجھ نہ سکے۔ حضرت ابن عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر کم سنی کی وجہ سے مجلس میں بول نہ سکے۔ (بخاری ص ۱۴/۱)

اور ان کے مقابلہ میں ایک وہ صحابی (حضرت عدیؓ بن حاتم وغیرہ) ہیں کہ صبح صادق اور صبح کاذب کے سیاہ اور سفید دھاگوں سے وہ حقیقۃً جیسی سوت وغیرہ کے دھاگے سمجھتے ہیں اور انہیں کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں (دیکھئے بخاری ص ۲۵۷/۱ وغیرہ) اسی طرح ایک مرتبہ حضرات ازواج مطہراتؓ نے آپ سے پوچھا کہ آپ سے (عالم برزخ میں) ہم میں سے کون سی بی بی سب سے پہلے ملاقات کرے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اطولکن یداً (بخاری ص ۱۹۱/۱ و مسلم ص ۲۹۱/۲) جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

حضرات ازواج مطہراتؓ نے چھڑی لی اور بازو ناپنے شروع کر دیے۔ حضرت سودۃؓ کا ہاتھ اور بازو لمبا نکلا۔ خود حضرات ازواج مطہراتؓ ہی فرماتی ہیں کہ عرصہ کے بعد ہمیں سمجھ آیا کہ طول ید سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد سخاوت تھی۔ (طول ید عربی میں وہی مفہوم ادا کرتا ہے جس کو اردو وغیرہ میں کھلے ہاتھ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاتھ کھلے ہیں یعنی وہ سخی ہے)

حضرات ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت زینبؓ کی وفات پہلے ہوئی تھی (مسلم ص ۲۹۱/۲ و نووی شرح مسلم ص ۱۹۱/۲)

حضرات! اس داستان کو بھی کہاں تک بیان کیا جائے؟ اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ بس اتنی بات تو اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ مراتب فہم میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی یقیناً مختلف تھے۔ اور ان میں بھی اختلاف رائے ہوتا تھا اور اختلاف رائے مخلوق کی فطرت اور سرشت میں داخل ہے نہ تو اس سے معصوم محفوظ رہے ہیں اور نہ غیر معصوم۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کا مباحثہ۔

بخاری (ص ۴۱۴/۱ و ص ۹۷۹/۲) اور مسلم ص ۳۳۵/۲ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کا رب تعالیٰ کے ہاں مکالمہ ہوا (یہ گفتگو اس جہان کے بعد عالم برزخ میں ہوئی یا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات دنیوی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عالم مثال اور خواب وغیرہ کے ذریعہ ملاقات ہوئی دونوں باتیں شروح میں مذکور ہیں) اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ آپ وہ آدم ہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی طرف سے تجھ میں روح ڈالی اور اپنے فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا اور تجھے اپنی جنت میں بسایا پھر آپ اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اُتار لائے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو وہ موسیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام اور کلام کے لیے چنا اور تجھے تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور تجھے سرگوشی کے لیے قریب کیا بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توراۃ لکھی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا چالیس سال حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اس میں یہ پایا ہے کہ آدم نے اپنے رب کی حکم عدولی کی سو وہ چوک گیا فرمایا ہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تو مجھے ایسے عمل پر ملامت کرتا ہے فحج آدم موسیٰ۔ کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غالب آگئے۔ یہ اور اس قسم کے واقعات معصوموں میں بھی اختلاف رائے کا واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں ۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن ۔۔۔ اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

باب ہشتم

فرشتوں میں بھی اختلاف رائے ہو سکتا ہے اور اُن کی رائے خطا بھی ہو سکتی ہے

دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ فرشتے اپنی نوع کے لحاظ سے معصوم مخلوق ہے لیکن اختلاف رائے اور رائے کی غلطی ان میں بھی متحقق ہے ہم اختصار کے پیش نظر ہر دعویٰ پر صرف ایک ایک حوالہ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے قتل کیے تھے وہ توبہ کا مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ایک راہب کے پاس پہنچا اور کہا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا نہیں اُس نے وہ راہب بھی قتل کر دیا پھر وہ مسئلہ پوچھنے کے لیے نکلا تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ فلاں بستی میں جا (وہاں عالم ہے) چنانچہ وہ قاتل چل پڑا راستہ میں اس کی وفات کا وقت آپہنچا اور اُس نے اپنی چھاتی کو اس بستی کی طرف جدھر جانا چاہتا تھا مائل اور متوجہ کیا (اور وفات پا گیا)

فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب فاوحی اللہ الی ھذہ ان تقربی واوحی الی ھذہ ان تباعدی وقال قیسوا ما بینھما فوجد الی ھذہ اقرب بشبرٍ فغفرلہ

(بخاری ص ۴۹۳ ج ۱)

تو اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا اختلاف ہوا (رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کرنے جا رہا تھا لہٰذا جنتی ہے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے نیکی تو کی نہیں سو نفس کا قاتل ہے لہٰذا دوزخی ہے) اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کو حکم دیا جدھر کو وہ جانا چاہتا تھا کہ تو قریب ہو جا اور جس بستی سے آیا تھا اُسے حکم دیا کہ تو دُور ہو جا پھر فرشتوں سے فرمایا کہ دونوں منزلوں کے درمیان پیمائش کرو جب پیمائش کی گئی تو اس بستی کی طرف جدھر جا رہا تھا ایک بالشت قریب تھا تو اس کی مغفرت ہو گئی۔

دیکھئے یہاں معصوم فرشتوں کا کتنا بڑا اختلاف ہے کہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ شخص جنتی ہے۔ لہٰذا ہمارے حوالہ کیا جائے اور دوسرے گروہ نے کہا کہ دوزخی ہے اس کو ہمارے سپرد کیا جائے معلوم ہوا۔ کہ اختلاف رائے معصوم فرشتوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں کا ایک گروہ ہے جو ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتا رہتا ہے جب ان کو ذکر کرنے والے مل جاتے ہیں تو فرشتے ان کو پروں کے ساتھ آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں اور فراغت کے بعد جب فرشتے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو رب تعالیٰ اُن سے باوجود علم کے سوال کرتے ہیں کہ میرے بندوں نے کیا کہا؟ فرشتے ان کی کاروائی سناتے ہیں (مفصلہ) آخر میں ہے۔

فیقول فاشھدکم انی قد غفرت لھم قال فیقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجۃ قال ھم الجلساء لا یشقیٰ بھم جلیسھم	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اس مجلس میں ایک شخص ہے جو ان (ذکر کرنے والوں) میں سے نہیں ہے وہ تو اپنے کسی کام کے لیے آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسی مجلس والے ہیں کہ انکے پاس بیٹھنے والا بھی نامراد نہیں رہتا (یعنی انکی برکت سے اس کی مغفرت بھی کر دی گئی ہے۔)

(بخاری ص ۹۴۸ ج ۲ واللفظ لہٗ ومسلم ص ۳۴۴ ج ۲)

بخاری کی روایت میں یہ بیان ایک فرشتے کا ہے (فیقول ملک الخ) اور مسلم کی روایت میں جمع کا صیغہ ہے یقولون رب فیھم فلان عبد خطاء الحدیث یعنی بہت سے فرشتے کہتے ہیں کہ اے پروردگار ان میں فلاں خطار کار بندہ ہے۔ ان متعدد فرشتوں کی (یا ان میں سے ایک کی) رائے یہ ہے کہ اُس کی مغفرت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس بندہ کا مقصد مجلس ذکر میں حاضر ہونا نہ تھا بلکہ دکسی سے ملنے وغیرہ کی) کوئی اور حاجت تھی لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بقیہ اہل مجلس کی برکت سے اُس کی بخشش بھی ہوگئی ہے ظاہر امر ہے کہ ان فرشتوں کی رائے عدم مغفرت کی ہے لیکن رب تعالیٰ کے فیصلہ کے مقابلہ میں اس غلط رائے کا کیا اعتبار ہے؟ معلوم ہوا کہ معصوم فرشتوں کی رائے میں بھی غلطی اور خطا ہو سکتی ہے۔ والعصمۃ للہ تعالیٰ وحدہٗ۔ یہ یاد رہے کہ ایسی مجالس سے ذکر کی وہ مجالس مراد ہیں جو سنت کے مطابق ہوں اور قرآن کریم اور حدیث شریف وغیرہ کی درس و تدریس

اور تعلیم و تعلّم کی ہوں رقمیں بٹورنے اور حلوے مانڈے کی خاطر ہی شکم سیر مجلسیں نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ

وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الّا نزلت علیھم السکینۃ الحدیث (مسلم ج۲ ص۳۴۵ و ریاض الصالحین ص۳۹۵ وجامع بیان العلم ج۱ ص۱۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے اور اسے ایک دوسرے کو پڑھاتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے (اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے الخ)

خطائے اجتہادی عصمت کے خلاف نہیں

دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور زلّت بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور دل کا قصہ ہی چھوڑیئے۔ خلاصۂ کائنات۔ فخرِ موجودات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی باوجود

کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہونے کے بھی بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زلّت سے دوچار ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غلطی پر برقرار نہیں رکھا۔ وحی کے ذریعہ اصلاح فرما دی۔ مگر حضرات مجتہدینؒ پر چونکہ وحی نہیں اُترتی اس لیے وہ مدت العمر خطاء کا شکار رہ سکتے ہیں۔ اور اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحت سے یہ بحث موجود ہے۔

اسی سلسلہ میں ہم چند واقعات عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) غزوہ بدر میں ستّر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ستّر قتل ہوئے۔ جو گرفتار تھے۔ ان کے بارے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور دیگر اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ اور یہی رائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تھی۔ جب کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی (اور حضرت سعدؓ بن معاذ بھی ان کے ساتھ تھے۔ تفسیر السراج المنیر ج۱ ص۵۸۹) کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کی رائے فدیہ لے کر رہا کرنے کی تھی۔ اس لیے ان سے فدیہ (چار چار سو درہم۔ ابوداؤد ج۲ ص۱۰ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۲۶) لے کر ان کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۔ الآیۃ
(پ الانفال - ۹)

یعنی پیغمبر کو یہ حق نہ تھا کہ وہ لوگوں کو قیدی بنا کر رکھے یہاں تک کہ ان کا خون زمین پر بہا دیتا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی اور انہیں کی تائید میں یہ ارشاد نازل ہوا چنانچہ ترمذی صـ۱۳۴/۲ کی روایت میں ہے۔

ونزل القرآن بقول عمرؓ۔ یعنی حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق قرآن کریم کا یہ ارشاد نازل ہوا۔ اور مستدرک کی روایت میں ہے

فلقی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمؐ عمرؓ قال کاد ان یصیبنا فی خلافك بلاءٌ (مستدرک صـ۳۲/۲ قال الحاکم صحیح الاسناد و قال الذہبی صحیح علی شرط مسلم)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عمرؓ سے ملے اور فرمایا کہ قریب تھا کہ تمہاری مخالفت کی وجہ سے ہمیں (یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کو) تکلیف پہنچتی

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں نے قیدیوں سے جو فدیہ لیا ہے اس کی وجہ سے

لقد عرض عَلَیَّ عذابهم ادنیٰ من هٰذه الشجرة شجرة قریبة من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الحدیث (مسلم صـ۹۳/۲)

کہ مجھے ان کا عذاب اتنا قریب دکھائی دیا جتنا یہ درخت ہے۔ اور قریب ہی ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت صحابہ کرامؓ نے بظاہر مال کی لالچ اور طمع کیلئے فدیہ کو قبول کیا تھا۔ اور یہ رائے مذموم اور قابل گرفت تھی۔ اور آپؐ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو مالی نفع پہنچانے کے لیے یہ رائے قائم کی تھی۔ جو محمود تھی۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو کوئی نہ بچتا، مراد یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ یہ نہیں کہ میں بھی نہ بچتا (کیونکہ پیغمبر دنیوی اور اخروی عذاب الٰہی سے مامون و مصون ہیں۔ صفدر) مگر خدا تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔ (بیان القرآن صـ۹/۴)

(۲) جب منافقوں کی مغفرت کی دعا سے ممانعت کا ارشاد یوں نازل ہوا۔

اِستَغفِر لَھُم اَولَا تَستَغفِر لَھُم اِن تَستَغفِر لَھُم سَبعِینَ مَرَّۃً فَلَن یَّغفِرَ اللّٰہُ لَھُم الآیۃ (پ۱۰۔ التوبہ ۔۸۰)

کہ آپ منافقوں کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تو ہرگز اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔

تو اس کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا اور اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو مخلص صحابی تھے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ میرے والد کا جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ نے شفقت اور دلجوئی کی خاطر وعدہ فرمالیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس منافق کا جنازہ پڑھانے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ جس نے فلاں فلاں دن یہ بات کہی ہے۔

وقد نھاک ربک ان تصلّی علیہ

حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس (جیسوں) پر نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا ہے۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے جواباً ارشاد فرمایا۔

انما خیرنی اللہ فقال استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ وسازیدہ علی السبعین

کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے سو فرمایا ہے کہ تو ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ استغفار کرے گا (تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا) اور میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لیے معافی مانگوں گا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنھُم مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُم عَلٰی قَبرِہٖ الآیۃ (پ۱۰۔ التوبہ ۸۴)

آپ کبھی کسی منافق کی نہ تو نماز جنازہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے۔

یہ مفصل روایت بخاری ص ۶۷۳/۲ میں موجود ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت عمرؓ استغفر لھم الآیۃ سے ممانعت اور نہی سمجھے اور فرمایا کہ وقد نھاک ربک۔ آپ کے رب نے آپ کو منع کیا ہے۔ اور اسی آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تخییر سمجھے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ولا تصل الآیۃ حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں نازل

ہوئی رجیسا کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے اور پردہ وغیرہ کے تقریباً اکیس ۲۱ مقامات میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق ارشادات خداوندی نازل ہوئے۔ حاشیۂ بخاری ص۵۸ ج۱) غور کیجئے کہ رتبہ۔ شان اور درجہ کے لحاظ سے اعلیٰ و افضل کون ہے؟ اور رائے کس کی صحیح نکلی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازعرش تا فرش دنیا و آخرت کی تمام مخلوقات سے علی الاطلاق افضل ہیں۔ اور حضرت عمرؓ اشرف المخلوقات کے ایک فرد اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں سے دوسرے نمبر کے بزرگ ہیں مگر رائے ان کی صحیح تھی۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ ان کی جلالت و عظمت دیکھئے اور ہدہد پرندے کی حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ — میں ایک ایسی چیز کا علم رکھتا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔

(پ۱۹۔ النمل۔۲)

معصوم پیغمبر کے علم وسیع کا اور ہُدہُد پرندے کے علم اور رائے کا موازنہ تو کریں کہ نسبت کیا ہے؟ مگر ایک جزوی واقعہ کا علم ہدہد کو ہے اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں۔

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب کتاب اور عمر رسیدہ بزرگ کا فیصلہ اور ان کے نوعمر فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مفید فیصلہ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ کے الفاظ سے پہلے گذر چکا ہے۔ مگر ڈر ہے کہ کہیں رائے اور اختلاف آراء سے بدکنے والے حضرات یہ نہ کہدیں۔ ؎

گھر لوٹ لیں وفا جو نہیں ہے نہیں سہی
سر کاٹ لیں زباں کے عوض ہاں نہ کیجئے

مجتہد کو خطا کی صورت میں بھی اجر ملتا ہے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم (اور مجتہد) کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ثابت ہو تو اس کو دُہرا اجر اور ثواب ملتا ہے اور اگر اس سے غلطی واقع ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے الفاظ ہی میں سن لیجئے؟

واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ فلہٗ اجر۔ (بخاری ص۱۰۹۲ ج۲ و مسلم ص۷۶ ج۲) — اور جب فیصلہ کرنے اور اجتہاد کرنے میں اس سے غلطی سرزد ہو تو بھی وہ ثواب اور اجر کا مستحق ہے۔

حضرات! جب حقیقی مجتہد کو غلطی پر گرفت تو کیا ہوتی بلکہ اسے ثواب ملتا ہے اور جب شریعت

اسلامی مصلحت وقت کا پورا پورا لحاظ کرتی ہے اور جب انسانوں کے طبقات فہم میں مختلف ہیں۔ اور جب ایک ہی حادثہ میں دو مختلف حکم اور فیصلے بھی حق ہو سکتے ہیں۔

تو اب ارشاد فرمایئے کہ اگر ایک حدیث سے یا قرآن کریم کی آیت سے ایک امام اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اور مصلحت وقت اور طبائع اشخاص اور حالات زمانہ کے مطابق ایک فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اور دوسرے کی سمجھ میں اسکا صحیح مطلب نہیں آتا یا وہ مصلحت وقت کو زیادہ نہیں سوچ سکتا۔ اور اس پہلے امام کے خلاف اپنی فہم کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہے۔ تو اس بیچارے کا کیا قصور ہے؟ اور اگر اس سے غلطی بھی ہو جائے تو اس کو پھر بھی ثواب کی بشارت ہے۔ اور ایسا اختلاف خود مقتضائے بشریت کے بالکل مناسب ہے۔ اس میں بیچارے ائمہ کا کیا قصور ہے؟

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی
وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں جسے

مصلحت وقت

اس سے قبل کہ ہم اس حصہ کو ختم کریں۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کی وسعت اور مصلحت وقت کے لحاظ پر ایک اور صحیح حدیث نقل کر دیں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو امیر لشکر بناتے تو اس کو چند اہم وصیتیں کر چکنے کے بعد ارشاد فرماتے تھے کہ

واذا حاصرت اھل حصن فارادوك ان تنزلھم علی حکم اللہ فلا تنزلھم علی حکم اللہ۔ ولکن انزلھم علی حکمك فانك لاتدری اتصیب حکم اللہ فیھم ام لا (مسلم ج۲ ص۸۲ وابوداؤد ج۱ ص۳۵۲ وترمذی ج۱ ص۱۹۷ وابن ماجہ ص۲۱۰)

جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے مصالحت کرتے ہوئے یہ کہیں کہ جو حکم ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ہے، ہمیں وہ منظور ہے۔ تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر پناہ نہ دینا۔ بلکہ اپنے حکم پر ان کو پناہ دینا۔ کیونکہ تمہیں کیا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے بارے میں تم سے صحیح اور درست ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خانؒ صاحب لکھتے ہیں

فتامل کیف فرق بین حکم اللہ وحکم الامیر

غور اور فکر تو کرو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم اور امیر مجتہد کے

المجتهد و نہی ان یسمی حکم المجتہدین حکم اللہ (الجنۃ ص۱۹) حکم میں فرق اور امتیاز کیا ہے۔ اور اس سے منع کیا ہے کہ مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم کہا اور تصور کیا جائے۔

نواب صاحب موصوفؒ نے دوسرے جملہ میں ہاتھ پاؤں مارنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ کہیں مجتہد کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو جائے بے شک اجتہادی اور قیاسی مسائل میں حاکم کا حکم خدا تعالیٰ کا حکم تو نہیں لیکن لوالامر ہونے کی وجہ سے اس کو حکم صادر کرنے کا حکم رب تعالیٰ نے دیا ہے۔

الغرض ماسبق بحث کے پیش نظر رکھنے سے نواب صاحبؒ کا یہ شاہانہ معمہ یزم قارئین کرام خود آسانی کے ساتھ حل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس میں کلام کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ ایک چیز قابل توجہ ہے وہ یہ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنے سرداران لشکر اور سپہ سالاران فوج کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹا کر اپنے فیصلہ اور حکم نافذ کرنے کی تلقین کرتے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے تو فرمائیے کہ کیا یہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے حکم خداوندی کی خلاف ورزی تو نہیں ہے؟ اگر نہیں تو اس کی علت اور حکمت کیا ہے؟ اور اگر یہی حکمت اور فلسفہ آپ ائمہ مجتہدینؒ کے لیے سمجھ لیں تو اس میں آپ کے لیے کون سی چیز مانع ہے؟ اس حدیث سے آپ معاملہ کی نزاکت تو سمجھ ہی چکے ہوں گے کہ یہاں ایک نہیں بلکہ بے شمار انسانوں کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اور پھر ایسے اہم اور نازک مرحلہ پر امیر فوج بجائے حکم خداوندی کے اپنے حکم پر ان کی موت اور حیات کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ اس کو نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے۔ فریق ثانی جو جواب ارشاد فرمائے گا۔ وہ تو قارئین کرام ان ہی سے سنیئے گا۔ ہم سر دست یہ عرض کرتے ہیں کہ امیر لشکر ہی اصحاب شوریٰ کے مشورہ سے ایسے موقع پر دشمن قوم کے حالات پر بخوبی مطلع ہو سکتا ہے۔ چونکہ امیر لشکر پر وحی تو نازل نہیں ہوتی۔ تاکہ وہ آسمانی حکم سے فیصلہ کر سکے۔ اور ایسے نازک وقت میں مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرنے کی وجہ سے تاخیر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ مجاہدین کو کہیں نقصان ہی نہ ہو جائے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کا انتظار کرے اور پھر شاید کہ اس سے عہدہ برآ بھی نہ ہو سکے۔ اپنے اجتہاد ہی سے فیصلہ کرے تاکہ وہ خود اور اس کی فوج ممکن خدشات اور خطرات سے محفوظ ہے اگر اس کی مزید تائید درکار

ہو تو وہ بھی سن لیجیے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودِ بنی قریظہ کو گرفتار کر لیا تو

فنزلوا علی حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحکم فیھم الی سعد قال فانی احکم فیھم (مسلم ص۹۵ ج۲)

یہود بنو قریظہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا انہوں نے کہا تو اچھا! میں ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں

حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے تمام نوجوان تہ تیغ کر دیے جائیں اور ان کے بچے اور عورتیں قیدی بنالی جائیں۔ اور ان کے اموال تقسیم کر دیے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح حق اور درست فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق تھا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رحم کی اپیل کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور شفقت نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ اس اپیل کے بعد خود ان کے قتل وغیرہ کا حکم صادر فرماتے۔ اس لیے آپ نے قبیلہ بنی اوس کے ایک معزز یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ پر فیصلہ ڈال دیا۔ بنو قریظہ کا لگاؤ، نسبت اور تعلق بھی اسی قبیلہ (بنی اوس) سے تھا۔ اور یہ ان کے حلیف بھی تھے۔ اس لیے آپؐ نے یہ بوجھ حضرت سعدؓ پر ڈال دیا۔ (دیکھیے نووی شرح مسلم ص۹۵ ج۲ وغیرہ)

یا یہ وجہ ہو کہ یہ تورات کا حکم تھا۔ اور یہود کے لیے تورات کا حکم ہی مناسب تھا تورات کتاب استثناء باب ۲۰۔ آیت ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴ میں ہے جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے۔ تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال لوٹ کر اپنے لیے رکھ لینا۔ اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ (ص۱۸۵)

مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب رسول تھے

اس لیے آپ نے تورات پر فیصلہ دینا خود پسند نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت سعدؓ کو کہدیا تاکہ وہ یہود پہ انہیں کی مُسلّم اور قانونی کتاب کا فیصلہ صادر کر دیں یہ وجوہ ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو بہر حال چونکہ حضرت سعدؓ ہی بنو قریظہ کے بارے میں بہتر فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ ان ہی کے سپرد کر دیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں فیصلہ بھی خدا کے حکم کے مطابق ہوا ہے اور پہلی حدیث میں امیر کا فیصلہ ہی کارگر تھا مصلحتِ وقت اور حالات زمانہ کا لحاظ وہاں بھی تھا۔ اور یہاں بھی ہے۔

حضرات! اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند ابحاث آپ کے سامنے عرض کی گئی ہیں۔ کہ فریق ثانی کا تقلید شخصی کو شرک کہنا یا حضرات ائمہ کرامؒ کے آپس میں اختلافات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اور ان سے متعلق بدظن ہونا اور جمہور اہلِ اسلام کی تکفیر کرنا اور ان کو گمراہ اور فاسق کہنا بالکل بے جا اور ظلم عظیم ہے۔ فریق ثانی کو اس سے بالکل باز آجانا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں حدیث من عادیٰ لی ولیا کے پیشِ نظر حضرات سلف وخلف اور بزرگان دین سے عداوت اور دشمنی برا نتیجہ لائے۔ یہ بات بھی ہرگز نہ بھول جانا چاہیئے کہ حضرات ائمہ کرامؒ معصوم نہ تھے ان سے خطا اور غلطی ہو سکتی ہے ایسے غلط مسائل کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے مقابلہ میں تسلیم کرنا بالکل درست نہیں ہے ہم نے جو خاکہ تقلید شخصی کا آپ کے سامنے پیش کیا ہے ہمارے اکابر کا بھی یہی مسلک ہے اگر معاذ اللہ تعالیٰ یہ کفر شرک اور بدعت ہے تو برائے نوازش ایمان توحید اور سنت والا اسلام بتلایا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور اس پہ چلنے والے کون ہیں؟ ورنہ ؎

جاؤ تم عالم فرصت کا تماشا دیکھو — چھوڑ دو گردشِ تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

باب نہم

غیر منصوص احکام میں تقلید جائز ہے

ترک تقلید سے بے شمار مفاسد اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

اصول دین، عقائد اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید[1] ائمہ کرام پر اکتفار درست ہے تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جن پر نصوص قرآن کریم، حدیث شریف اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے صراحۃً روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت بھی پیش آئے گی اور مجتہد کے اس اجتہاد کو تسلیم کرنا بھی امر مطلوب ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے یہ ثابت ہے اگر ایسے غیر منصوص احکام میں لاعلم لوگوں کے لیے تقلید کا دروازہ بند کر دیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بے علم لوگ مادر پدر

---

[1] اس میں اختلاف ہے کہ تحقیق اور غور و فکر کے بغیر سُنے سنائے عقائد پر ایمان لانا معتبر ہے یا نہیں؟ مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاریؒ لکھتے ہیں۔

لصحۃ ایمان المقلد عند الائمۃ الاربعۃؒ وکثیر من المتکلمین خلافاً للاشعریؒ وان کان آثماً فی ترک النظر انتہیٰ (مسلّم الثبوت ص ۲۸۹)

حضرات ائمہ اربعہؒ اور بہت سے حضرات متکلمینؒ کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے اگرچہ ترک تحقیق اور غور و فکر کی وجہ سے گنہگار ہوگا اس میں صرف حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ اختلاف کرتے ہیں

اس سے ثابت ہوا کہ مقلد کا ایمان بھی جمہور کے نزدیک درست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تحقیق نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ مگر کافر نہیں مومن ہے۔

آزاد ہو کر الحاد اور بے دینی کے کھلے پھاٹک سے داخل ہو کر واصل جہنم ہوں گے نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک اور خواہش نفسانی کا ایسا وسیع وعریض باب کھلیگا جس میں داخل ہونے کے بعد آدمی اتنا بے باک ہو جائے گا کہ حضرات ائمہ کرامؒ پر لعن طعن اس کا لذیذ مشغلہ قرار پائے گا اور فقہاء ملت کی دینی مساعی و خدمات اُسے سب سے بڑا عیب نظر آئیگا، ایسے غیر منصوص مسائل میں ہم اختصاراً تقلید کے جواز اور ترک تقلید کے مفاسد پر چند عبارات عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ خطیب بغدادی (ابوبکر احمدؒ بن علی البغدادیؒ المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو نصوص سے ثابت ہے اس میں کسی کی تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

وضرب آخر لا یعلم الا بالنظر والاستدلال کفروع العبادات والمعاملات والفروج والمناکحات وغیر ذٰلک من الاحکام فھذا یسوغ فیہ التقلید بدلیل قول اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ولانا لو منعنا التقلید فی ھٰذہ المسائل التی ھی من فروع الدین لاحتاج کل احد ان یتعلم ذٰلک وفی ایجاب ذٰلک قطع عن المعایش وھلاک الحرث والماشیۃ فوجب ان یسقط (الفقیہ والمتفقہ ص ۶۸ ج ۲ طبع الریاض)

اور دوسری قسم وہ احکام ہیں جو غور و فکر و استدلال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً عبادات و معاملات اور نکاح وغیرہ کے فروعی مسائل" احکام کی اس قسم میں تقلید درست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو۔ علاوہ ازیں اگر ہم دین کے ان فروعی مسائل میں تقلید کو ممنوع قرار دیدیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر آدمی احکام کو دلائل کے ساتھ جاننے کا محتاج ہو اور علوم پر اس کو واجب کرنے سے زندگی کی سب ضروریات کے حاصل کرنے سے انہیں روکنا لازم آئے گا۔ اور کھیتی باڑی اور مویشیوں کی ہلاکت و بربادی لازم آئے گی تو واجب ہے کہ یہ حکم ان سے ساقط ہو۔

ظاہر بات ہے کہ اس جہان میں انسان کو بود و باش اور زندگی کے بھلے بُرے دن بسر کرنے کے لیے مختلف اور متعدد چیزوں کی بنیادی ضرورت ہے اگر ہر آدمی پر فرعی مسائل کو ان کے دلائل

سے جاننا لازم اور واجب کر دیا جائے تو وہ کسب معاش کے تمام کاموں سے معطل ہو کر رہ جائیں گے تو دنیا کا یہ سلسلہ کیسے چلیگا جس کا چلنا مقدر ہو چکا ہے؟

انسان پہ سب وقت گزرتے ہیں جہاں میں — شادی بھی ہے غم بھی ہے ہر ایک مکاں میں

(۲) مشہور مؤرخِ اسلام علامہ عبد الرحمٰن بن محمدؒ المغربیؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں۔

ووقف التقليد فى الامصار عند هؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف وطرقه لما كثر تشعب الاصطلاحات فى العلوم ولما عاق عن الوصول الى رتبة الاجتهاد ولما خشى من اسناد ذلك الى غير اهله ومن لا يوثق برأيه ولا بدينه فصرحوا بالعجز والاعواز وردّوا الناس الى تقليد هؤلاء كلّ من اختص به من المقلّدين وحظروا ان يتداول تقليدهم لما فيه من التلاعب ولم يبق الّا نقل مذاهبهم۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۴۴۸ طبع مصر)

اور تمام شہروں میں ان ائمہ اربعہؒ پر تقلید بند ہو گئی۔ اور دیگر ائمہ کرامؒ کے مقلدین ختم ہو گئے اور لوگوں نے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ علوم کی اصطلاحات پھیل چکی تھیں اور اجتہاد کے رتبہ تک پہنچنا سخت دشوار ہو گیا تھا اور اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ اجتہاد نا اہل لوگوں کے قبضہ میں نہ چلا جائے اور ایسے لوگ اس میں مصروف نہ ہو جائیں جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لیے علماء کرام نے اجتہاد (مطلق) سے عاجز ہونے کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید مخصوص کی طرف لوٹا دیا اور اس امر کو ممنوع کر دیا کہ کبھی کسی امام کی تقلید کی جائے اور کبھی کسی کی اس لیے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا کھیل کے مترادف ہے اور اب دیگر ائمہ کرامؒ کے صرف مذاہب ہی نقل ہوتے ہیں (ان کی تقلید کرنے والے نہیں رہے)

علامہ موصوفؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ گو پہلے بعض دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید بھی ہوتی رہی لیکن آخر کار ممالک اسلامیہ کے تمام شہروں میں علماء کرام کا اتفاق اس امر پر ہو گیا کہ اب تقلید ان چاروں حضرات ائمہ کرامؒ میں بند ہے کیونکہ مطلق اجتہاد تک رسائی مشکل ہے اور نا اہل لوگوں کی رائے اور ان کے دین پر اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا ان حضرات ائمہ کرامؒ پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور جو شخص جس امام کا مقلد ہو تو وہ یہ نہ کرے کہ کسی مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کرے اور کسی میں کسی کی کیونکہ یہ کاروائی دین

کو کھلونا بنا دیگی اور نیز علامہ موصوفؒ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

ومدعی الاجتهاد لهذا العهد مردود علی عقبه مهجور تقلیده وقد صار اهل الاسلام الیوم علی تقلید هؤلاء الائمة الاربعة"

اس زمانہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرنے والا الٹی چال چلتا ہے اور اس کی تقلید متروک ہے اس لیے کہ اب اہلِ اسلام حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید پر ہی کاربند ہیں

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۸)

اس عبارت کا مفہوم بھی واضح ہے کہ اب چونکہ اجتہاد مطلق کی اہلیت لوگوں میں نہیں رہی اس لیے آج اگر کوئی شخص اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرے گا تو اس کا دعوٰے مردود اور باطل ہو گا کیونکہ اب جملہ اہل اسلام حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید ہی کے قائل ہیں اور ان کے علاوہ اور حضرات کی تقلید متروک ہے۔ یہ یاد رہے کہ اگرچہ کامل اور مطلق اجتہاد جس طرح کہ ائمہ مجتہدین کرتے تھے وہ اب ختم ہے لیکن فی الجملہ اور ذیلی اجتہاد پیش آمدہ مسائل میں علماء راسخین کے لیے تا قیامت باقی اور جاری و ساری ہے۔ اس عبارت میں مؤرخ مذکور مقلدین کو اہل اسلام قرار دیتے ہیں مگر بعض غالی غیر مقلدین انہیں مشرک گردانتے ہیں فوا اسفا"

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (احمدؒ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ المتوفی ۱۱۷۶ھ)

اپنی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں کہ

ان هذه المذاهب الاربعة المدوّنة المحرّرة قد اجتمعت الامة او من یعتد به منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هذا وفی ذلك من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جدًا و اشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رأی برأیه

اس میں شک نہیں کہ ان چار مذاہب کی اب تک تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا یا جن کی بات کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اجماع ہے اس لیے کہ یہ مدوّن ہو کر تحریری صورت میں موجود ہیں اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ بھی مخفی نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں بہت ہی زیادہ پست ہو چکی ہیں اور خواہشات لوگوں کے نفوس میں سرایت کر چکی ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی ہی رائے پر نازاں ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۴/۱ طبع مصر)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں الیٰ یومنا ھذا کے الفاظ صراحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب سے حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید شروع ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر آجتک ساری امت یا امت کے اہل حل وعقد اور علماء حضرات کا اس پر اجماع رہا ہے کہ ان کی تقلید جائز ہے اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ امت کا اجماع بڑی وزنی بات ہے۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی لکھتے ہیں کہ

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سِرٌّ الهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون اولا يشعرون

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کرامؒ کے مذہب کی پابندی ایک راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کے دل میں ڈالا ہے انہیں اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔

(انصاف فی بیان سبب الاختلاف ص۹۳ طبع دہلی)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مجتہدین کی تقلید اور ان کی تقلید پر لوگوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی راز اور الہام ہے اس کو وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی پیروی اور نقالی کرتے ہوئے لکھتے ہیں (مگر الهمه الله تعالیٰ العلماء کے الفاظ بالکل پی گئے ہیں۔ وبالجملہ تمذہب برائے مجتہدین ہم سرّ ملہم الٰہی است کہ مردم را براں جمع ساختہ من حیث یشعرون اولا یشعرون (ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۲۷۹)

غرضیکہ غیر منصوص مسائل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید شرعی اور تکوینی دونوں طریقوں سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کارروائی کے لیے علماء کو خصوصی الہام کیا اور اپنے راز سے نوازا ہے۔ یہ بات تو مطلق اور عام تقلید کے متعلق تھی اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید شخصی کے بارے میں بھی حوالہ سن لیجئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

فاذا كان انسان جاهل فی بلاد الهند وما وراء النهر وليس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب هذه المذاهب

سو اگر کوئی جاہل انسان ہندوستان یا ماوراء النہر کے علاقے میں ہو اور اس مقام پر کوئی شافعی۔ مالکی اور حنبلی عالم موجود نہ ہو اور ان مذاہب والوں کی کوئی کتاب بھی وہاں نہ مل سکے تو ایسے شخص پر

وجب علیہ ان یقلد لمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لانہ حینئذ یخلع من عنقہ ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدی مھملۃ بخلاف ما اذا کان فی الحرمین
(انصاف ص۷۰)

صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی تقلید واجب ہو گی اور امام صاحبؒ کے مذہب سے اس کا نکلنا حرام ہو گا اس لیے کہ اس صورت میں وہ شخص شریعت کی پابندی اپنے گلے سے اُتار کر بالکل آزاد اور مہمل ہو جائے گا بخلاف اس کے جب کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہو کیونکہ وہاں چاروں مذاہب کے علماء موجود ہیں کسی سے بھی مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔

پاک و ہند میں رہنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت حنفی مسلک سے تعلق رکھتی ہے اور کسی دوسرے سے تعلق رکھنے والے مسلمان ان کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں اور ان علاقوں میں فقہ حنفی ہی کی کتابیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، اور انہیں کے مطابق فتوے دیئے جاتے ہیں اور ماوراء النہر میں نہر سے جیحون کی نہر مراد ہے۔ جو بدخشاں کے پہاڑوں سے نکل کر مغرب کی سمت بہتی ہے اور اس کے ماوراء۔ بخارا، سمرقند نسف۔ اسفیجاب۔ بجند شاش اذرجند۔ خوارزم اور کاشغر کے شہر مشہور ہیں (نبراس ص۲۴۵) اور ان علاقوں میں احناف اور فقہ حنفی ہی کی کثرت ہے ظاہر امر ہے کہ اگر ان علاقوں میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو منصوص نہیں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ سے اگر کوئی شخص اکڑ کر گردن نکالتا ہے تو دوسرے ائمہ کرامؒ کی فقہ تو وہاں ہے نہیں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ وہ من مانی کاروائی کر کے شریعت کے پٹے ہی کو گردن سے اُتار پھینکے گا۔ اور اسلام ہی کو خیر باد کہہ دے گا ایسے شخص کے لیے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید واجب نہ ہو تو اس کا اسلام کیسے محفوظ رہے گا؟ اور اپنے مقام پر ثابت ہے کہ لاعلمی کے وقت ایسے جاہل کا اہل علم کی طرف رجوع کرنا نص قرآنی سے واجب ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ تو یہ وجوب حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی فقہ سے پورا ہو گا کیونکہ مالکی شافعی اور حنبلی عالم تو ان علاقوں میں ہیں نہیں تو جاہل بیچارہ کیا کرے گا؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو بات فرمائی عین فطرت کے مطابق ہے اس سے صرف وہی شخص انکار کرے گا یا کر سکتا ہے

جو عقل و خرد سے محروم ہو اور حق کی جستجو سے عاری اور تعصب اور ضد کی حالت کو ترک کرتے اور اپنی عادت بدلنے کا خواہاں نہ ہو بقول شاعر ؎

عدو بدلے تو بدلے ہوں مگر ہم تم سے کب بدلے
وہی جیسے کے تیسے ہیں نہ جب بدلے نہ اب بدلے

(۴) الشیخ محمدؒ بن عبدالوہاب النجدیؒ (المتوفی ۱۲۰۶ھ) جن کی شخصیت خود علماء کرام میں خاصی متنازع فیہا ہے علامہ آلوسیؒ اور حضرت گنگوہیؒ باوجود ان کی خامیوں کے ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور علامہ شامیؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کی رائے ان کے بارے میں اچھی نہیں ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے شیخ محمد عبدالوہابؒ کی طرف بعض ایسی چیزیں منسوب ہیں جو غالباً ان میں نہ تھیں اسی سلسلہ میں شاہ فیصلؒ بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے ایک کتاب طبع ہوئی ہے جس کے مصنف الشیخ احمدؒ بن حجرؒ بن محمد آل البوطامی قاضی محکمہ شرعیہ القطر ہیں اور جس کی تصحیح مدینہ یونیورسٹی کے صدر شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الباز نے کی ہے اس کتاب کا نام ہے۔ الشیخ محمدؒ بن عبدالوہابؒ عقیدتہ السلفیۃ و دعوتہ الاصلاحیۃ و ثناء العلماء علیہ اس کتاب کے ص۵۶ میں خود شیخ عبداللہؒ بن محمدؒ بن عبدالوہابؒ کے رسالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

ونحن ایضاً فی الفروع علی مذهب الامام احمدؒ بن حنبلؒ ولا ننکر علی من قلد الائمة الاربعةؒ دون غیرهم لعدم ضبط مذاهب الغیر کالرافضة والزیدیة والامامیة ونحوهم لانقرهم علی شئ من مذاهبهم الفاسدة بل نجبرهم علی تقلید احد الائمة الاربعة ولا نستحق مرتبة الاجتهاد ولا احد منا یدعیها الا انا فی بعض المسائل

اور نیز ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے مذہب کے پابند ہیں اور ہم ان لوگوں پر جو صرف حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید کرتے ہیں اوروں کی نہیں کرتے کوئی انکار نہیں کرتے اس لیے کہ دیگر مذاہب منضبط نہیں ہیں جیسا کہ رافضیوں زیدیہ اور امامیہ وغیرہم کے مذاہب ہم ان کو ان مذاہب فاسدہ کی کسی چیز پر برقرار نہیں رکھیں گے بلکہ ہم ان کو مجبور کریں گے کہ وہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں اور ہم مرتبۂ اجتہاد کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس کا مدعی ہے مگر یہ کہ بعض مسائل میں جب ہمارے سامنے کتاب و سنت کی کوئی

اذا صح لنا نص جلی من کتاب اوسنة غیر منسوخ ولا مخصص ولا معارض باقوای منه وقال به احد الائمة الاربعة اخذنا به وترکنا المذھب الخ بلفظہ (کتاب المذکور ص۵۶)

واضح نص آجائے جو منسوخ اور مخصوص نہ ہو اور اس کا اس سے قوی تر نص سے معارضہ بھی نہ ہو اور حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نے اس کو لیا بھی ہو تو ہم اس کو لیتے ہیں اور اپنے مذہب کو ترک کرتے ہیں۔

اس عبارت سے عیاں ہو گیا کہ محمدؒ بن عبدالوہابؒ اور ان کے پیرو کار غیر مقلد نہیں بلکہ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کے مقلد ہیں اور حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید کو نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیتے ہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک کی تقلید پر مجبور کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور دوسرے مذاہب کو منضبط نہ ہونے کی وجہ سے فاسد قرار دیتے ہیں ہاں نص صریح غیر منسوخ و غیر مخصص اور غیر معارض باقوای کے مقابلہ میں اپنے مذہب کو ترک کر کے نص کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں اور یہی مسلمانوں کا شیوہ ہونا چاہیئے۔

ع وصل اس کا خدا نصیب کرے میرا دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

(۵) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ جو غیر مقلدین حضرات کے مذاہب کے مجدد ہیں ان غیر مقلدین حضرات کی پرزور تردید کرتے ہیں جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد اور غیر منصوص مسائل میں تقلید کرنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

فقد نبتت فی ھذا الزمان فرقة ذات سمعة وریاء تدعی لانفسھا علم الحدیث والقرآن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع انھا لیست فی شیٔ من اھل العلم والعمل والعرفان (الحطة فی ذکر الصحاح الستة ص۶۷)

اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن اور حدیث کے علم اور ان پر عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس فرقہ کو علم عمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

نواب صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے بجا فرمایا ہے ایک تو اس لیے کہ کلام الملوک ملوک الکلام اور

دوسرا اس لیے کہ صاحب البیت ادری بما فیہ سے

گئے دلوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ — عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

نیز لکھتے ہیں۔

فیاللہ العجب من این یسمون انفسھم الموحدین المخلصین وغیرھم بالمشرکین وھم اشد الناس تعصباً وغلوًّا فی الدین (الحطہ ص۶۸)

یعنی اے قوم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے (پیدا کردہ) تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکہ اپنا نام خالص موحد رکھتے اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک کہتے ہیں حالانکہ خود غیر مقلدین سب لوگوں سے بڑھ کر سخت متعصب اور غالی ہیں۔

اور آخر میں لکھتے ہیں۔

فما ھذا دین اِنْ ھٰذا اِلَّا فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (الحطہ ص۶۸)

(یعنی غیر مقلدین کا اپنایا ہوا) یہ طریقہ کوئی دین نہیں ہے یہ تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہے۔

جن جن حضرات کو غیر مقلدین حضرات سے کبھی سابقہ پڑا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ فروعی مسائل میں فتنہ وفساد برپا کرنا اور انتہائی غلو اور تعصب سے کام لینا ہی اس فرقہ کی واضح علامت ہے۔

اور نواب صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ جو ائمہ کرامؒ تم نے بیان کیے ہیں مثلاً امام سفیانؒ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ بن الحسنؒ تو انہوں نے ایسی تقلید نہیں کی جیسی تم کہتے ہو (کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے کسی کی تقلید کرلی جائے۔) اور نہ اس کو انہوں نے کبھی جائز قرار دیا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ ان سے جو منقول ہے۔

فی مسائل یسیرۃ لم یظفروا فیھا بنص اللہ تعالیٰ ورسولہ ولم یجدوا فیھا سوی قول من ھو اعلم منھم فقلدوہ وھذا فعل اھل العلم وھو الواجب اھ (الدین الخالص ص۵۶۶)

وہ تھوڑے سے مسائل میں یوں ہے کہ ان میں انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صراحت نہیں ملی اور ان میں انہوں نے اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں کے قول کے علاوہ اور کچھ نہیں پایا سو انہوں نے اس میں تقلید کی ہے اور اہل علم کا یہی کام ہے اور یہی واجب ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں اہل علم کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے سے اعلم کی تقلید کریں اور یہی واجب ہے رہا نواب صاحبؒ کا یہ کہنا کہ مسائل یسیرۃ (تھوڑے سے مسائل) میں ایسا ہوا ہے تو یہ حقیقت ثابتہ کا کھلا انکار ہے کیونکہ جن مسائل میں مقلدین نے تقلید کی ہے وہ بے شمار مسائل ہیں جو مسائل کثیرۃ کا مصداق ہے نہ کہ یسیرۃ کا

اور نواب صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ

واما تقليد من بذل جهده في اتباع ما انزل الله تعالى وخفي عليه بعضه فقلد فيه من هو اعلم منه فهذا محمود غير مذموم ومأجور غير مأزور كما سيأتي بيانه عند ذكر التقليد الواجب والسائغ انشاء الله تعالى۔

(الدین الخالص ص۵۱۵)

بہر حال جو شخص اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالےٰ کے اتارے ہوئے احکام کی اطاعت کرتا ہے اور اس میں اگر بعض چیزیں اس پر مخفی رہ جائیں اور ان میں وہ اپنے سے زیادہ علم اور سمجھ والے کی تقلید کرے تو اس کا ایسا کرنا پسندیدہ امر ہے مذموم نہیں اور اس میں اس کو ثواب ملیگا اس پر گناہ کچھ بھی نہ ہوگا جیسا کہ تقلید واجب اور جائز کے ذکر میں آئندہ اس کا بیان آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ

اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ لاعلمی کے وقت اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید محمود اور پسندیدہ ہے اس میں اجر اور ثواب تو ہوگا لیکن گناہ کچھ نہ ہوگا۔

اور لاعلمی کے وقت تقلید کے جواز پر علامہ ابو عمرو عثمانؒ بن عمرؒ ابن حاجبؒ (المتوفی ۶۴۶ھ) اور امام شعرانی عبد الوہابؒ بن احمد بن علیؒ (المتوفی ۹۷۳) نے بھی خاصی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو علی الترتیب قمع اہل الزیغ والالحاد ص۵۴ اور میزان الکبری ص۳۰ ج۱)

(۶) حضرت مولانا محمد عبد الحی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) باطل اور نیچری فرقہ کی تردید کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ

ولعمري افساد هؤلاء الملاحدة وافساد اخوانهم الاصاغر المشهورين بغير المقلدين الذين سموا انفسهم

مجھے اپنی زندگی (کے خالق) کی قسم ان ملحدوں کا فساد برپا کرنا اور ان کے چھوٹے بھائیوں کا فساد برپا کرنا جو غیر مقلدین سے مشہور ہیں اور جو اپنے آپ کو اہلحدیث

باهل الحديث وشتان ما بينهم وبين اهل الحديث قد شاع فی جميع بلاد الهند وبعض بلاد غير الهند فخربت به البلاد ووقع النزاع والعناد فالى الله المشتكی واليه المتضرع والملتجا بدا الاسلام غريبا وسيعود غريبا فطوبى للغرباء ولقد كان حدوث مثل هؤلاء المفسدين والملحدين فی الازمنة السابقة فی ازمنة السلطنة الاسلامية غير مرة فقابلتهم اساطين الملة وسلاطين الامة بالصوارم المنكية واجروا عليهم الجوازم المفنية فاندفعت فتنتهم بهلاكهم ولما لم تبق فی بلاد الهند فی اعصارنا سلطنة اسلامية ذات شوكة وقوة عمت الفتن واوقعت عباد الله فی المحن

وانا لله وانا اليه راجعون انتهى بلفظہ

کہلاتے ہیں اور انہیں محدثین کرامؒ سے کیا تعلق اور نسبت ؟ یہ لوگ ہندوستان کے سب شہروں میں اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے بعض شہروں میں پھیل چکے ہیں اور ان کی وجہ سے شہروں میں خرابی جھگڑا اور عناد واقع ہو چکا ہے سو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکوہ عاجزی اور التجا ہے اسلام کی ابتدار بھی غربت میں ہوئی اور لوٹے گا بھی یہ غربت میں سو غرباء کے لیے خوشی ہو بے شک ایسے مفسد اور ملحد پہلے زمانوں میں اور اسلامی سلطنت میں کئی مرتبہ ظاہر ہوئے لیکن اکابر ملت اور امت کے بادشاہوں نے ان کا مقابلہ قاطع تلواروں سے کیا اور ان پر کاٹنے اور فنا کرنے والی تلواریں چلائیں اور ایسے ملحدوں کی ہلاکت سے یہ فتنہ ختم ہوا مگر ہمارے زمانہ میں جب کہ ہندوستان میں دبدبے اور قوت والی اسلامی سلطنت ہی باقی نہ رہی تو یہ فتنے عام ہو گئے اور ان فتنوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مشقتوں میں مبتلا کر دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

(الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة صفحہ ۲۴۸ طبع یوسفی لکھنؤ الملحق بامام الکلام)

حضرت مولانا لکھنویؒ کے اس بیان کو غیر مقلدین حضرات غلط اور کم از کم تعصّب اور غلوّ سے تعبیر کریں گے اور اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے حواریوں کے نفوس کو تسلّی دیکر مطمئن کریں گے لیکن مولانا مرحوم کا یہ بیان ایک خالص حقیقت ہے جس کا انکار بغیر کسی متعصب اور غالی کے اور کوئی

نہیں کریگا اور نہ کر سکتا ہے؟ کیونکہ ؎

ستم کیشی کو تیری کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا — اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

(۷) مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی (المتوفی ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں پچیس[۲۵] برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں انتہیٰ بلفظہٖ (رسالہ اشاعۃ السنۃ ۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء ماخوذ از خیر التنقید ص۶)

مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے مولانا موصوف خود غیر مقلد ہیں اور ان کے خطاب کا رخ بھی غیر مقلدین حضرات ہی کی طرف ہے کہ بے علم کے لیے ترک تقلید کفر و ارتداد کا ذریعہ ہے اور ربع صدی کے طویل اور صحیح تجربہ کے بعد مولانا موصوف نے یہ فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا وہ بالکل بجا اور صحیح فرمایا ہے، اس لیے کہ جاہل کے لیے واقعی ترک تقلید ارتداد کا کھلا دروازہ ہے۔ عبد اللہ چکڑالوی۔ اسلم جیراجپوری۔ نیاز فتح پوری، ڈاکٹر غلام جیلانی برق (جو حدیث کے منکر تھے لیکن اب ہماری کتاب صرف ایک اسلام کے مطالعہ کے بعد وہ اپنے غلط نظریہ سے رجوع کر چکے ہیں) ڈاکٹر احمد دین اکالگڑھی علامہ مشرقی۔ چودھری غلام احمد پرویز۔ تمنا عمادی اور حتّٰی کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی اسی ترک تقلید کے چور دروازے سے بالآخر ارتداد کی منزل میں پہنچے ہیں اور مولانا مودودی صاحب نے بھی جن بعض بنیادی مسائل میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور جن بعض مسائل میں پوری ملت اسلامیہ اور سلف صالحین کے مدمقابل کمر ٹھونک کر کھڑے ہو گئے ہیں یہ سب ترک تقلید ہی کا نتیجہ ہے ہم نے مؤخر الذکر کے علاوہ (ان کے متعلق ہم نے مودودی صاحب کے چند غلط فتوے میں مختصر سی بحث کی ہے وہاں ہی دیکھ لیں) باقی سب کی خود اپنی عبارات انکار حدیث کے نتائج میں پیش کر دی ہیں کہ اسلام۔ مذہب اسلام کے بنیادی عقائد اور احادیث کے بارے میں ان کے کیا کیا نظریات ہیں؟ وہ آپ حضرات اسی میں ملاحظہ فرمائیں صرف دو حوالے ہم یہاں عرض کرتے ہیں غور فرمائیں۔

۷۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں کہ۔ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان سب کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے قصہ مختصر یہ کہ اولین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی (بلفظہٖ من ویزدان حصہ اوّل صـ۴۷۵) جناب نیاز صاحب ترکِ تقلید کر کے اور اپنی جگہ غور کر کے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اُس کی داستان تو بہت دراز ہے لیکن صرف چند حوالے ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں

(۱) سب سے بڑی واہمہ پرستی جو سرچشمہ ہے اور بت سے اوہام کا معجزہ کا اعتقاد ہے۔

(من ویزدان حصہ اول صـ۴۹۱)

(۲) صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔

(بلفظہٖ من ویزدان حصہ اوّل صـ۴۹۷)

(۳) میں اس سے قبل بھی بارہا لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب تک مذہب کا وجود باقی ہے دُنیا کا امن و سکون خطرہ میں ہے (بلفظہٖ من ویزدان صـ۴۹۴ حصہ اوّل)

(۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتقداتِ مذہبی سے ہم کو کیا نقصان پہنچتا ہے اگر ہم دوزخ و جنّت حور و قصور جنّ و ملک معجزہ و خرق عادات وغیرہ پر عقیدہ رکھتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ جب کہ ان عقائد کا مقصود بھی اصلاح اخلاق ہے بظاہر یہ بات قرینِ عقل معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت ان عقائد کے نقصانات حد درجہ مہلک ہیں یہ معتقدات چونکہ یکسر روایات پر مبنی ہیں اور عقل و درایت کا ان سے کوئی تعلق نہیں اس لیے ان کو صحیح سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ذہن حقائق کی جستجو سے منحرف ہو جاتا ہے اسباب و نتائج کے رابطہ کو سمجھنے کی اہلیت ہم میں باقی نہیں رہتی انسان کے تمام قوائے ذہنی مضمحل ہو جاتے ہیں اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔

(بلفظہٖ من ویزدان حصہ اوّل صـ۴۹۳)

قارئین کرام انصاف سے غور فرمائیں کہ ترکِ تقلید کیا رنگ اور کیا نتیجہ لائی ہے کہ اسلام کے

بنیادی عقائد ہی سے انحراف کر کے نیاز صاحب ارتداد کو اختیار کر چکے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر احمد دین صاحب لکھتے ہیں کہ۔ اور ہم لوگ بھی وحدت الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہلحدیث بنے تھے پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدتِ الٰہی کے وہ شرک ہے جو نہایت سمجھ سوچ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے (بلفظہٖ پیغام توحید ص۱۶)

اور لکھتے ہیں کہ۔ کیونکہ کتب صحاح ستہ قطعی طور پہ قرآن مجید کے خلاف ہیں (بلفظہٖ ص۵)

یہی ڈاکٹر احمد دین صاحب جو ترک تقلید کر کے اہلحدیث بنے پھر ترقی کر کے یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ حضرات مصنفین صحاح ستہ کے نام اور ان کے سنین وفات ذکر کرتے ہیں اور نام یہ بتاتے ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی، پھر آگے لکھتے ہیں۔ یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات کے طوفان کے تیار کرنے والے ہیں جو مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کے اصل موجد ہیں جنہوں نے وفات جناب رسول اللہ کے اڑھائی سو سال کے بعد مختلف فرقوں کی بنیادیں قائم کی ہیں یہ لوگ مسلمانوں کے امام بنائے جاتے ہیں جو محمد رسول اللہ کے نام کی طرح ہی مانے جاتے ہیں ان اماموں نے اپنی بائیبل کی جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افتراء کو رسول اللہ کے نام پہ لوگوں کو منوائی ہیں۔

(بلفظہٖ پیغام اتحاد بالقرآن ص۴)

اور نیز صحاح ستہ کے مصنفین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جناب محمد رسول اللہ اور مومنین نے جس وقت تبلیغ قرآن کی شروع کی تھی تو مخالفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مخالفت کرنے لگے اور ہر طرح سے تبلیغ کو رد کرتے رہے الیٰ ان قال یہ مذکور جماعت مخالفین کی ہے جس کی بابت قرآن مجید میں مفصل ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے یہی جماعت منافقین ترقی کرتے ہوئے بعد وفات جناب محمد رسول اللہ کے کچھ زمانہ گذر جانے کے بعد یہ کتابیں بنا کر اپنے مذہب بائیبل کی اشاعت کرنی شروع کر دی۔ (بلفظہٖ پیغام اتحاد بالقرآن ص۱۲)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ترک تقلید کا پھل اور ثمرہ کیا برآمد ہوا مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

بانی فرقہ چکڑالویہ غیر مقلد تھا

مولوی عبد اللہ چکڑالوی بانی فرقہ منکرین حدیث غیر مقلد تھا۔ چنانچہ محقق مورخ شیخ محمد اکرام صاحب اس فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں اور یہ اپنے

آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں اس گروہ کا بانی مولوی عبد اللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث تھا (موج کوثر ص۵۲ بحوالہ ترک تقلید کے بھیانک نتائج ص۴۵) اور اس فرقہ نے احادیث اور حضرات محدثین کرام سے جو تمسخر کیا ہے وہ اہل وطن سے مخفی نہیں ہے تفصیل کے لیے راقم اثیم کی کتاب انکار حدیث کے نتائج، صرف ایک اسلام چالیس دعائیں اور شوق حدیث وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۹۰۸ء) غیر مقلد تھا

جو جو مسائل غیر مقلدین حضرات کے ہیں سوائے چند کے مرزا صاحب اور ان کی ذریت کار بند ہے۔

(۱) سورۃ فاتحہ خلف الامام کو ہم فرض سمجھتے ہیں ضرور پڑھنی چاہیئے میں بھی پڑھتا ہوں اور مسیح موعود علیہ السلام بھی پڑھتے تھے (فتاوی احمدیہ از حکیم الامت ص۳۳ ج۱ ومثلہ خطبہ الہامیہ ص۱۳۱) اور سیرت المہدی حصہ دوم ص۴۹ میں ہے کہ مرزا صاحب قرأۃ الفاتحہ خلف الامام کے قائل تھے (محصلہ) اور ملفوظات ص۲۰۱ ج۱ میں ہے کہ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو ہر حالت میں اس کو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔

ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لکھتا ہے کہ۔ مرزا صاحب امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور سینے پہ ہاتھ باندھا کرتے تھے لیکن امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو مردود کبھی نہیں قرار دیا۔

(مجدد اعظم ص۲۳۳ ج۲)

(۲) مرزا صاحب آٹھ تراویح کے قائل تھے سیرۃ المہدی حصہ دوم ص۱۳

(۳) جرابوں پر مسح کے قائل تھے " " " ص۲۶ و ص۲۹

(۴) جمع بین الصلوتین کے قائل تھے نہج المصلی ص۱۹۵ ج۱ و " " " ص۸۸

اور ذکر حبیب ص۱۱۱ مؤلفہ مفتی محمد صادق صاحب میں ہے۔ تب حضور نے عدالت سے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی اور باہر آکر برآمدے میں ہی ہر دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ اور ملفوظات احمدیہ ص۲ ج۱ میں جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے۔

(۵) اکل ضب یعنی گوہ کھانے کے بھی قائل تھے (سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۳۲)

(۶) ہاتھ سینے پہ باندھتے تھے (ذکر حبیب ص۲۴ ونہج المصلی ص۲۷ ج۱ یعنی فتاوی احمدیہ)

(۷) حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم ہمیشہ نمازمیں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے اور آخری رکعت

میں بعد رکوع کھڑے ہوکر باآواز بلند دعائیں (قنوت) کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر بزرگان دین نے سالہا سال حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی اقتدار میں نماز پڑھیں (ذکر حبیب ص۲۴)
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اپنی قرأت میں ہمیشہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ سے پہلے بالجہر پڑھتے تھے اور فجر اور مغرب اور عشاء کی آخری رکعت میں بعد رکوع عموماً بلند آواز سے بعض دعائیں ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ پڑھا کرتے تھے (ذکر حبیب ص۲۳)

(۸) عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں۔ خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو اس میں قصر اور سفر کے مسائل پر عمل کرے (ملفوظات احمدیہ ص ۱۹۹/۱۶)

(۹) یہ بدعت ہے حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد دعا کی جائے (ذکر حبیب ص۲۰۲)

قارئین کرام! یہ جملہ وہ مسائل ہیں جن پر غیر مقلدین حضرات کا عمل ہے اور یہی مرزا غلام احمد قادیانی کے معمولات تھے۔

حکیم نور الدین بھی غیر مقلد تھا

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلیفہ اوّل حکیم نورالدین غیر مقلد تھے چنانچہ مصنف تاریخ احمدیت لکھتے ہیں کہ۔ حرمین سے واپسی پر نورالدین نے وہابیّت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کیے اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں بھیرہ میں ہیجان عظیم برپا ہوگیا (تاریخ احمدیت ص ۶۹/۴ بحوالہ ترک تقلید کے بھیانک نتائج مولانا بشیر احمد قادری)

سر ظفر اللہ خان کا دادا غیر مقلد تھا

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان لکھتے ہیں کہ۔ میرے دادا چودھری سکندر خاں صاحب مرحوم اپنے علاقہ کے بڑے بارسوخ زمیندار تھے جہاں تک مجھے معلوم ہوسکا ہے وہ اہلحدیث فرقے سے تعلق رکھتے تھے (تحدیث نعمت ص ۳ بحوالہ ترک تقلید کے بھیانک نتائج ص۵)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جب حضرات سلف صالحینؒ پر اعتماد ترک کر کے اپنی رائے سے عربی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے تو خود غیر مقلدین حضرات بھی اس سے بوکھلا اٹھے چنانچہ ان میں سے بعض خدا ترس حضرات نے پرزور الفاظ میں اس کی تردید کی ذیل کے حوالے غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جو حضرت امام مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر (عربی) کو جماعت اہلحدیث کے لیے ایک فتنہ قرار دیا اور کہا کہ مرزائی فتنہ سے یہ زیادہ فتنہ ہے اگر آپ حضرات نے کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھایا تو پھر کس سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے؟ بلفظہٖ (فیصلۂ مکہ صا مرتبہ عبدالعزیز سیکرٹری مرکزیہ اہلحدیث ہند لاہور)

(۲) شیخ محمد بن عبداللطیف آل محمد بن عبدالوہاب کا فیصلہ۔

مولوی ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں حلولیہ۔ اتحادیہ۔ جہمیہ اور معتزلہ کے مذاہب کو جمع کر رکھا ہے اور اپنی تائید میں ان لوگوں کے اقوال نقل کیے ہیں جو نہ حجت کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں اور نہ ان لوگوں کے متعلق (محدثین کی) اچھی رائے ہے پس نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے۔ اور نہ اس کی اقتدار جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے میں نے اس پر حجت قائم کر دی ہے مگر وہ اپنی بات پہ اڑا رہا پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں پس اس سے بچنا اور کنارہ کشی اختیار کرنا واجب ہے

(فیصلۂ مکہ صـ۱۷ ترجمہ بلفظہٖ)

(۳) شیخ حسن بن یوسف الدمشقی مدرس حرم نے طویل فیصلہ میں یہ بھی لکھا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ تفسیر جو مولوی ثناء اللہ کی طرف منسوب ہے اور وہ ایک برا آدمی ہے۔ اپنی خواہشات کا غلام ہے اور اپنے نفس کا قیدی اور بدبختی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی کلام میں کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکتا مگر وہی جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو اور شیطان اسکی بدعت اور خواہشاتِ نفس کا رفیق بن چکا ہو (ترجمہ بلفظہ صـ۱۸ و ۱۹)

اور نیز لکھتے ہیں کہ

اور مولوی ثناء اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح احادیث اور تفاسیر صحابہؓ کے مخالف ہے اور سلف صالحینؒ اور قرون ثلاثہ کے اجماع کے خلاف ہے (صـ۱۹)

(۴) سلیمان بن محمد بن جمہور النجدی اپنے بیان میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ

پس تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں جن آیات کی تفسیر میں نے دیکھی ہے اس کا مفسر خود بھی گمراہ ہے

اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جہمی ہے الیٰ قولہٖ پس مسلمانوں پر تو یہ واجب ہے کہ مولوی ثناء اللہ سے مقاطعہ کریں اور حکام کا یہ فرض ہے کہ اس کو زجر و توبیخ کریں۔ اگر بایں ہمہ وہ توبہ نہ کرے تو نہ تو اس کو سلام کہا جائے اور نہ اس کے ساتھ نشست و برخاست کی جائے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور نہ اس کی قبر پہ دعا کے لیے کھڑا ہو (ص۲۰)

(۵) شیخ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل بشر۔ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں کہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تفسیر کلام الٰہی صحیح احادیث نبویہ اہل حدیث اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کی تفسیر کے خلاف ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا جائے بلکہ تردید کی غرض سے دیکھنے کے سوا اس کا دیکھنا بھی حرام ہے اور اسی طرح یہ مفسر اس قابل ہے کہ اس کا مقاطعہ کیا جائے (ص۲۱)

(۶) مولانا عبد الواحد غزنوی نے بھی مولوی ثناء اللہ کو خط لکھا کہ۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہاری تفسیروں اور کلام مبین وغیرہ تالیفات میں یہ یہ مسائل آمنت باللہ کے برخلاف ہیں الخ (ص۱)

(۷) مقام آرہ میں غیر مقلدین حضرات کے منصفین کی ایک جماعت بیٹھی جن کے ایک رکن مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی بھی تھے انہوں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے مقامات مذکورہ بلاشبہ ایسے ہیں کہ فرق ضالہ کے خیالات کو تائید پہنچا سکتے ہیں اور اہل سنت اہل حدیث کے مخالف اس سے خوش ہوں اور عند المقابلہ اس تفسیر سے تمسک کریں (فیصلہ آرہ ص۴۷)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الاحد خانپوری لکھتے ہیں کہ۔ اور ثناء اللہ ملحد۔ زندیق جعد اور جہم سے ہزار درجہ بدتر ہے بلکہ تمام کفار روئے زمین سے بدتر ہے چنانچہ کتاب اظہار کفر ثناء اللہ میں ص۱۲ سے ص۱۳۹ تک بہت وجوہ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ جعد بن درہم اور جہم بن صفوان سے زیادہ تر قتل کا مستحق ہے اگر حکومت اسلام کی ہو بلفظہٖ (الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ بین اہل السنۃ وبین الجہمیۃ الثنائیۃ ص۶ مطبوعہ امان سرحد بھٹی پریس راولپنڈی)

• اور نیز لکھتے ہیں۔ کہ اس ثناء اللہ ملحد زندیق کا قتل تمام علمائے تابعینؒ کے اجماع سے بلکہ ہر قرن کے تمام علمائے اہل سنت کے اجماع سے ثابت ہے الخ (ص۶)

اور نیز تحریر کرتے ہیں کہ۔ اور ثناء اللہ کشمیری تو سب اہل اہوا سے زیادہ بُرا بلکہ آریوں سے بھی بدتر ہے تو اس سے بطریق اولیٰ بچنا ضروری ہوا کیونکہ مرتد منافق زندیق ہے بلکہ باقی چیلے ثناء اللہ

مبتدع کے بھی بدعت محدث ہیں جو سال بسال بطور عادت کے کیے جاتے ہیں الخ (صہ ۱۹)

اور ان کے کفر کی ایک مثال یوں بیان کی ہے کہ۔ یہاں راولپنڈی میں آریہ کے ساتھ بحث کرنے کو آیا اور اشتہار دیا اور عوام کو جمع کیا اور آریہ کو سٹیج پر کھڑا کیا اس آریہ نے قرآن پہ اعتراض کیا کہ قرآن میں لکھا ہے۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر ہے تو اللہ اپنی مثل بنانے پر بھی قادر ہے یا نہیں؟ سو اس اجہل الناس نے کہا کہ ہاں قادر ہے اپنی مثل بنا سکتا ہے دیکھو اس اکفر الکافرین اجہل الناس کو کہ اس خبیث کے پلید مُنہ سے کتنا کفر عظیم نکلا جس کا کوئی کافر بھی قائل نہیں ہو سکتا" الخ بلفظہٖ صہ ۲۱)

(۸) مولانا عبد الحق غزنوی نے اس تفسیر کے رد میں مستقل رسالہ الاربعین لکھا ہے جس میں اس باطل اور محرف تفسیر کا اور اس میں درج شدہ بعض مسائل کا خوب تعاقب کیا ہے اور چالیس صریح غلطیاں بیان کی ہیں اور ابتدا میں لکھتے ہیں کہ آجکل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری الوطن میری نظر سے گذری تفسیر کیا ایک اغلاط کا مجموعہ تاویلات کا ذخیرہ دیکھا تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط۔ معانی غلط، استدلالات غلط بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ دی اھ (الاربعین صہ ۳ پرنٹنگ پریس لاہور)

اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ ناحق اہلِ حدیث کو بدنام کر رہا ہے بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہلِ سُنّت وجماعت سے خارج ہے فلاسفہ اور نیچریوں اور معتزلہ کا مقلد ہے ناسخ منسوخ۔ تقدیر۔ معجزات۔ کرامات۔ صفات باری تعالیٰ۔ دیدار الٰہی۔ میزان۔ عذاب قبر۔ عرش لوح محفوظ۔ دابۃ الارض۔ طلوع شمس از مغرب وغیرہ وغیرہ جو اہل سنت میں مسائل اعتقادیہ اجماعیہ ہیں اور آیات قرآنیہ اُن پہ شاہد ہیں اور علماء اہل سنت نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق جن آیات کی تفاسیر ان مسائل کے ساتھ کی ہے انہوں نے مولوی ثناء اللہ نے اُن سب آیتوں کو بتقلید کفرۂ یونان وفرقہ ضالہ معتزلہ وقدریہ وجہمیہ خذلہم اللہ محرف ومبدل کر کے سبیل مؤمنین چھوڑ کر اپنے آپ کو وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا کا مصداق بنایا اہل سنت وجماعت تو درکنار تفسیر نبوی سے کچھ سروکار نہیں اکثر تفسیر نبوی سے برخلاف تفسیر کی ہے الخ (صہ ۵)

اس کے بعد قرآن کریم کی چالیس ۴۰ آیات کی غلط تفاسیر بقید حروف نقل کر کے اور ان کا رد کر کے آخر میں سابق متحدہ ہندوستان کے تقریباً اسی ۸۰ علماء کرام آن تفاسیر کے غلط اور تفسیر بالرائی ہونے پر دستخط ثبت ہیں جن میں چار حضرات دیوبند کے مسلک سے متعلق ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن صاحبؒ بقیہ اکثر حضرات غیر مقلد ہیں مولانا عبد الواحد بن مولانا عبد اللہ الغزنوی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری کو خود رائی و خود بینی نے تباہ کر کے یہاں تک پہنچایا کہ اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے سلف صالحینؒ تو بجائے خود رہے وہ احادیث سے بھی مستغنی ہوا۔

(الاربعین ص ۵۴)

ظاہر امر ہے کہ حضرات سلف صالحینؒ پر اعتماد ترک کر کے اور اپنی رائے پر بھروسہ کر کے یہی کچھ ہو سکتا ہے جس کے چند نمونے قارئین کرام نے بخوبی ملاحظہ کر لیے ہیں جن سے اہل اسلام کے کلیجے شق ہوتے ہیں آنکھیں پُرنم ہیں اور دل سیماب کی طرح لرزتا ہے ؎

ٹپک اے شمع! آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

ان کی مزید چند باتیں ملاحظہ فرمالیں

(۱) قرآن کریم میں صاف مذکور ہے کہ میت صاحب اولاد کی بیوی کو خاوند کے ترکہ سے ثمن (یعنی آٹھواں حصہ) ملتا ہے۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کو چوتھا حصہ ملے گا۔ اسی طرح قرآن کا یہ حکم ہے کہ میت غیر صاحب اولاد کی بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب اسے آٹھواں حصہ دلاتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر میت کی فقط دو ہی لڑکیاں ہوں تو ان کو جائداد سے ثلثین (یعنی دو تہائی مال) حاصل ہوگا۔ مگر مولانا موصوف ان کو نصف دلاتے ہیں۔ (دیکھئے البرہان الساطع ص ۲۸ و ۲۹)

(۲) قرآن کریم میں بیوہ کی فقط دو ہی عدتیں ہیں کہ اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر غیر حاملہ ہے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ مگر مولانا موصوف سے سوال ہوتا ہے کہ بیوہ جس کو مرد نے مس نہیں کیا۔ بلکہ سسرال کے گھر ہی نہیں آئی۔ نہ متوفّٰی اس کے گھر گیا ہے

اس کی عدت پانے کی شرعاً کیا وجہ ہے۔ جواب :۔ عورت مذکورہ پر کوئی عدت نہیں۔ قرآن شریف میں ہے مالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا (اخبار اہلحدیث ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء)

حالانکہ اس آیت میں پہلے صاف مذکور ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ	اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ	پھر ان کو قبل ہاتھ لگانے کے طلاق دیدو۔ تو تمہاری ان
فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا	پر کوئی عدت نہیں جس کو تم شمار کرنے لگو۔

یہ عدت مطلقہ عورت کی ہے نہ کہ بیوہ کی۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب یہ عدت بیوہ کی بتلاتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم میں بیوہ کی عدت بصورت حمل وضع حمل۔ اور بصورت غیر حمل چار ماہ اور دس دن ہے۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب سے سوال ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت کے کتنے ایام مقرر ہیں۔ وہ ایام کس طرح پر ادا کیے جائیں۔ جواب :۔ بیوہ کی عدت خود قرآن مجید میں منصوص ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ تین طہر یا تین حیض پورے کرے۔ (اخبار اہلحدیث ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء)

قارئین نے دیکھ لیا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب کی گنگا ہی الٹی ہے۔ قرآن میں تو یہ تھا کہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ	اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھے
ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (پ ۲۔ بقرہ)	تین حیض۔

یہ اس مطلقہ کی عدت ہے جسے حیض آتا ہو (اور حاملہ نہ ہو حاملہ کی عدت وضع حمل ہے) اور جس کو حیض نہ آتا ہو۔ کم سنی یا کبر سنی یا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی عدت قرآن نے تین ماہ بتلائی ہے۔

(۴) مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ سوتیلی دادی اور رضاعی نانی سے اور رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔ اور قرآن کریم میں پہلے دو دلالۃ النص سے اور تیسرا عبارت النص سے مذکور ہے۔ مگر مولانا ثناء اللہ صاحب ان سب کا نکاح جائز قرار دیتے ہیں (بحوالہ البرہان الساطع ص ۱۹)

کہاں تک لکھا جائے! آپ دیکھ چکے کہ ترکِ تقلید اور تقلید سے نفرت کیا کیا ثمرات لائی۔

ایک لطیفہ پر یہ بحث ختم کی جاتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

ماں نے زنا سے مال حاصل کیا۔ بیٹا توبہ کرلے تو مال حلال ہو سکتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث ۲۵ر شوال ۱۳۴۳ھ)

واہ رے! مولانا ثناء اللہ صدقے جاؤں تیرے۔ ؎

اک عداوت سے تری لاکھ محبت ہم کو
اک بگڑنے سے ترے لاکھ درستی اپنی

تأسف بالائے تأسف ترکِ تقلید کے نتائج ہر کہ و مہ کیلیے انتہائی بھیانک ہیں جن میں سے بعض آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں اور بات بہت طویل ہے ؎

اندکے با تو گفتم و غمِ دل ترسیدم
کہ آزردہ شوی و گرنہ سخن بسیار است

مگر ہزار در ہزار افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرات کو فقہ اور تقلید کے عیوب خود تراشیدہ تو نظر آتے ہیں لیکن ترک تقلید کا کوئی نقصان اور عیب نظر نہیں آتا ردِّ تقلید پر جو کتابیں ان حضرات نے تالیف کی ہیں وہ اس نظریہ سے پُر ہیں کم فرصت آدمی کو نتائج التقلید ہی ملاحظہ کر لینی چاہیے ہم یہاں مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد المجید صاحب خادم سوہدری کا حوالہ عرض کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں

"تو حنفی امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ امام ابو حنیفہؒ تیرہ سال بڑے ہونے کے باوجود امام مالکؒ کے شاگرد تھے اور ان سے سماعت حدیث کرتے تھے علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں اسکی عمدہ تفصیل لکھی ہے پس حقیقت یہ ہے کہ امام مالکؒ و امام نعمانؒ یعنی استاد و شاگرد میں تو کوئی اختلاف کوئی تباین نہ تھا۔ یہ نفرت و کدورت ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی اور اس کی ذمہ داری اہل الرائے و اہل التقلید پر عائد ہوتی ہے جو اس کوشش میں اب تک لگے ہوئے ہیں کہ دنیا میں حدیث کا نام و نشان نہ رہے بس وہی فقہ باقی رہے جو اختلافات و محدثات سے پُر ہے اور جس میں ظن و قیاس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا بلفظہٖ" (تاریخ المشاہیر حصہ دوم ص۱۶)

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیے اور اس تعصب اور اہل فقہ سے نفرت و عناد کو دیکھیے جو غیر مقلدین کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے کہ انہیں کتب حدیث میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا اور جعلی اور موضوع منکر و معلول حدیثوں کا انبار دکھائی نہیں دیتا اور فقہ کے اختلافات و محدثات انہیں ساون کے اندھوں کی طرح ہمہ وقت ہرے بھرے نظر آتے ہیں اور کتب فقہ میں مقام استدلال میں قرآنی آیات احادیث اور آثار حضرات صحابہ کرامؓ سے نظر بالکل چوک جاتی ہے۔ ان کا نام تک نہیں لیتے اور جن مقلدین حضرات کی کوشش سے کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب اسماء الرجال وغیرہ مرتب و مدون ہوئیں وہ حدیثی خدمت انہیں بالکل نظر نہیں آتی بلکہ اُلٹا یہ کہتے ہیں کہ مقلدین حدیث کا نام و نشان تک مٹانا چاہتے

ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ علامہ ذہبیؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام مالکؒ سے حدیث کی سماعت کی ہے وہ تو صرف یہ فرماتے ہیں کہ امام اشہبؒ بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو امام مالکؒ کے سامنے ایسے دیکھا جیسے بچہ اپنے باپ کے سامنے ہوتا ہے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

فھذا یدل علیٰ حسن ادب ابی حنیفۃؒ وتواضعہ مع کونہ اسنّ من مالکؒ بثلاث عشرۃ سنۃ (تذکرہ ص ۱۹۵ ج ۱)

یہ بات امام ابوحنیفہؒ کے حسن ادب اور تواضع پر دلالت کرتی ہے حالانکہ وہ امام مالکؒ سے تیرہ سال [۱۳] بڑے ہیں

اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام مالکؒ سے کچھ علمی باتیں لنذکی ہیں تو حضرت امام مالکؒ نے بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ساٹھ ہزار [۶۰۰۰۰] مسئلے لیے ہیں۔ جیسا کہ تانیب الخطیب ص ۳ میں متعدد ثقہ مورخینؒ کے حوالہ سے لکھا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت امام ترمذیؒ حضرت امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں معہذا خود حضرت امام ترمذیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ دو حدیثیں حضرت امام بخاریؒ نے مجھ سے لی ہیں (ترمذی ص ۲۴۳ ج ۲ و ص ۲۱۲ ج ۲ طبع مجتبائی دہلی)

(۸) مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا قاضی عبد الواحد صاحب خانپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ پس اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث متبدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل (دروازہ) ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام سے نکلنے کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے مثل اہل تشیع کے الیٰ ان قال مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہلحدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر اعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلائے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بچیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے سبحان اللہ تعالیٰ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ اور سر دراز اس کا یہ کہ وہ مذہب و عقائد اہل السنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف (عار سمجھنے والے) و متکبر ہو گئے ہیں فافھم وتدبر الیٰ ان قال پھر ملاحدہ مرزائیہ قادیانیہ نکلے۔ تو

انہوں نے بھی انہی کے باب اور دہلیز اور مدخل سے داخل ہونا اختیار کیا اور جماعات کثیرہ کو ایمان سے مرتد اور منافق بنایا اور جب ملاحدہ زنادقہ چکڑالوی نکلے تو وہ بھی انہی کے دہلیز و دروازہ سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو اُن سے مرتد بنایا اور اب جب یہ مولوی ثناء اللہ خاتمۃ الملحدین نکلا تو وہ بھی انہی جہال اہلحدیث کے باب اور دہلیز سے داخل ہو کر کیا جو کچھ کیا یعنی پہلے اس نے سدِ متین اور حصن حصین اسلام کو اجماع اُمت مرحومہ اور اتباع سلف صالحین ہے کہ خیر القرون ہیں اس کو توڑا اور پھر اسلام میں کفر اور نفاق کو داخل کیا اور تحریف کلام الٰہی و قرآن مجید کی اُوپر مذاہب ملاحدہ زنادقہ کے ایسی کہ یہودیوں سے بھی بڑھ گیا اور الحاد جہمیہ اور نیچریہ اور کفریات فلاسفہ دھریہ کو اسلام میں بذریعہ مکر و فریب اور تحریف کے داخل کیا الخ بلفظہٖ (کتاب التوحید والسنت فی رد اہل الالحاد والبدعۃ المُلقب بہ اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ ص۲۶۲ و ص۲۶۳)

محترم جناب قاضی صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے حق فرمایا ہے کہ نام نہاد اہلحدیث کے نزدیک تقلید کا انکار کرنا رفع یدین کرنا زور سے آمین کہنا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس پہ شدید اصرار کرنا اور حضرت ائمہ دین پر خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ پر بلا سانس لیے برسنا وغیرہ ہی پیارا دین اور محبوب عمل ہے اور اسی میں ان کو خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے اور ہمہ وقت وہ اسی کے درپے رہتے ہیں کسی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کی اکثر انہیں اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ ترک تقلید کرکے کسی کے غیر مقلد ہونے اور رفع یدین وغیرہ کرنے کی ہوتی ہے مشاہدہ کر دیکھیں بھاں رچہ بیاں اور اصولی باتوں کو اکثر نظر انداز کرتے ہیں ؎

پلٹ پلٹ کے قفس ہی کی سمت جاتا ہوں کسی نے راہ بتلائی نہ آشیانے کی

(۹) اپنے دور کے مشہور و معروف غیر مقلد بزرگ عالم مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۳۷۵ھ) فرماتے ہیں عنوان پنجم۔ اہلحدیث کا مسلک مبین۔ کیا ہمارے حنفی بھائی ہم اہلحدیثوں کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ وہ باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث یا اقوال صحابہؓ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہؒ کو (معاذ اللہ تعالیٰ) ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہیں سو کیا کریں؟ اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مسلک سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں

لیا عنوانات سابقہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے (کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی موجودگی میں کسی کا کوئی قول اور رائے معتبر نہیں ہے۔ صفدر) وہ زیادہ تر حنفی متبحر علماء کی تحریرات سے نقل کیا گیا ہے اگر آپ ان کے مطابق عمل پیرا ہوں تو ہمارا بھی اس پر صاد سمجھیں تاکہ روزمرہ کی نزاع مٹ جائے اور ہم ہر دو فریق خوشی سے کہیں ؎

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی — یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

(بلفظہٖ تاریخ اہلحدیث ص ۱۱۸ طبع ۱۹۵۳ء)

اس کے بعد مولانا نے معیار الحق کے حوالہ سے تقلید کی چار قسمیں اور ان کے احکام کہ باقی رہی تقلید وقت لاعلمی الی قولہ غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا (بلفظہٖ معیار الحق ص ۷۵ تا ص ۷۷) نقل کر کے آگے لکھا ہے۔ اسی طرح اسلامی دنیا میں اہلحدیث کے مسلّم پیشوا اور مجتہد امام شوکانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے القول المفید میں ادلۂ تقلید پر سیر کن بحث کی ہے اور اپنی بے نظیر تفسیر فتح القدیر میں آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل پ ۱۵) کو اور آیت اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم پ ۲۷) کے عموم کو مخصوص البعض کہہ کر اتباع رائے کی جائز اور ناجائز صورتیں صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور کوئی صاحب علم جو نصوص قرآن وحدیث پر بالغ نظر رکھتا ہو اور اس کو خدا نے علوم خادمہ میں سے بھی کافی حصہ دیا ہو اور طبع کی سلامتی اور اصابت رائے کی نعمت بھی بخشی ہو اس تقسیم سے گریز نہیں کر سکتا ورنہ نصوص کی عدم رعایت سے معاذ اللہ تعالیٰ شریعت مہمل وبیکار سمجھی جائیگی اور بصورت فقدان نص اجتہاد کی ضرورت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے شریعت عالمگیر اور تا قیام قیامت قائم نہ جانی جائیگی اور یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ھدایہ میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی ومعقولی باتیں سمجھائی ہیں ان میں امام برہان الدین مرغینانیؒ مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ تعالیٰ بے سود گنی جائیگی اور یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ ہداہ اللہ الہادی (انتہیٰ بلفظہٖ تاریخ اہلحدیث ص ۱۱۹ وص ۱۲۰)

منصف مزاج غیر مقلدین حضرات سے گذارش ہے کہ وہ مولانا موصوفؒ کی اس عبارت کو ٹھنڈے دل اور غور سے بار بار پڑھیں کہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد اور قیاس کو ترک کر کے کیا

مذہب اسلام عالمگیر ہو سکتا ہے؟ اور کیا تاقیامت پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں تقلید ترک کر کے مادر پدر آزاد ہونے کی گنجائش کسی کو دی جاسکتی ہے؟ اور کیا ہدایہ جیسی علمی اور تحقیقی کتاب سے صرف نظر کی جاسکتی ہے؟ جو ایسا کرے گا تو بقول مولانا موصوفؒ وہ جاہل اور بے سمجھ ہو گا وہ عالم اور عاقل کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جو غیر مقلدین حضرات صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے وہ مولانا میر صاحبؒ کا یہ مقولہ بھی یاد رکھیں جس کو وہ شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ۔ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوٹا رافضی جانتے ہیں۔

(بلفظہٖ حاشیہ تاریخ اہل حدیث صہ ۳۷)

ہدایہ کیخلاف تعصب اور جہالت کا بدترین مظاہرہ

قارئین کرام نے فقہ حنفی کی بہترین کتاب ہدایہ کی تعریف و توصیف تو مولانا میر صاحبؒ سے سُن لی ہے اب آپ اس دور میں غیر مقلدین کے وکیل اعظم کی کتاب کا ایک حوالہ بھی ہدایہ کے بارے سُن لیں چنانچہ وہ اس عنوان سے لکھتے ہیں۔

مصنف ہدایہ کا باطل طوفان

مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے دھڑک نڈر اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افترا میں اسے انتہائی لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح الفاظ میں لکھا ہے انہا سنۃ کذاروی الحسنؒ عن ابی حنیفۃؒ لانہ واظب علیہا الخلفاء الراشدون۔

(ہدایہ صہ ج۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی) تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسنؒ بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین رضؓ نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے۔

اصلیت واقعہ

یہ ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی حسنؒ یا کسی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا حضرت امام پر یہ ہدایہ ایسی مقدس و مستند کتاب کا کھلم کھلا افترا ہے جس کتاب کی تقدیس کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اساس قرار دینا جنوں اور مذہب سے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ زیلعیؒ جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار رکن اور تخریج ہدایہ کا بانگ دہل مدعی ہے مصنف ہدایہ کے اس افترا عظیم کو دیکھ کر انتہائی شرمندہ و نادم ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گذر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ جو تخریج ہدایہ پر قلم

اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپیدا کنار علمی معلومات کے باوجود مصنف ہدایہ کے اس قول باطل پر حیرت زدہ ہو کر فرماتے ہیں ماوجدناہ یعنی مصنف ہدایہ کے اس قول کا کہیں سراغ و نشان نہیں ملا ۔

جو من میں آیا ایسے نام شریعت دے دیا

(انتہی بلفظہ نتائج التقلید ص ۱۵۷)

الجواب :۔ ہم مسئلہ تراویح کی بحث کو جو ہماری پیش نظر کتاب کے موضوع سے غیر متعلق ہے یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے اس پر الگ اور خاصے معلومات ہم نے جمع کیے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی تو وہ الگ کتابی شکل میں مرتب اور مدون ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف مؤلف نتائج التقلید کے جہل مرکب کا اختصاراً تذکرہ مقصود ہے افسوس اور حیرت ہے کہ جو شخص ہدایہ کی عبارت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا وہ صاحب ہدایہ کے بارے شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر سوقیانہ الفاظ استعمال کرتا ہے ذیل کے امور بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱) لانہ واظب علیھا الخلفاء الراشدون یہ صاحب ہدایہ کی اپنی قائم کردہ دلیل ہے یہ نہیں کہ اس کو وہ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ۔کیونکہ حسن ؒ بن زیاد ؒ نے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدین رضؓ نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے ۔ ملاحظہ کیجئے کہ یہ کتنا عظیم تعصب اور بڑی جہالت ہے کہ صاحب ہدایہ کی اپنی قائم کردہ دلیل کو حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی روایت بنا ڈالا ہے اور پھر خدا خوفی سے بے نیاز ہو کر اعتراض شروع کر دیا ہے کیا اسی کا نام تحقیق ہے ؟

(۲) امام حسن ؒ بن زیادہ ؒ نے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ سے صرف یہ نقل کیا ہے کہ تراویح سنت ہیں اور علامہ عینی ؒ امام حسن ؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ؒ نے فرمایا کہ تراویح سنت ہیں ۔ (عمدۃ القاری ص ۱۲۸) اور امام ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ ؒ بن محمود الموصلی الحنفی ؒ (المتوفی ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام اسد ؒ بن عمرو ؒ نے امام ابو یوسف ؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ سے تراویح کے بارے اور حضرت عمر رضؓ نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت موکدہ ہیں اور حضرت عمر رضؓ نے اس کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا اور اس میں انہوں نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ

ایک اصل اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد و اجازت پر مبنی ہے اور بلاشبہ حضرت عمرؓ نے یہ سنت جاری کی اور لوگوں کو حضرت ابیؓ بن کعب کی امامت پر جمع کیا تو انہوں نے تراویح کی جماعت کرائی آگے فرماتے ہیں کہ

والصحابة متوافرون منهم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبير ومعاذ وابیّ وغيرهم من المهاجرين والانصار رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعين وما ردّ عليه واحد منهم بل ساعدوه ووافقوه وامروا بذلك (الاختيار لتعليل المختار صفحہ ۶۸ جلد ۱)

اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ بکثرت موجود تھے جن میں حضرت عثمان حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت عباس حضرت ابن عباس حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت معاذ حضرت ابی اور ان کے علاوہ دوسرے مہاجرین اور انصار تھے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کا رد نہیں کیا بلکہ سب نے حضرت عمرؓ کی مساعدت اور موافقت کی اور سب نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن محمد الحلبی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) بھی امام حسنؒ بن زیاد رح کے حوالہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا نقل کرتے ہیں (کبیری صفحہ ۳۸۳)

اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ بھی تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ

وعليه جمهور اصحابنا وجمهور العلماء ولما ما نقله بعض اصحابنا ان التراويح مستحب فهو مخالف للدراية والرواية - (التعليق الممجد صفحہ ۱۴۱)

اسی پر جمہور احناف اور جمہور علماء ہیں اور جو ہمارے بعض احناف نے یہ نقل کیا ہے کہ تراویح مستحب ہیں تو ان کا قول درایت اور روایت دونوں کے خلاف ہے۔

غیر مقلدین حضرات کو تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا کانٹے کی طرح چبھتا ہے اور وہ اس کے لیے مار نیم جان کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہیں جو انصاف اور حق سے بعید ہے امام احمدؒ بن الحسین البیہقی الشافعیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے سنن الکبریٰ (صفحہ ۴۹۶ جلد ۲) میں ان روایات کی نشاندہی فرمائی کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے جو خلفاء راشدینؓ میں سے تھے بیس رکعت تراویح کا اجراء کیا اور ابھی اوپر عرض ہوا کہ اس کے خلاف کسی نے آواز بلند نہیں کی اور خلفاء راشدینؓ

کی مواظبت سے یہی مراد ہے امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے اس کے بعد مزید روایات اور حضرت علیؓ کا اثر نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وھذا کالاجماع (مغنی ص۹۹ ج۲) اور یہ بمنزلہ اجماع صحابہؓ کے ہے۔

(۳) علامہ زیلعیؒ نے صاحب ہدایہ کی دلیلوں کی تخریج کا بہانگ دہل دعویٰ نہیں کیا بلکہ انصاف اور دیانت سے ہدایہ میں وارد شدہ احادیث اور آثار کی تخریج کی ہے اور اس میں وہ بہت ہی کامیاب رہے ہیں۔

(۴) الدرایۃ ہدایہ کی احادیث کی تخریج کا ناپیدا کنار علمی ذخیرہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے جہالت کا ثبوت دیا ہے بلکہ یہ نصب الرایۃ للزیلعیؒ کا ملخص ہے جیسا کہ الدرایۃ ص۲ میں اس کی تصریح موجود ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں حدیث ان الخلفاء الراشدین واظبوا علی التراویح لم اجد (الدرایۃ ص۱۲۳) مگر یہ حافظ ابن حجرؒ کا وہم ہے کیونکہ صاحب ہدایۃ ان الخلفاء الراشدون واظبوا علیھا کے الفاظ سے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دے رہے ہیں بلکہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے تعامل کا ذکر کر رہے ہیں اور وہ اپنی جگہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس کا انکار روز روشن کا انکار ہے جو عقلاء کے نزدیک مسموع نہیں ہے۔

مولانا محمد جوناگڑھی کا بیان

ایک طرف تو آپ مولانا میر صاحبؒ کا عالمانہ بیان پڑھ آئے دوسری طرف جوناگڑھی صاحب کی بھی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ۔

پس جو قرآن وحدیث میں ہے دین ہے اور جو ان دونوں میں نہیں وہ دین کی بات بھی نہیں دین کی باتیں وحی خدا یعنی قرآن وحدیث میں کامل مکمل موجود ہیں (بلفظہ طریق محمدی ص۴۲)

بلاشبہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں دین کے اصول۔ کلیات اور قواعد اور بے شمار تفصیلی احکام اور مسائل موجود ہیں اور اصول کے لحاظ سے وہ کامل ومکمل ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ تاقیامت پیش آنے والے جملہ مسائل اور تمام جزئیات بھی صراحۃً قرآن وحدیث میں مذکور ہیں نرا جاہلانہ دعویٰ ہے۔ جس کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (جس کی بقدر ضرورت تشریح اسی پیش نظر کتاب میں دوسرے مقام میں مذکور ہے) اور حضرت معاذؓ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) کی صحیح حدیث بالکل کافی ہے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا

کیف تقضی ان عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سُنّۃِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برائی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسولَ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ (ابوداؤد ج۲ ص۱۴۹، واللفظ لہٗ وسندطیالسی ص۷۶ والترمذی ج۱ ص۱۵۹ و دارمی ج۲ ص۶۰ طبع دمشق ومسند احمد ج۵ ص۲۳۰ ومشکوٰۃ ج۲ ص۳۲۴ و سنن الکبریٰ للبیہقیؒ ج۱۰ ص۱۱۴ وکتاب الاعتبار ص۱۴۳ لابن عبدالبرؒ وجامع بیان العلم ج۲ ص۵۵ لہٗ والبدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج۵ ص۱۰۴ وتفسیر ابن کثیر ج۱ ص۳)

کہ جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو تُو اُس کا کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تُو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا آپؐ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تُو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ کی چھاتی پر (رضا اور شفقت کا) ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی کہ جو پیش آمدہ مسئلہ قرآن وسُنّت میں نہ مل سکے اُس میں مجتہد کا اجتہاد وقیاس کرنا اور اپنی رائے سے اس کو حل کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کا موجب ہے اور آپؐ کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا کو متلزم ہے غیر منصوص احکام میں اجتہاد ورائے اگر دین نہیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی رضا کا کیا مطلب ہے؟ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی رائے بھی دین ہے اور محترم جوناگڈھی کا دین کو صرف قرآن وحدیث میں

بند کر دینا ایک تو اس صحیح حدیث کے خلاف ہے اور دوسرے اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کا انکار ہے۔ جوناگڑھی صاحب نے جو یہ کہا "جو قرآن وحدیث میں نہیں وہ دین کی بات بھی نہیں، سوال یہ ہے کہ احناف اور دیگر مقلدین کی کتابیں تو چھوڑیں فتاویٰ نذیریہ۔ فتاویٰ ثنائیہ۔ فتاویٰ ستاریہ، اور فتاویٰ اہل حدیث وغیرہ کتابوں میں جو جو مسائل اور جزئیات درج ہیں کیا وہ دین ہے یا غیر دین؟ اگر دین ہے اور یقیناً جواب اثبات میں ہوگا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ان میں سے ہر مسئلہ صراحتہً قرآن وحدیث میں موجود ہے؟ اگر نہیں تو اس غیر دین پر محنت کرنے اور مرتب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ امام ابو عمر یوسف رح بن عبدالبر المالکی رح (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ

وحديث معاذ صحيح مشهور رواه الائمة العدول وهو اصل في الاجتهاد والقياس على الاصول وسائر الفقهاء قالوا في هذه الآثار وما كان مثلها في ذم القياس انه القياس على غير اصل والقول في دين الله بالظن واما القياس على الاصول والحكم للشئ بحكم نظيره فهذا ما لا يختلف فيه احد من السلف بل كل من روى عنه ذم القياس قد وجد له القياس الصحيح منصوصاً لا يدفع هذا الا جاهل او متجاهل مخالف للسلف في الاحكام بلفظہ

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۶۹)

حضرت معاذ رض کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے جس کو عادل اماموں (اور راویوں) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اصول (کتاب وسنت واجماع) پر بنیاد رکھ کر اجتہاد اور قیاس کے لیے اصل ہے اور تمام فقہاء کرام ان آثار کے بارے میں جن سے قیاس کی مذمت ثابت ہے یہ فرماتے ہیں کہ مذموم ہر ایسا قیاس ہے جس کا مبنیٰ کوئی اصل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں محض اپنی رائے ہی سے کچھ کہا جائے باقی رہا وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر اس کی نظیر کو دیکھ کر حکم کرنا تو اس کے بارے میں حضرات سلف میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس سے قیاس کی مذمت مروی ہے اس سے صراحت کے ساتھ قیاس صحیح بھی ثابت ہے جس کا انکار جاہل یا بزور جاہل بننے والا ہی کر سکتا ہے۔ جو حضرات سلف کے فیصلوں کا مخالف ہے۔

اس عبارت سے ایک بات تو اس حدیث کی صحت اور شہرت ثابت ہوئی اور دوسری یہ کہ تمام حضرات سلفؒ کا غیر منصوص مسائل میں اجتہاد و قیاس پر اتفاق ثابت ہوا اور تیسری یہ کہ قیاس صحیح اور قیاس مذموم کا علمی طور پر فرق ثابت ہوا کہ صحیح قیاس کا مبنیٰ قرآن و حدیث اور اجماع ہیں اور مذموم قیاس ان اصول میں سے کسی پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ ان سب سے مستغنی ہو کر قائس اپنی ذاتی رائے اور پسند کو دین کا درجہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اہل بدعت کے جملہ فرقے اس کا شکار ہیں اور چوتھی یہ کہ جن حضرات سے قیاس کی مذمت آئی ہے اُس مذمت کا معنیٰ واضح ہو گیا کہ مذمت کس قیاس کی ہے انشاء اللہ العزیز اسی پیش نظر کتاب میں قیاس مذموم کی مستقل بحث آرہی ہے ہم یہاں اس کو طول نہیں دیتے۔

حافظ ابو الفداء اسمٰعیلؒ بن عمرؒ بن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ

وھذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جیّد کما ھو مقرر فی موضعہ (تفسیر ابن کثیر ص ۳ ج ۱)	یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔

اس عبارت سے بھی اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہے۔ قاضی محمدؒ بن علی الشوکانیؒ محمود اور مذموم رائے کی بحث کرتے ہوئے اول کے بارے فرماتے ہیں کہ

فالعمل بالرّأی فی مسائل الشرع ان کان لعدم وجود الدلیل فی الکتاب والسنّۃ فقد رخص فیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کما فی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمعاذ لما بعثہ قاضیاً بم تقضی قال بکتاب اللہ تعالیٰ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ تعالیٰ قال فبسنّۃ رسول اللہ صلی اللہ	شریعت کے مسئلوں میں عمل بالرّای اگر تو اس لیے ہو کہ کتاب و سُنّت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپؐ کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ تعالیٰ کے مطابق۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ تو فرمایا کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فیصلہ کروں گا آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو سنت اور کتاب

تعالیٰ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ تعالیٰ قال اجتہد رائی (الحدیث) وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضحنا ذلک فی بحث مفرد اھ (فتح القدیر ص ۲۱۹ ج ۲ طبع مصر)

میں نہ پائے تو پھر کیا کرے گا؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور یہ حدیث قابلِ احتجاج ہے جیسا کہ ہم نے الگ بحث میں اس کی وضاحت کی ہے۔

جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ قاضی شوکانیؒ کے حوالہ سے فالعمل بالرای سے لے کر وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضح الشوکانیؒ ذلک فی بحث مفرد تک کی عبارت مقام استدلال میں پیش کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان مع تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۴ ج ۵ طبع مصر ۱۳۰۱ھ)

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو علمی طور پر یہ اشکال پیش آئے کہ ابوداؤد اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت معاذؓ کی حدیث کی سند کی آخری کڑی یوں ہے عن ناس من اصحاب معاذؓ من اھل حمص عن معاذؓ الخ (مسند احمد ص ۲۳۰ ج ۵ وفی لفظ ابی داؤد عن اناس من اھل حمص من اصحاب معاذؓ الخ ص ۱۴۹ ج ۲) اور یہ اناس مجہول ہیں اور تابعینؒ کے طبقہ میں رواۃ کی جہالت سند کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے کہ تابعینؒ میں ثقہ اور ضعیف ہر قسم کے لوگ ہیں بخلاف صحابہ کرامؓ کے کہ وہ کلہم عدول ہیں تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے اس سند کی آخری کڑی یوں نقل کی ہے عبادۃ بن نسیؒ عن عبد الرحمٰنؒ بن غنمؓ عن معاذؓ الخ

اور فرماتے ہیں کہ

وھذا اسناد متصل ورجالہ معروفون بالثقۃ

یہ سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی مشہور ثقہ ہیں۔

(اعلام الموقعین ص ۱۷۶ ج ۱)

حضرت عبد الرحمٰنؒ بن غنمؓ کے صحابی اور غیر صحابی ہونے میں اختلاف ہے (مختلف فی صحبتہ تہذیب التہذیب ص ۲۵۰ ج ۶) لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے علامہ عجلیؒ فرماتے

ہیں کہ وہ شامی تابعی ثقہ من کبار التابعین تھے اور امام یعقوبؒ بن شیبہؒ فرماتے ہیں مشہور من ثقات الشامیین اور محدث ابن حبانؒ انہیں ثقات تابعین میں لکھتے ہیں اور علامہ ابن سعدؒ بھی انہیں ثقہ کہتے ہیں اور امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں مسلمان ہوئے لیکن آپؐ کو دیکھا نہیں۔ اور حضرت معاذؓ کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے اور وہ افقہ اہل الشام تھے اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے شام کے علاقہ میں عام تابعینؒ کو علم فقہ کی تعلیم دی اور وہ بڑی جلالت اور قدر والے تھے ان کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی (محصلہ تہذیب التہذیب ص ۲۵ ج ۱ وص ۲۵۱) حمص ملک شام کا مشہور شہر ہے حافظ ابن القیمؒ اس سند کے متصل اور صحیح ہونے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ امت کی تلقی بالقبول سے بھی یہ حدیث مؤید ہے (اعلام الموقعین ص ۱۷۶ ج ۱)

الغرض اصولِ حدیث اور تعاملِ امت سے اس حدیث کی صحت بالکل واضح ہے۔ اور بغیر کسی ضد اور ہٹ دھرم کے اصولی اور علمی طور پر اسے رد نہیں کر سکتا۔

ے اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

ووجب علی العامی تقلیدہ والاخذ بفتواہ وقد استفاض الخبر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ لما بعث معاذا الی الیمن قال یا معاذ الحدیث (لقطۃ العجلان فیما تمس الی معرفتہ حاجۃ الانسان ص ۱۲۷ طبع نظامی کانپور)

عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید اور اس کے فتویٰ کو لینا واجب ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفیض اور مشہور حدیث آتی ہے کہ آپؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا کہ اے معاذؓ (پھر آگے یہی حدیث بیان کی جو مذکور رہے)

اس عبارت سے تین باتیں ثابت ہوئیں اوّل یہ کہ لاعلم اور عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید کرنا اور اس کا فتویٰ لینا واجب ہے دوم یہ کہ یہ بات حضرت معاذؓ کی اس مذکور حدیث سے ثابت ہے سوم یہ کہ یہ حدیث مستفیض اور مشہور ہے اور قاضی شوکانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ شریعت کے مسئلوں میں اگر قرآن و سنت سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو عمل بالرائے پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت

دی ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے ثابت ہے الخ (فتح القدیر ص ۲۱۹ ج ۴ طبع مصر)

(۱۰) مولانا ثناء اللہ صاحب (المتوفی ۱۳۶۷ھ) تقلید کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ بے علم کو عالم کی تقلید ضرور چاہیئے (بلفظہ تقلید شخصی ص ۲۰) مولانا موصوف کی یہ بات بالکل بجا ہے لیکن آجکل کے اکثر غیر مقلدوں کو کون سمجھائے کہ وہ تقلید کو نہ صرف یہ کہ شرک کہتے ہیں بلکہ تمام برائیوں کی جڑ بھی وہ تقلید کو قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس نظریہ کو سویدا قلب میں اتارے ہوئے ہیں ؎

در دل ہر کسی کی یاد بیٹھی پاسباں ہو کر
خوشی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے

(۱۱) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ (المتوفی ۱۳۸۷ھ) معیار الحق کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ۔ ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن سنت۔ اجماع امت اور قیاس۔ ان میں بھی اصل قرآن اور سنّت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے کتاب وسنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس اھ (پیش لفظ معیار الحق ص ت)

اور نیز تفقہ فی الدین کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن وسنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لامتناہی ہیں اور کتاب وسنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اس لیے لازماً اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ قرآن عزیز کا ارشاد ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ (نحل) جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انما شفاء العی السؤال انجان آدمی کے لیے صحت مند طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب وسنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے نصوص یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں کیے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا (بلفظہ پیش لفظ معیار الحق ص ط)

مولانا موصوف کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اس دنیا میں پیش آنے والے حوادث اور مسائل لامتناہی یعنی بے شمار ہیں اور وہ سب قرآن وسنت کی تصریحات سے حل نہیں ہوتے بلکہ ان کو تفقہ فی الدین کی بصیرت کے ساتھ قرآن وسنت کی راہنمائی میں حل کیا جائے گا اور بے علم

لوگوں کو اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اس پر وہ نص قرآنی اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں ظاہر امر ہے کہ اہل علم کی طرف اسی رجوع کا نام تقلید ہے۔

فریق ثانی کے شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) اپنی مایہ ناز کتاب معیار الحق میں تقلید کی قسمیں اور ان کے احکام بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

باقی رہی تقلید وقت لاعلمی سو یہ چار قسم ہے قسم اوّل واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی اہلسنت کی لاعلی التعیین جس کو مولانا شاہ ولی اللہ رحؒ نے عقد الجید میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت اور اس کی علامت بھی ہے کہ عمل مقلد کا ساتھ قول مجتہد کے اسی طور پر ہو جیسے شرط کی (حیثیت) ہوتی ہے کہ اگر وہ قول موافق سنت کے ہو تو عمل کئے جاؤں گا تو جب معلوم ہو کہ مخالف ہے سنّت کے تو اس کو پھینک دوں گا۔ (پھر آگے عقد الجید کی عبارت اور اس کا ترجمہ نقل کیا ہے) قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے بشرطیکہ مقلد اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعیین کرلے کہ جب امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتّباع اہل کے علم عموماً صادر ہوا ہے تو میں ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتّباع سے عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ اگر دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کر سکے تو انکار نہ کرے اور کسی شخص عمل کرنے والے کو بُرا نہ جانے اور ملامت اور تحیّر نہ کرے مثلاً حنفی المذہب کو مسئلہ رفع یدین اگر معلوم ہو تو اس کے استعمال سے نفرت اور انکار نہ کرے بلکہ کبھی کر بھی لے اور حنفی ہو کر کسی کرنے والے پر طعن نہ کرے۔ قسم ثالث حرام و بدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعیّن کے بزعم وجوب کے برخلاف قسم ثانی کے۔ قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتّباع کیا پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہوگئی تو اب وہ مقلد بدستور ان عذرات کے جن سے سابقاً کچھ بلی جواب دیا گیا ہے یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا اور یا اس میں بدون سبب کے تاویل و تحریف کرکے اُس حدیث کو طرف قول امام کی لے جاتا ہے غرضیکہ وہ مقلّد مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا سو ان قسموں میں قسم اوّل اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ لاکن قسم ثالث اور رابع بے شک معرکۂ آراء اور محطّ انظار ہے سو دلائل قسم ثالث کے تو مبحث تقلید

شخصی کے آویں گے فانتظر اور قسم رابع کو اس مقام پہ مدلل کیا جاتا ہے الخ (معیار الحق ص۵۷ و ص۶۷، مطبع چٹان پریس لاہور) اور یہی بزرگ تقلید کے رد میں قول باری تعالیٰ ما اٰتاکم الرسول الآیۃ میں چھ مقدموں کی سیڑھیاں لگا کر استدلال کرتے ہیں اور یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ۔ اور جو مقلد تخصیص مذہب معین کی بطور قسم ثانی کے اختیار کرے وہ حقیقۃً تارک بعض ما اتی الرسول نہیں بلکہ عامل بمقتضائے عموم نص کے ہے (معیار الحق ص۱۵۵، یعنی تقلید کی اس قسم پر آیت کی کوئی زد نہیں پڑتی۔ صفدر)

فریق ثانی کے شیخ الکل کی پہلی مفصل عبارت میں تصریح ہے کہ تقلید کی قسم اوّل اور قسم ثانی ایسی واضح اور روشن ہیں کہ دلائل کے ساتھ ان کو ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں کیونکہ یہ دونوں قسمیں فریقین کے ہاں مُسلّم ہیں اور ظاہر بات ہے کہ تسلیم کردہ بات کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اس پر دلائل قائم کرنا تحصیل حاصل اور فضول امر ہے۔ البتہ فریق ثانی کے شیخ الکل کی عبارت میں جو اُمور قابلِ توجہ ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کہ مقلد اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے بلکہ اس نظر سے تعیّن کرے کہ جب امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل کے عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے الخ اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے امر سے کیا مراد ہے؟ وہ خود شیخ الکل کی زبانی ہی سُن لیجیے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے تو وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے (اہل ذکر سے اہل علم مراد ہیں۔ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو بہ پیش لفظ معیار الحق ص۲ از مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالوی) اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے۔ وجوب تقلید پہ کما اشار الیہ المحقق ابن الھمامؒ فی التحریر وغیرہ اور ظاہر ہے کہ امر بالسوال اس آیت میں مقیّد بالشرط ہے اور اصولِ فقہ میں محقق ہے کہ حکم مقیّد بالشرط متعدی نہیں ہوتا ہے اس فرد میں جو کہ مجرّد ہو اس شرط سے الخ (معیار الحق ص۶۷ و ص۶۸) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لاعلمی کے وقت اہل علم کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور امر ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اس سے وجوب تقلید ثابت ہے جیسا کہ خود فریق ثانی کے شیخ الکل نے تصریح فرمائی ہے اب سوال یہ ہے کہ جب کوئی لاعلم مکلف اللہ تعالیٰ

کے اس حکم اور امر کی تعمیل میں کسی علم والے اور مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا یہ رجوع وجوب کے درجہ سے اتر کر اباحت کی طرف کیسے آگیا؟ کیونکہ جب فاسئلوا میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے ہے تو عامل اور مکلف کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ عمل مباح کیسے ہو گیا؟ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے کہ اقیموا الصّلوٰۃ وآتوا الزکواۃ میں امر وجوب کے لیے ہے لیکن جب کوئی فرد اور مکلف اس پر عمل کرے گا تو اس کا عمل مباح ہو جائے گا یعنی اس کے لیے نماز پڑھنا بھی مباح ہے اور زکوٰۃ دینا بھی مباح ہے بالفاظِ دیگر اگر وہ نماز نہ پڑھے تو کوئی گناہ نہیں اور زکوٰۃ نہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں؟ فریق ثانی کے شیخ الکل نے تقلید شخصی سے گریز کرنے کے لیے عجیب مخلص نکالا ہے معاف رکھنا جب نصّ قطعی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لیے ہے اور اسی سے خود ان کے اقرار سے تقلید کا وجوب بھی ثابت ہے تو عامل اور مکلف کے اس پر عمل کرنے سے وہ واجب واجب ہی رہے گا نہ یہ کہ وہ مباح ہو جائے گا غرضیکہ یہی ارشاد خداوندی تقلید شخصی کے ثبوت اور وجوب پر نص ہے۔ ہاں اس کا ثبوت فریق ثانی کے شیخ الکل اور ان کے اتباع پر لازم ہے کہ وہ اس کا یہ مطلب باحوالہ کتب ثابت کریں کہ لاعلمی کے وقت جاہل شخص اس بات کا مکلف ہے کہ وہ جب تک متعدد اہل علم سے سوال نہ کر لے تو وہ عہدۂ تکلیف سے فارغ نہیں ہو سکتا بالفاظِ دیگر متعدد اہلِ علم سے سوال کرنا ہی واجب ہے اور صرف ایک سے سوال کرنا مباح ہے اس امر کا ثبوت ان کے ذمہ ہے اور انشاء اللہ العزیز صراحت کے ساتھ باحوالۂ کتب تاقیامت وہ ایسا نہیں کر سکیں گے دیدہ باید بلکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔

چنانچہ امام ابن عبد البر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ

وقد اجمع المسلمون علی جواز قبول الواحد السائل المستفتی لما یخبرہ به العالم الواحد اذا استفتاہ فیما لا یعلمه وقبول الواحد العدل فیما یخبر به مثله (التمہید لابن عبد البر ص ۲ ۱ المکتبة القدوسیة لاھور)۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ لاعلمی کے وقت جب کوئی اکیلا سائل اور مستفتی اکیلے عالم سے فتویٰ پوچھے اور وہ اس کا جواب دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے اور اسی طرح اکیلا عادل راوی جب اپنے جیسے راوی کو خبر بتائے تو اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے۔

اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے یہ ثابت ہے کہ نہ تو مستفتی کے لیے تعدد شرط ہے اور نہ مفتی کے لیے جس آدمی نے بھی کسی ایک ہی عالم سے لاعلمی کے وقت دریافت کر لیا تو کافی ہے وہ سب علما سے پوچھنے کا پابند نہیں ہے اور نہ اس کے لیے ایک سے زائد کی تقلید ضروری ہے اور بقولِ فریق ثانی کے شیخ الکل کے جب ایک مجتہد کا بھی اتباع کریں عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ امر وجوب ایک ہی مجتہد کی اتباع اور تقلید سے پورا ہو جاتا ہے اور سب سے دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر یہ بات بھی خصوصی طور پہ قابلِ توجہ ہے کہ جاہل آدمی لاعلمی کے وقت فَاسْئَلُوا سے (صیغۂ امر کے ساتھ باتفاقِ شیخ الکل فریق ثانی) حکم وجوب کا پابند اور مکلّف ہے لیکن فارغ وہ عہدۂ تکلیف سے اباحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے جب وہ وجوب کا مکلف ہے تو وجوب ہی کی ادائیگی سے وہ عہدہ برآ ہوگا نہ کہ اباحت سے جیسا کہ کسی مبتدی سے بھی یہ بات مخفی نہیں ہے۔

(۲) جب وقتِ لاعلمی اہل علم سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور بقولِ فریق ثانی کے شیخ الکل کے وہ ایک مجتہد کی اتباع سے بھی عُہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ایک مجتہد کا تعین تو ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے عہدہ برا بھی ہونا ہے تو اس کو وہ امر شرعی کیوں نہ سمجھے؟ اور کس قطعی دلیل سے اس کو شرعی نہ سمجھے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد امر شرعی نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے امر سے بڑھکر امر شرعی اور کونسا ہوگا۔؟ جب اللہ تعالیٰ کا امر بھی ہے اور ایک مجتہد کی اتباع اور تقلید سے وہ عہدہ برآ بھی ہو جائے گا۔ اور اس کو امر بھی وجوب ہی کا ہے اور متعدد اہلِ علم سے وہ سوال کرنے کا مکلف بھی نہیں تو ایک ہی مجتہد کی اتباع اس پہ لازم کیوں نہیں؟ اور اس تقلید کو وہ امر شرعی کیوں نہ سمجھے؟ فریقِ ثانی کے شیخ الکل کا یہ ارشاد کہ اس تعیّن کو امر شرعی نہ سمجھے؟ خالص دفع الوقتی اور سخن سازی ہے جب وہ خود اس پر نص پیش کرتے ہیں اور اس سے ثابت شدہ تقلید کو بحوالہ واجب قرار دیتے ہیں۔ اور پھر ایک مجتہد کے حکم ماننے سے وہ اس لاعلم مکلف کو عہدہ برآ بھی تصور کرتے ہیں تو پھر وہ کیوں اس کو امر شرعی نہ سمجھے۔ کیا محض اس لیے کہ فریق ثانی کے شیخ الکل تقلید شخصی سے گریزاں ہیں؟ قارئین کرام! غور فرمائیں کہ فریق ثانی کے شیخ الکل اپنی وسعت علمی اور پیرانہ سالی کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس طرح نص قرآنی کو اپنی خواہش کے تابع بنانا چاہتے ہیں کیا وہ تمام حوالے جو معیار الحق میں انھوں نے

مقلدین کے رد میں پیش کیے ہیں کہ وہ نصوص اور احادیث کو اپنی خواہش کے تابع بنا کر تاویل اور تحریف کے مرتکب ہیں ان کی اس واضح کاروائی کے بعد کیا وہ سب کے سب فریق ثانی کے شیخ الکل پر چسپاں نہیں ہوتے؟ یقیناً ہوتے ہیں لاشک فیہ ولاریب۔

(۳) اور فرماتے ہیں کہ ایک ہی مجتہد کی اتباع اور تقلید سے جیسا کہ وہ لاعلم مکلف عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک کی تقلید و اتباع میں سہولت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے (اور ظاہر امر ہے کہ باہوش آدمی کے اپنے اقرار سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے صفدر) بلفظہ بلا شبہ یہ ایسا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے سلسلہ میں کوئی تنگی نہیں کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ان الدین یسر (بخاری ج۱ ص) کہ بے شک دین آسان ہے بقول میاں صاحبؒ جب آیت کریمہ فاسئلوا اهل الذکر الآیۃ سے وجوب تقلید ثابت ہے اور ایک مجتہد کی اتباع اور تقلید سے بھی مکلف عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے تو خود میاں صاحبؒ اور ان کے اتباع تقلید شخصی کرنے والوں کے لیے سہولت کا یہ دروازہ بند کرنے کا کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟ اور ان بیچاروں کو شرعی سہولت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیتے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ سوائے اس کے کہ غیر مقلدین کا غلو اور تعصب اس میں کارفرما ہے اور کوئی معقول عقلی اور نقلی وجہ تو سمجھ نہیں آرہی باقی تقلید کی جو قسم شرک ہے ہم باحوالہ واضح الفاظ میں اسی کتاب میں اس کا شرک کفر اور حرام ہونا ثابت کر چکے ہیں اس کو درمیان میں لاکر غلط مبحث کرنا علماء تو کیا عقلاء کی شان سے بھی بالکل بعید ہے۔

اور خود میاں صاحب ہی تصریح کرتے ہیں کہ تقلید کی یہ قسم شرک نہیں ہے۔ چنانچہ وہ علامہ ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) سے تقلید کی حرام قسم (جو نصوص کے مقابلہ میں ہو) پر حوالہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اور وجہ محمول ہونے اس کلام کی تقلید بمعرض نصوص ظاہر ہے اس لیے کہ مطلق تقلید کو جو کہ وقت لاعلمی کے کی جاوے اور اس میں مخالفت احادیث کی نہ ہو کوئی ممنوع یا شرک نہیں کہتا الخ (معیار الحق ص۹۲) الغرض جس تقلید کی بحث ہو رہی ہے وہ عند التحقیق واجب اور بقول میاں صاحب مباح ہے ممنوع اور شرک ہرگز نہیں۔

(۴) میاں صاحب نے اس عبارت میں بڑے پیارے انداز میں وعظ بھی فرمایا ہے جس کی بہر حال قدر ہی کرنی چاہیئے وہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں۔ اور علامت اس تقلید کی یہ ہے کہ اگر دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ پر عمل کر سکے تو اس سے انکار نہ کرے اور کسی شخص عمل کرنے والے کو برا نہ جانے اور ملامت اور نکیر نہ کرے الخ میاں صاحبؒ کا یہ وعظ بڑا اچھا وعظ ہے مگر مشہور ہے کہ تالی ہمیشہ دو ہاتھ سے بجتی ہے ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اور میاں صاحبؒ ایک ہی ہاتھ سے تالی بجاتے ہیں وہ اس طرح کہ جب بقول میاں صاحبؒ تقلید شخصی مباح ہے تو جس مسئلہ میں قرآن کریم اور حدیث شریف سے کوئی تصریح موجود نہیں اور مقلدینؒ ایسے مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کرتے ہیں جو جائز اور مباح ہے۔ (بلکہ ایسا مقلدؒ ثواب دارین کا مستحق ہے۔ چنانچہ خود میاں صاحبؒ علامہ تاج الدین عثمانیؒ کی کتاب جامع الفواد کے حوالہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترجمہ میاں صاحبؒ ہی کا ہے جو کوئی مجتہد کے قول پر عمل کرے گا تو وہ دونوں جہان میں ثواب پائیگا جب تک کہ حدیث صحیح متصل السند نہ پاوے اور جب حدیث پاوے تو اس پر عمل کرے بلفظہ معیار الحق ص۱۰۹) تو کیا میاں صاحبؒ اور ان کے اتباع کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے مسئلہ کا انکار نہ کریں اور عمل کرنے والوں کو برا نہ جانیں اور انہیں ملامت نہ کریں اور نہ ان پر نکیر کریں اور خود بھی اپنے وعظ پر عمل کر کے جرأت مردانہ کا ثبوت دیں غیر مقلدین کے لیے تصویر کا یہ رخ بھی تو حضرت میاں صاحبؒ کو اجاگر کرنا چاہیئے تھا تاکہ ان کا وعظ صرف مقلدین ہی کے لیے نہ ہو بلکہ غیر مقلدین بھی اس سے برابر کا فائدہ اٹھائیں اور ان کا تنفر بھی کم ہو لیکن ایسا لگتا ہے کہ حضرت میاں صاحب جلسے عام میں افادۂ عام کے لیے وعظ کرنے کی بجائے اپنے مخصوص حلقہ میں وعظ کرنے کے عادی ہیں اور ایک ہی طبقہ کو وعظ فرمانے کے خوگر ہیں اور دوسرے کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ الغرض میاں صاحبؒ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو بھی سختی سے ڈانٹ پلاتے۔

(۵) آخر میں حضرت میاں صاحب نے تان اس پر توڑی ہے کہ مثلاً حنفی المذہب کو مسئلہ رفع یدین اگر معلوم ہو تو اس کے استعمال سے نفرت اور انکار نہ کرے بلکہ کبھی کر بھی لے اور حنفی ہو کر کسی کرنے والے پر طعن نہ کرے انتہیٰ بلفظہٖ حضرت میاں صاحبؒ کا یہ وعظ بھی یکطرفہ اور وَن وے ٹریفک ہے۔ اولاً اس لیے کہ مسئلہ ترک رفع یدین میں احناف تقلید نہیں کرتے بلکہ اس میں احادیث صحیحہ اور صریحہ کی

پیروی کرتے ہیں جن میں ایک حدیث صحیح ابو عوانہ ص۹۰ ج۲ اور مسند حمیدی ص۲۷۷ ج۲ میں متصل اور صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی بن عمر رضی سے مروی ہے۔

چنانچہ الامام الحافظ الثقۃ الکبیر ابو عوانہ یعقوبؒ بن اسحاق الاسفرائنیؒ (المتوفی ۳۱۶ھ) کی سند یوں ہے وہ فرماتے ہیں کہ۔

حدثنا عبد اللہؒ بن ایوب المخرمیؒ وسعدانؒ بن نصرؒ وشعیبؒ بن عمروؒ فی آخرین قالوا ثنا سفیانؒ بن عیینۃؒ عن الزھریؒ عن سالمؒ عن ابیہؓ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بہما وقال بعضہم حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع لا یرفعہما وقال بعضہم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد

(ابو عوانہ ص۹۰ ج۲)

ہم سے عبداللہؒ بن ایوب المخرمیؒ اور سعدانؒ بن نصرؒ اور شعیبؒ بن عمروؒ اور دیگر راویوں نے بیان کیا وہ سب فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیانؒ بن عیینہؒ نے بیان کیا وہ زہریؒ سے اور وہ سالمؒ سے اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ رضی بن عمر رضی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جس وقت نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے کندھوں کے برابر کرتے اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ دونوں کو کندھوں کے برابر کرتے اور جب آپؐ رکوع کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ نہ اٹھاتے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان بھی ہاتھ نہ اٹھاتے اور مفہوم و معنٰی سب کا ایک ہی ہے۔

اس صحیح حدیث میں واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسہ من الرکوع لا یرفعہما کا شرط اور جزاء کے ساتھ مکمل جملہ یہ بات بالکل واضح کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ترک رفع یدین ثابت ہے۔ احناف اگر رفع یدین نہیں کرتے تو اس صحیح صریح متصل السند اور مرفوع حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں کرتے نہ یہ کہ وہ ترک رفع یدین میں محض تقلید کرتے ہیں جیسا کہ شیخ الکل کی عبارت سے متبادر ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ رفع یدین کے مرکزی راوی حضرت عبداللہ رضی بن عمر رضی ہیں ان سے اثبات کی روایت

بھی مروی ہے اور نفی کی بھی اور خود ان کا عمل بھی دو رنگہ تھا اُن سے رفع یدین کرنے کا ثبوت بھی ہے۔ جیسا کہ جزء رفع یدین للبخاریؒ وغیرہ میں ہے اور نہ کرنے کا بھی چنانچہ حضرت مجاہدؒ (المتوفی ۱۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت ہی رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۹۰ ج۱ طبع ملتان وص۲۳۷ ج۱ طبع حیدر آباد دکن وطحاوی ص۱۱۰ ج۱ باسناد صحیح بلاوجہ اس کو باطل اور موضوع قرار دینا قطعاً مردود ہے) حافظ ابن حجرؒ ان کی دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ۔

ان الجمع بين الروايتين ممكن وهو انه لم يكن يراه واجباً فعله تارةً وتركه تارةً

دونوں روایتوں میں جمع ممکن ہے وہ یوں کہ حضرت ابن عمرؓ رفع یدین کو واجب نہیں سمجھتے تھے کبھی کر لیتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

(فتح الباری ص۱۷۴ ج۲ طبع مصر)

اور مشہور غیر مقلد عالم محمدؒ بن اسماعیل الکحلانی الامیر الیمانیؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ

بان تركه لذلك اذا ثبت كما رواه مجاهد يكون مُبيّناً لجوازه وانه لا يراه واجباً

(سبل السلام ص۲۵۸ ج۱)

حضرت ابن عمرؓ کا رفع یدین نہ کرنا جب ثابت ہو جائے جیسا کہ مجاہدؒ نے روایت کیا ہے تو یہ رفع یدین کے جواز کو بیان کرتا ہے اور یہ کہ وہ رفع یدین کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ ابن حزم الظاہریؒ جن کی متعدد عبارات سے جناب میاں صاحبؒ نے معیار الحق میں مزے لے لے کر ترکِ تقلید پر استدلال کیا ہے وہ مسئلہ رفع الیدین کے بارے فرماتے ہیں کہ

فلما صح انه عليه السلام كان يرفع في خفض ورفع بعد تكبيرة الاحرام ولا يرفع كان كل ذلك مباحاً لا فرضاً وكان لنا ان نصلي كذلك فان رفعنا صلّينا كما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصلي وان

جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ تکبیر افتتاح کے بعد سر جھکاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ نہیں بھی کرتے تھے تو یہ سب کچھ مباح ہے فرض نہیں اور ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم بھی اسی طرح نماز پڑھیں اگر ہم نے رفع یدین کر کے نماز پڑھی تو ویسی ہی

لم ترفع فقد صلّينا كما كان عليه السلام يصلي۔
(المحلّٰی ص ۲۳۵ ج ۳ طبع مصر)

نماز پڑھی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اور اگر ہم نے ترک رفع یدین کرتے ہوئے نماز پڑھی تو ویسی ہی نماز پڑھی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔

علامہ ابن حزمؒ اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل رفع اور ترک دونوں بتاتے ہیں اور رفع اور ترک کے دونوں پہلوؤں کو مباح قرار دیتے ہیں اور فرضیت کی نفی کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ یک طرفہ کاروائی پر مُصر ہیں اور دوسرے پہلو کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ ترکِ رفع یدین بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے اور مسئلۂ تقلید کے سلسلہ میں احناف کے عدم رفع یدین کے فعل کو جو بالکل غیر متعلق ہے ذکر کر کے جناب میاں صاحبؒ اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ احناف ترک رفع یدین میں تقلید کرتے ہیں اور ہم بدولت حدیث پر عامل ہیں اس سے زیادہ تعصّب اور کیا ہوگا؟ یا ہو سکتا ہے؟ وثانیاً حضرت میاں صاحبؒ کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ترک رفع یدین کے منصوص مسئلہ کو تقلید کی بحث میں مثال کے طور پر بھی نہ ذکر کرتے کیونکہ تقلید غیر منصوص مسائل میں ہوتی ہے اور یہ تو صحیح حدیث سے ثابت شدہ مسئلہ ہے اور نیز جس طرح انہوں نے بطور مثال کے رفع الیدین کا مسئلہ بیان کر کے احناف کو وعظ فرمایا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی وہ غیر مقلدین کو بھی رفع الیدین پر شدید اصرار کرنے پر بھی دو چار کلمات خیر سُنا دیتے کہ وہ بھی کبھی کبھی ترک رفع الیدین پر عمل کر لیا کریں کیونکہ وہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے اور یہ کہ رفع الیدین نہ کرنے والوں کو نہ ملامت کریں نہ ان پر طعن و تشنیع کریں اور نہ نفرت کریں مگر حضرت میاں صاحبؒ نے اپنی جماعت کے غالیوں اور ضدیوں کو سمجھانے کی مطلق ضرورت ہی محسوس نہیں کی ہے اور نہ ان کی طرف ادنیٰ سا اشارہ ہی کیا ہے۔ بلکہ ان کو اپنے وعظ سے بالکل محروم رکھا ہے۔ اور اپنے وعظ کا مخاطب صرف احناف کو بنایا ہے ؎

قیامت ہے دلِ مہجور کا احساس تنہائی — اکیلے اب تو ہم اکثر بھری محفل میں رہتے ہیں

راہِ راست سے فرار

حضرت میاں صاحبؒ نے جب اپنی علمی اور مایہ ناز کتاب معیار الحق میں تقلید کی دوسری قسم کو مباح لکھا تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے متعصب، غالی اور ہوشیار

قسم کے شاگردوں (مثلاً مولانا مبارکپوری صاحبؒ، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانویؒ، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوریؒ اور مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانیؒ وغیرہ) نے اُن کا خوب گھیراؤ کیا کہ حضرت! آپ نے تو اپنے مسلک کی لُٹیا ہی ڈبو دی کیونکہ اگر تقلید شخصی کی کوئی خاص قسم بھی مباح ثابت ہو گئی تو ہم مقلدین حضرات کے نرغہ سے کبھی نہیں نکل سکیں گے پھر تو انہیں کا موقف صحیح سمجھا جائیگا اور ہم تقلید شخصی کو شرک و بدعت کہہ کر دل کی بھڑاس نہیں نکال سکیں گے تلامذہ کے اس دباؤ میں آکر حضرت میاں صاحبؒ نے یوں پینترا بدلا اور جملہ قسم ثانی مباح الخ کے حاشیہ میں (اور ظن غالب ہے کہ صرف اسی حاشیہ کی اشاعت کی غرض سے مکتبہ نذیریہ قصور سے زر کثیر خرچ کر کے اب کی معیار الحق طبع کرائی گئی ہے) یہ تحریر فرما کر نہایت ہی سستے طریقہ سے گلو خلاصی کی کہ اس عاجز نے اگرچہ ایک صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بر سبیل تنزل مباح میں درج کی تھی لیکن عند التحقیق الحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مباح خطاب شارع میں داخل ہے اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے مزید تحقیق کے لیے فتاویٰ نذیریہ صہ ۹۳/۱ پڑھیں۔ انتہی بلفظہٖ (حاشیہ معیار الحق صہ ۷۶)

اور یہ بات انہوں نے فتاویٰ نذیریہ صہ ۱۷۲/۱ طبع جدید میں فرمائی ہے اور اس میں خطاب شارع سے خارج ہے کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کما لایخفی علی الماھر المتفطن المنصف الخ ان الفاظ سے حضرت میاں صاحبؒ نے اہل علم کو لوری دی ہے۔ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ خود حضرت میاں صاحبؒ ہی نے بطور دلیل کے خطاب شارع فاسئلوا اھل الذکر الآیۃ نقل کیا ہے کہ لاعلمی کے وقت تقلید ثابت ہے اور پھر آگے لکھا ہے کہ۔ اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر کما اشار الیہ المحقق ابن الھمام فی التحریر وغیرہ الخ (معیار الحق صہ ۷۶) اور خود میاں صاحبؒ ہی فرماتے ہیں کہ جب امر اللہ تعالیٰ (فاسئلوا اھل الذکر میں) واسطے اتباع اہل کے عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے۔ اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے الخ (معیار الحق صہ ۷۶) ان عبارات سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوئی کہ وجوب تقلید پر خطاب شارع موجود وارد ہے اور کسی ایک مجتہد کی اتباع و تقلید سے حکم خداوندی کی تعمیل ہو جائے گی اس میں سہولت بھی ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کر لینے کے بعد پھر بیک جنبش قلم تقلید شخصی کو خطاب شارع سے خارج کہہ دینا عجیب بات ہے۔ مؤدبانہ گذارش ہے کہ کیا اسی

جنس کا نام عند التحقیق الحقیق ہے؟ خطاب شارع کے مقابلے میں اس التحقیق الحقیق یا تارِ عنکبوت کی کیا حیثیت ہے؟ یا ہو سکتی ہے؟ حضرت میاں صاحبؒ! ہم آپ کی بزرگی اور وسعت نظری کے قائل ہیں لیکن آپ اپنے بعض متعصب شاگردوں کے آہنی حصار سے نکل کر واضح دلائل اور خود اپنے صریح بیانات کی روشنی میں اصل بات کا حقیقت پسندانہ انداز سے جائزہ لیں اور خذ ما صفا و دع ما کدر پہ عمل کریں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہم فریق ثانی کے اس گورکھ دھندے کو سمجھنے سے سراسر قاصر اور بالکل عاجز ہیں کہ بقول ان کے شخصی تقلید تو شرک و بدعت ہے لیکن غیر شخصی تقلید جائز ہے یعنی ایک امام کی تقلید تو شرک و بدعت ہے لیکن بدل بدل کر متعدد آئمہ کی تقلید توحید و سنت بن جاتی ہے۔ اگر ایک امام کی تقلید شرک فی الرسالۃ ہے تو متعدد ائمہ کرامؒ کی تقلید ایمان کا کون سا حصہ ہے! اگر یہ کارروائی شرک و بدعت ہے تو متعدد کی تقلید تو ڈبل شرک و بدعت ہو گی۔

ظاہر بات ہے کہ اگر ایک امام کو معاذ اللہ تعالیٰ مسندِ رسول پر بٹھانے سے خرابی لازم آتی ہے تو متعدد کے بٹھانے سے کون سی خوبی پیدا ہو سکتی ہے بھئی ہے ـــــ آزادی کیوں نہ ہو جائے؟ مگر

وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی
سُنی ضرور ہے دیکھی نہیں کہیں ہم نے

مسئلہ تقلید اور حضرت مولانا گنگوہیؒ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تقلید شخصی اور غیر شخصی کے ایک طویل سوال کا یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

الجواب: تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں مامور من اللہ تعالیٰ ہیں اور جس پر عمل کرے عہدۂ امتثال سے فارغ ہو جاتا ہے دراصل یہ مسئلہ درست ہے اور جو ایک فرد پر عمل کرے اور دوسری پر عمل نہ کرے اس میں دراصل کوئی عیب نہ تھا اور بوجہ مصلحت ایک پہ عمل کرنا درست ہے پس فی الواقع اصل یہی ہے لہٰذا جو تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں کہ مامور من اللہ تعالیٰ کو حرام کہتے ہیں اور جو بدون کسی حکم شرع کے غیر شخصی کو حرام کہتا ہے وہ بھی گنہگار ہے کہ مامور من اللہ تعالیٰ کو حرام بتاتا ہے دونوں ایک درجہ کے ہیں اصل میں۔ اور سائل خود اقرار کرتا ہے کہ مطلق شرعی کو اپنی رائے سے مقید کرنا بدعت ہے یہ قول اس کا صحیح ہے مگر حکم شرع سے خواہ اشارۃً ہو یا صراحۃً اگر مقید کرے تو درست ہے پس اب سنو کہ تقلید شخصی کا مصلحت ہونا اور عوام کا اس میں انتظام رہنا اور فساد و فتنہ کا رفع ہونا اس میں ظاہر ہے اور خود سائل بھی مصلحت ہونے کا اقرار کرتا ہے لہٰذا یہ استحسان اور عدم وجوب اسی وقت

تک ہے کہ کچھ فساد نہ ہو اور تقلید غیر شخصی میں وہ فساد و فتنہ ہو کہ تقلید شخصی کو شرک اور ائمہ کو سب و شتم اور اپنی رائے فاسد سے رد نصوص ہونے لگے جیسا کہ اب مشاہدہ ہو رہا ہے تو اس وقت ایسے لوگوں کے واسطے غیر شخصی حرام اور شخصی واجب ہو جاتی ہے اور یہ حرمت اور وجوب لغیرہ کہلاتا ہے کہ در اصل جائز مباح تھا کسی عارض کی وجہ سے حرام اور واجب ہو گیا تو وہ اس سبب فساد عوام کی وجہ سے کہ ہر ایک مجتہد ہو کر خرابی دین میں پیدا کرتا ہے خود مولوی محمد حسین بٹالوی ایسے مجتہدین جہلاء کو فاسق لکھتے ہیں پس اس رفع فساد کے واسطے شخصی کا واجب ہونا اور غیر شخصی کا ایسے جہلاء کے واسطے حرام ہونا اور عوام کو اس سے بند کرنا واجب ہوا اور اس کی نظیر شرع میں موجود ہے لہذا یہ تقلید مطلق کی نص سے کی گئی ہے نہ بالرائے دیکھو جناب فخر عالم علیہ السلام نے قرآن پڑھنا ہفت زبان عرب میں حق تعالیٰ سے جائز کرایا اور علی سبیل البدل کسی لغت میں پڑھو جائز ہے اور اس وسعت کو آپ علیہ السلام نے بڑی مشقت و سعی سے حلال کرایا اور حق تعالیٰ نے اجازت فرمائی مگر جب اس اختلاف لغات کے سبب باہم نزاع ہوا اور اندیشہ زیادہ نزاع کا ہوا تو باجماع صحابہؓ قرآن شریف کو ایک لغت قریش میں کر دیا گیا اور سب لغات جبراً موقوف کر دیئے گئے کہ جملہ دیگر لغات کے مصاحف جلا دیئے اور جبراً چھین لیے گئے دیکھو یہاں مطلق کو مقید کیا مگر بوجہ فساد امت کے۔ لہذا جب کہ تقلید غیر شخصی کرنے میں فساد ظاہر ہے اس میں کسی کو بشرط انصاف انکار نہ ہوگا۔ تو اگر واجب لغیرہ شخصی کو کہا جاوے اور غیر شخصی کو منع کیا جاوے تو یہ بالرائے نہیں بلکہ بحکم نص شارع علیہ السلام کے ہے کہ رفع فساد واجب ہر خاص و عام ہے الحاصل جو کچھ سائل نے لکھا وہ درست ہے مگر یہ امر اُس وقت تک ہے کہ فساد نہ ہو اور خواص کے واسطے ہے نہ عوام کے واسطے اور ایسی حالت موجودہ میں خوب بچشم خود مشاہدہ ہو رہا ہے وجوب شخصی کا بالرائے نہیں بلکہ بالنصوص ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴ ج ۱ طبع جدید برقی پریس دہلی)

اہل علم حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس فتویٰ کو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے۔ موجودہ زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس سے زیادہ بہتر اور مفید اور کوئی رائے نہیں ہو سکتی ۔

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس طرح علم حدیث کے سلسلہ میں مثلاً حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کے کسی ادر امام پر تصحیح و تضعیف کے سلسلہ میں اعتماد کرنے سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا حالانکہ تصحیح و تضعیف

بھی اجتہادی امر ہے ملاحظہ ہو مقام ابی حنیفہؒ) اور سندِ حدیث میں ان پہ اعتماد کیا جاتا ہے تو درایت اور معنیٰ حدیث میں مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اعتماد کرنے سے جن کی فقہی قابلیت ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور باقرارِ فریقِ ثانی وہ عقل کا غار تھے، کیوں دفعۃً خرابیاں جاگ اٹھتی ہیں؟ جب کہ حدیث میں مطلوب ہی معنیٰ و درایت ہے اور یہی منزل ہے اور سند و روایت تو اس کا راستہ ہے اور بغیر معانی سمجھنے کے نرے حدیث کے الفاظ کو رٹ لینا اور اس پر عمل کرنا بعض اوقات گمراہی کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ امام ابوعمر یوسفؒ بن عبدالبر المالکیؒ فرماتے ہیں کہ

اما طلب الحدیث علیٰ ما یطلبہ کثیر من اھل عصرنا الیوم دون تفقہ فیہ ولا تدبر لمعانیہ فمکروہ عند جماعۃ اھل العلم

حدیث کا طلب کرنا بغیر اس کے معنیٰ سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے کے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اکثر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں تو یہ اہلِ علم کی ایک جماعت کے ہاں مکروہ ہے۔

(جامع بیان العلم ج۲ ص۱۲ طبع مصر)

امام موصوفؒ نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا فرمایا اور کتبِ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ پہ عمل کرنے سے اور ناسخ و منسوخ اور اصل حقیقت کو نہ سمجھنے سے بجز گمراہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر تفقہ کے بغیر علمِ حدیث حاصل کرنا کیوں مکروہ نہ ہو؟ مثلاً کوئی شخص بخاری ج۱ ص۴۳ و ۳۰ کی وہ روایت پڑھے کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور انزال نہ ہو تو اس پر صرف وضو ہے غسل نہیں۔ اور وہ شخص اسی پر عمل کرتا ہے اور غسل نہ کرے تو یہ گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیونکہ یہ حکم منسوخ ہے یا مثلاً بخاری ج۱ ص۲۵ اور ترمذی ج۱ ص۱۱ وغیرہ کی یہ روایت پڑھے کہ اگر ہوا خارج ہو اور اس کی آواز اور بو محسوس نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اگر کسی کی ہوا خارج ہو اور آواز و بو نہ محسوس کرے اور نماز پڑھتا ہے تو یہ کونسی دینداری ہوگی؟ اور ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں ہمارے ایک مخلص معتمد اور متشرع دوست ہیں انہوں نے کہا کہ میری ایک بہو اہلحدیث ہے وہ کہتی اور اس پہ اصرار کرتی ہے کہ حدیث سے غسلِ جنابت کے سلسلہ میں صرف یہ ثابت ہے کہ تین چلّو پانی سر پہ ڈال دیا جائے تو پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے سارے بدن پہ پانی ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں اور میں نے یہ حدیث بخاری میں پڑھی ہے ان کی اس سلسلہ میں اتنہ

کشیدگی پیدا ہوئی کہ طلاق تک نوبت آگئی۔ اور واقعی یہ حدیث بخاری ص ۳۹ ج ۱ وغیرہ میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو پانی ڈالتا ہوں (اما انا فافیض علی راسی ثلاثا واشار بیدیہ کلیتہما) حالانکہ تفصیلی روایت میں ثم یفیض علیٰ سائر جسدہ کے الفاظ بھی ہیں یعنی آپؐ پھر سارے بدن پر پانی ڈالتے تھے یا مثلاً کوئی شخص ہمارے علاقہ میں جب کہ ہمارا قبلہ مغربی سمت پر ہے قضائے حاجت کے وقت بخاری ص ۲۶ ج ۱ کی حدیث شرقوا او غربوا پر عمل کرنا شروع کر دے تو کیا یہ عمل بالحدیث ہوگا؟

الحاصل اگر عوام کو ہر حدیث پر عمل کرنے کی کھلی چھٹی دیدی جائے تو وہ یہی کچھ کریں گے اس لیے یہ بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے ناسخ و منسوخ اور مطلوب و مقصود معانی کا سمجھنا بھی از بس ضروری ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو مکروہ بلکہ گناہ ہوگا اور امام ابن عبدالبرؒ کا کہنا بالکل درست ہے

لطیفہ:۔ امام ابو منصورؒ بن محمد الفقیہؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن یمن کے علاقہ شہر عدان میں تھا کہ دیہات سے ایک صاحب تشریف لائے اور ہمارے ساتھ انہوں نے مذاکرہ کیا اور اثناء گفتگو میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے بکری کھڑی کر لیتے تھے (نصب بین یدیہ شاۃ) میں نے اس کا انکار کیا تو وہ صاحب ایک لکھی ہوئی کتاب اٹھا لائے اور اس میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے نصب بین یدیہ عنزۃ (معرفت علوم الحدیث للحاکم ص ۱۴۸ طبع القاہرہ) لفظ عنْزۃ اگر نون کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بکری کے ہوتے ہیں اور وہ صاحب یہی سمجھے تھے اور لفظ عَنَزۃ نون کے فتح سے ہو تو اس کے معنی ایسی لاٹھی جس کے آگے ربا لگا ہو آپؐ جب کھلی جگہ نماز پڑھاتے تو لاٹھی سامنے گاڑ دیتے تھے تاکہ سترہ بن جائے اور یہاں یہی مراد ہے اور یہ روایت بخاری ص ۷۱ ج ۱ وغیرہ میں موجود ہے۔

فتاویٰ نذیریہ کا ایک اور حوالہ

سوال:۔ بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں اور آیت فاسئلوا اھل الذکر اور آیت یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لیتے ہیں کیا ان کی یہ بات صحیح ہے۔؟

الجواب:۔ بعض علماء کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مراد نہیں ہیں بلکہ پہلی آیت

میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے الیٰ ان قال الی ان قال بعض علماء کا اہل الذکر سے ائمہ مراد لینا اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا بہت غلط اور واہی بات ہے اور دوسری آیت میں اولوا الامر کے معنی حکومت والے ہیں اور یہی معنی مراد بھی ہیں یعنی بادشاہ اسلام اور حاکم جو صاحب حکومت اور با اختیار ہوتے ہیں الیٰ ان قال پس بعض علماء کا اس دوسری آیت میں اُولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لینا اور اس سے تقلید ائمہ مجتہدین کی فرض بتانا بالکل غلط ہے کیونکہ ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی صاحب حکومت نہیں تھے اور اگر بالفرض ان میں کوئی صاحب حکومت و با اختیار ہوتا بھی تو بھی اس آیت سے تقلید کا ثبوت نہیں ہوتا ہاں اس آیت سے اس کے زیر حکومت رعایا پر اس کے حکم کا ماننا فرض اور ضروری ہوتا۔ اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب سے اور حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات دیکھو مثلاً سلطان روم کی تمام رعایا جو ان کے زیر حکومت ہیں ان کے حکم ماننے کو ضروری سمجھتے ہیں اور مانتے ہیں مگر نہ ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کے مقلد ہیں المختصر تقلید نہ تو کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے تقلید کے بطلان میں بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف ہو چکے ہیں اس کے بطلان کی وجوہ مفصل طور پر دیکھنا ہو تو ان رسالوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کتبہٗ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ص ۱۶۳/۱ اور ۱۶۴)

اپنے شیخ الکل اور استاد محترم کی اقتدار کرتے ہوئے مولانا محمد حسین ہزاروی لکھتے ہیں۔

فاسئلوا الآیۃ کا حکم ان لوگوں کی شان میں وارد ہے۔ جو رسول خدا صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں پھر اس آیت کا مخاطب اپنے کو سمجھنا گویا اپنے کو منکر رسالت سمجھنا ہے الخ بلفظہٖ۔

(ہدایۃ البلید فی رد التقلید ص ۹ طبع منشی فخر الدین لاہور ۱۳۰۸ھ)

الجواب: اس افتاء میں جس دفع الوقتی اور طفل تسلی سے کام لیا گیا ہے وہ کسی بھی اہل علم پر مخفی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے ہم تفصیل اور تطویل کو ترک کرتے ہوئے صرف چند باتوں کا اختصاراً ذکر کرتے ہیں۔ غور و فکر کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

(۱) اگرچہ یہ فتویٰ جناب میاں صاحبؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ علی محمد صاحب کوئی بزرگ

ہے انہوں نے لکھا ہے جیسا کہ عبارت سے بالکل عیاں ہے لیکن اس فتویٰ پر جناب میاں صاحبؒ کی تصدیق اور دستخط موجود ہیں اس لیے اس کی ذمہ داری حضرت میاں صاحبؒ پر ہی عائد ہوتی ہے۔

(۲) حضرت میاں صاحبؒ اپنی معیاری کتاب میں فرماتے ہیں کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو (اور مقلدین حضرات بھی صرف اسی صورت میں تقلید کے قائل ہیں نص اور حدیث کے مقابلہ میں وہ بھی تقلید کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ صفدر) قال اللہ تعالیٰ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر الخ (معیار الحق ص۶۷) قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ معیار الحق میں تو حضرت میاں صاحبؒ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ کی آیت سے وجوب تقلید پر استدلال کرتے ہیں اور اہل الذکر سے اہل علم (اور ائمہ دین) مراد لیتے ہیں۔ اور فتاویٰ نذیریہ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں؟ ہم کچھ نہیں کہتے خود قارئین کرام ہی حضرت میاں صاحبؒ کی تحقیق اور انصاف کا اندازہ کر لیں ؂

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(۳) حضرت میاں صاحبؒ ہی يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کی تشریح کرتے ہوئے ایک مقدمہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مقدمہ یہ ہے کہ معنی تقلید کے اصطلاح میں اہل اصول کی یہ ہیں کہ مان لینا اور عمل کر لینا ساتھ قول بلادلیل اس شخص کے جس کا قول حجت شرعی نہ ہو تو بنا بر اس اصطلاح کے رجوع کرنا عامی کا طرف مجتہدوں کی اور تقلید کرنی ان کی کسی مسئلہ میں تقلید نہ ہوگی بلکہ اس کو اتباع اور سوال کہیں گے اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ وقت لاعلمی کے کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اس پر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی سے مجتہدوں کے اتباع کو تقلید کہا جاتا ہے (اس کے بعد میاں صاحبؒ نے علامہ شرنبلالیؒ کی کتاب عقد الفرید کا پھر فاضل قندھاریؒ کی کتاب منتہم الحصول کا حوالہ نقل کیا ہے جس کے آخر میں یہ بھی ہے ترجمہ میاں صاحبؒ ہی کا ہے)

اور اسی طرح رجوع کرنا انجان کا مفتی کے قول کی طرف اور رجوع کرنا قاضی کا ثقہ آدمی کے قول کی

طرف تقلید نہیں ٹھہرے گی کیونکہ یہ رجوع بحکم شرع واجب ہے بلکہ رجوع کرنا مجتہد یا انجان کا اپنے جیسے آدمی کی طرف تقلید نہیں لیکن مشہور یوں ہو گیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے۔ امام الحرمینؒ نے کہا ہے کہ اسی قول مشہور پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور غزالیؒ اور آمدیؒ اور ابن حاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کی طرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا مجوز ہے الخ بلفظہ (معیار الحق ص ۶۷) اس عبارت میں پس ثابت ہوا الخ سے جو حضرت میاں صاحبؒ کا اپنا قول اور فیصلہ ہے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی پر بھی مشہور قول کی بناء پر تقلید کا اطلاق جائز ہے اور نیز یہ ثابت ہوا کہ مفتی اور مجتہدین کی اتباع کو بھی تقلید کہنا جائز ہے معیار الحق کے اس واضح بیان سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اولی الامر منکم اور اہل الذکر سے اہل علم، مفتی اور مجتہد مراد ہیں حالانکہ عموماً نہ تو ان کے پاس حکومت اور اقتدار رہا ہے اور نہ وہ حکام اور امراء کی مد میں ہیں اور فتاویٰ نذیریہ کی عبارت کے پیش نظر اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ دین، علماء اور مجتہدین مراد ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس حکومت کا اقتدار و اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بقول ان کے اس سے مراد صرف ارباب حکومت اور با اختیار لوگ ہیں قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضرت میاں صاحبؒ کو ان کے ذہین اور شاطر مگر متعصب قسم کے شاگردوں نے تضاد و تعارض کے کس چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ محترم جناب میاں صاحبؒ

اہل الذکر عام ہے اور علماء اس کا اولین مصداق ہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ

ولم تختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائها وانهم المرادون بقول الله عز وجل فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون واجمعوا علی ان الاعمی لا بدلهٗ من تقلید غیره ممن یثق بمیزه بالقبلة اذا اشکلت علیه فکذٰلک من لا علم لهٗ ولا

علماء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عام لوگوں پر علماء کی تقلید لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون سے علماء ہی مراد ہیں اور علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ نابینا شخص پر جب قبلہ کی تعیین کا اشکال ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر کی جس پر اعتماد ہو تقلید کرے جو اسے قبلہ کی تمیز کرا سکے سو اسی طرح جس شخص کو دینی امور میں علم و بصیرت نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ عالم کی تقلید کرے

بصی بمعنی مایدین بہ لا بلہ من

تقلید عالمہ الخ (جامع بیان العلم وفضلہ ص۱۱۵ ج۲ طبع مصر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باتفاق علماء جاہل کے لیے عالم کی تقلید ضروری ہے اور اہل الذکر کا مصداق علماء ہیں۔ یعنی اولین مصداق اس کا علماء ہیں اور دوسرے بھی بالتبع اس میں شامل اور داخل ہیں اور خود حضرت میاں صاحبؒ نے مسلم الثبوت کے حوالہ سے اہل الذکر کی تمام مجتہدین اور علماء کاملین کے لیے تعمیم نقل کی ہے اور آخر میں اپنا فیصلہ یہ دیا ہے۔ سو جو عموم اہل ذکر کا انکار کرے اس پر نہایت ہی افسوس ہے خداوندا ہم کو حق حق دکھا اور باطل باطل انتہیٰ بلفظہٖ (حاشیہ فتاویٰ نذیریہ ص۱۸۱ ج۱) ہمیں بھی حضرت میاں صاحبؒ پہ باوجود ان کی قدر کر لینے کے نہایت ہی افسوس ہے کہ اپنی بات کا بھی جسے وہ خود تحریر فرماتے ہیں کوئی احساس وصیان اور لحاظ نہیں رکھتے اور اہل الذکر کو جو عام ہے ـــــ اہل کتاب سے مخصوص کر کے سستے طریقہ سے لگر خلاصی چاہتے ہیں جو مشکل ہی نہیں علمی طور پر ناممکن بھی ہے۔

مزید سُنیئے حضرت میاں صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ واضح ہو کر جاہل ناواقف پر بمقتضائے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ الآیۃ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الآیۃ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ وغیرھا من الآیات مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض واجب ہے یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل الذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو خواہ فاضل خواہ مفضول ہو کیونکہ اہل الذکر عند التحقیق عام ہے مسئلہ دریافت کر لیا کرے خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھے یا دو سے فی الجملہ جب سے تسلی اور دلجمعی ہو پھر جب ایک سے یا دو سے مثلاً دریافت کر لیا عہدہ تکلیف سے باہر ہو گیا اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (فتاویٰ نذیریہ ص۱۷۹ ج۱) ملاحظہ فرمائیں کہ اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ لاعلمی کے وقت جاہل کا عالم اہل الذکر سے مسائل دریافت کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا شرعاً فرض اور واجب ہے عام اس سے کہ وہ عالم افضل ہو یا مفضول کیونکہ عند التحقیق اہل الذکر سب کے لیے عام ہے اور اگر ایک اہل ذکر عالم سے بھی مسئلہ پوچھ لیا تو مواخذہ نہ رہا اور مکلف عہدہ تکلیف سے باہر ہو گیا اور اسی پر قطعی اجماع ہو چکا ہے۔ اس صریح فتویٰ کو بھی دیکھیے اور شاطر قسم کے شاگردوں کے اکسانے پر مقلدین حضرات کی قوی گرفت سے بچنے کے لیے حضرت میاں صاحبؒ کا اس فتویٰ پر دستخط ثبت کرنا بھی دیکھیے

جس میں اہل الذکر کو اہل الکتاب اور حکام وقت سے مختص کر دیا ہے اور علماء کو جنکی شمولیت یعلمون کی نص سے ثابت ہے اس سے خارج کر دیا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

جناب میاں صاحبؒ! ہم آپ کی قدر کرتے ہیں مگر آپ کے لیے ایسا متعصبانہ طریقہ اختیار کرنا اور تحزب میں مبتلا ہو کر ایسی علمی تلون مزاجی ہرگز مناسب نہیں ہے آپ ہی کے صریح فتویٰ سے ان آیات سے اہل علم مراد ہیں اور لاعلمی کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا فرض اور واجب ہے اور ایک کی بات ماننے (اور تقلید کرنے) سے بھی مکلف عہدۂ تکلیف سے فارغ الذمہ ہو جاتا ہے اور اس بات پر بقول آپ کے اجماع بھی ہو چکا ہے لہذا نصوص اور اجماع کی خلاف ورزی پر آپ ہرگز کمربستہ نہ ہوں اور آپ جاہل کو لاعلمی کے وقت اہل الذکر اہل علم اور مجتہدین کی طرف رجوع کر کے ان کی بات کو تسلیم کرنے سے نہ روکیں اور ان کو دونوں جہانوں کے ثواب سے ہرگز محروم نہ ہونے دیں کیونکہ آپ (جناب میاں صاحبؒ) خود ہی علامہ تاج الدین عثمانیؒ کی کتاب جامع الفوائد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ: جب کوئی مجتہد کے قول پر عمل کرے گا تو وہ دونوں جہاں میں ثواب پاوے گا جب تک کہ حدیث صحیح متصل السند نہ پاوے اور جب حدیث پاوے تو اس پر عمل کرے بلفظہ (معیار الحق ص۶۹) اور ظاہر امر ہے کہ ثواب تو نیکی پر ملتا ہے گناہ پر تو نہیں ملتا۔ اس لیے بقول آپ کے جاہل کے لیے مجتہد کی بات ماننا (اور تقلید کرنا) دارین کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ لہذا آپ ثواب دارین سے لوگوں کو ہرگز نہ روکیں اور اپنے متعصب۔ ضدی اور گروہ پسند شاگردوں کی بات کو کلیتہ رد کر دیں۔

(۴) اس افتاء میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے حضرات ائمہ مراد نہیں بلکہ پہلی آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں اور اس (دوسری) آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے الخ

الجواب:۔ قارئین کرام! غور فرمائیں کہ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے کس طرح سطحی طریقہ اور تجاہل عارفانہ کے انداز سے شان نزول کی آڑ لے کر جان چھڑانے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے اور طے شدہ قاعدہ اور ضابطہ کو کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد اور سبب کا سراسر نظر انداز کر دیا ہے بفضلہ تعالیٰ ہم نے متعدد صریح حوالوں سے اس پر احسن الکلام میں بحث کر دی ہے وہ وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ ہم یہاں اختصاراً فتاویٰ نذیریہ کا ایک حوالہ عرض کرتے ہیں۔ چنانچہ اس میں ایک

طویل مضمون کے ضمن میں درج ہے کہ اب جو کوئی کہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص محال (محل کی جمع ہے بمعنی مورد اور سبب کے ۔ صفدر) کا جیسا کہ جابجا کتب احادیث وکتب اصول فقہ اور استدلالات صحابہؓ سے واضح ہوتا ہے ۔ بلفظہ (فتاوی نذیریہ ج۱ ص۱۹۵) اس سے بہتر جواب حضرت میاں صاحبؒ کو اور کیا دیا جا سکتا ہے ؟ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جمہور اہل اسلام اور خود حضرت میاں صاحبؒ اور ان کی جماعت کے ذمہ دار حضرات کے بیان کیمطابق اہل الذکر سے اہل علم ۔ مجتہدین اور ارباب فتویٰ مراد ہیں اور اولی الامر میں حکام وامراء کے ساتھ علماء بھی شامل ہیں جیسا کہ پہلے امام رازیؒ علامہ قاضی شوکانیؒ اور جناب نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے ۔

لہذا مجتہدین ۔ فقہاء اور علماء کو اولی الامر کی تفسیر سے خارج کرنا اور اس کو صرف امراء اور حکام پر بند کرنا سینہ زوری ہے اور بغیر کسی شرعی اور قطعی دلیل کے (جو یہاں بالکل ناپید ہے) تخصیص کیونکر درست ہو سکتی ہے ؟ اور اس کو تسلیم بھی کون کرتا ہے ؟ جب کہ خود حضرت میاں صاحبؒ ہی ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں بلکہ یہ تخصیص بلا مخصص عادت یہود اور نصاریٰ کی ہے کیونکہ وہ لوگ عمومات توریت اور انجیل کی بلا مخصص شرعی تخصیص کر لیا کرتے تھے الخ بلفظہ (معیار الحق ص۳۸)

گستاخی معاف ! کیا اس مقام میں اہل الذکر سے اہل کتاب کو اور اولی الامر میں حکم اطاعت کا مخاطب صرف اہل مکہ کو قرار دینا اور بلا مخصص (قطعی اور شرعی) کے ان کے ساتھ ہی اس حکم کو خاص کر دینا یہود و نصاریٰ کی پیروی نہیں ؟ للہ کچھ تو فرمائیے کہ بات کیا ہے ؟ آپ حضرات اپنی خانگی محل اندازی نظر سے اللہ تعالیٰ کے عام احکام کو کیوں کفار سے خاص کرتے ہیں ؟ اور صحیح بات کی تہ کو کیوں نہیں پہنچتے مگر ؎

عام ہیں اس کے الطاف شہیدی سب پہ ۔۔۔ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

بلکہ اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ اولی الامر کا اولاً اور بالذات مصداق ہی حضرات مجتہدین ہیں تو بے جا نہ ہوگا ۔ چنانچہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ فرماتے ہیں ۔

ووجه تخصیص المجتهدین انه جاء فی الآیة الثانیة ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم ففسر اولی الامر

اور اولی الامر کی مجتہدین کے ساتھ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اگر وہ لوگ اس معاملہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اور لوگوں میں سے اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو ان میں

باهل الاستنباط وهم المجتهدون (احکام القرآن ص۲۵۶ ج۲)

سے جو استنباط کر سکتے ہیں اصل حقیقت کو جان لیتے تو اس میں اولی الامر کی تفسیر اہل استنباط سے کی گئی ہے اور وہ صرف مجتہدین ہی ہیں۔

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ اولی الامر سے مراد اہل علم اور اہل استنباط ہیں اور وہ حضرات مجتہدین ہیں مگر فریق ثانی اور ان کے شیخ الکل فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے صرف حکام و اُمراء مراد ہیں جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہو۔ ان مُسلَّم حضرات کے صریح اور روشن حوالوں سے اغماض کرنا علمی اور تحقیقی طور پر کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ ؎

ڈوبنا تھا جو کشتی کا مقدر یارب آنکھ کے سامنے اے کاش نہ ساحل ہوتا

(۵) اس افتاء میں مسلمانوں کے لیے دین و دنیا کی تفریق کر کے خالص پاپائیت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ کہ حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات ہے اور یہ کہ حاکم کا حکم ماننا فرض اور ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب سے الخ ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح مسلمان حاکم وقت کی اطاعت اور امام دین کی اطاعت کو دو الگ الگ اُمور قرار دے کر واضح طور پر پاپائیت (اہل علم تو بخوبی جانتے ہیں عوام کے افادہ کے لیے عرض ہے کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی رہنما پاپائے روم ہے اور عیسائیوں کے نظریہ میں دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں پاپائے روم کو بادشاہت سے کوئی واسطہ نہیں اور عیسائی بادشاہوں کو مذہبی اُمور سے کوئی سروکار نہیں سیاسی قوت بادشاہ کے ہاتھ میں ہو گی اور مذہبی سرداری کا ٹھیکہ دار پاپائے روم ہو گا) کا ثبوت دیا گیا ہے ہم اس مقام پر اس طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہتے بحمد اللہ تعالیٰ اسی پیش نظر کتاب میں بقدر ضرورت باحوالہ اس کی بحث موجود ہے کہ حاکم کا حکم بھی محض اس لیے تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سُنّت اور اجماع و قیاس صحیح کے مطابق ہے ورنہ اس کا فیصلہ بھی قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے کیونکہ بخاری ص۱۰۵۸ ج۲ کی روایت میں ہے انما الطاعۃ فی المعروف اور مسلم (ص۱۲۵ ج۲) کی روایت میں ہے لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف اور الجامع الصغیر (ص۲۰۳ ج۲) کی روایت میں ہے۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (وقال صحیح) الغرض جب بھی کوئی صحیح مسلمان حاکم وقت کی اطاعت کرتا ہے تو محض اس لیے کہ وہ اپنے ملکی اور شاہی اختیار سے شرعی اور قانونی طور پر

اس کا کوئی دینی مسئلہ حل کرتا ہے اور جب کسی قاضی مفتی اور مجتہد کی طرف رجوع کرتا ہے تو بھی صرف اس لیے کہ علمی طور پر اس کا دینی مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے اور دونوں کی اطاعت کا وہ شرعاً مکلف اور پابند ہے اس لیے نص قطعی میں فاسئلوا اور اطیعوا کے امر کے صیغوں سے لائے حکم ہے اور صیغۂ امر بے صارف محمول بر وجوب است (افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ص۱۰۶ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ) علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اگرچہ فرض اور واجب کا فرق کرتے ہیں لیکن دیگر علماء اور فقہاء کے نزدیک فرض و واجب کا ایک ہی مفہوم ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ لاعلم مسلمان پر قرآن و حدیث کے رو سے اہل علم کی بات ماننا فرض اور واجب ہے اور وہ اس کا مکلف اور پابند ہے اور اس کے لیے اس سے کوئی مخلص نہیں اور یہی ضمیر کی آواز ہے ؎

ضروری تو نہیں کہ دیں لبوں سے داستاں اپنی
زباں اک اور بھی ہوتی ہے اظہار تمنّا کی

(۶) اس افتاء میں یہ بھی درج ہے کہ المختصر تقلید نہ تو آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کی اجازت دی ہے الخ سو گذارش ہے کہ خود جناب میاں صاحبؒ لاعلمی کے وقت تقلید کی چار قسمیں بتاتے اور بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قسم اوّل واجب ہے۔ اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی مجتہد اہل سنت کی سے لاعلی التعیین الخ (معیار الحق ص۷۵) اور فرماتے ہیں کہ اور قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے الخ (ص۷۶) اور خود تصریح فرماتے ہیں کہ قسم اوّل اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں کیونکہ ان دونوں قسموں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں الخ (ص۷۷) اور نیز وہ فاسئلوا اھل الذکر الآیۃ سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر الخ مگر تعجب اور سخت حیرت ہے کہ اتنی اور ایسی صراحت کے بعد اس افتاء میں وہ فرماتے ہیں کہ تقلید کسی آیت قرآنیہ سے ثابت نہیں ہے انتہائی تأسف ہے اس مغالطہ آفرینی پر اور بے حد افسوس ہے اس مذہبی تعصب پر کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقیقت کا کھلے لفظوں میں انکار کرتے ہیں اور انہیں اپنے مذہب پر فٹ کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور لعن وطعن وہ مقلدین پر کیا کرتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث کو اپنے اماموں کے قول کے تابع بناتے ہیں اور ان کے قول پر انہیں فٹ کرتے ہیں کیا ایسے ہی موقع کے لیے یہ محاورہ چسپاں نہیں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے سچ ہے

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

یہ بحث تو قرآن کریم سے اجمالی طور پر تقلید کے ثبوت کی تھی اور حدیث سے تقلید کا اجمالی ثبوت بفضلہ تعالیٰ ہم حضرت معاذؓ کی حدیث سے باقرار فریق ثانی باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں اور مزید تقلید کے اثبات کی باحوالہ بحث اسی کتاب میں موجود ہے اور ہم معیار الحق کے مقدمہ باز بزرگ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی کے حوالہ سے بھی یہ بات عرض کر آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انما شفاء العی السوال انجان آدمی کے لیے صحت مند طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا الخ اور اسی رجوع کا نام عرف عام اور ارباب اصول کے مشہور قول کے مطابق تقلید ہے کما مر عن معیار الحق الحاصل فتاویٰ نذیریہ کے اس مغالطہ آفرین فتویٰ میں یہ خالص بے بنیاد دعویٰ کہ تقلید کسی آیت قرآنیہ اور حدیث سے ثابت نہیں۔ نری ہٹ دھرمی اور محض تعصب ہے اور یہ کاروائی قرآن وحدیث کو محض اپنے ناہموار مسلک پر فٹ کرنے کے مترادف ہے غرضیکہ رد تقلید کے سلسلہ میں اس فتویٰ میں جتنی بھی باتیں بیان کی گئی ہیں وہ انتہائی کمزور نہایت لایعنی اور بالکل مردود و باطل ہیں ان کی ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں ہے۔ سے شب تاریک سے کہہ دو کہ ٹھکانا کر لے۔ ہم اٹھائے ہوئے سورج کا علم آتے ہیں۔

(۱۳) غیر مقلدین کے مدرس عام مولانا عبد العزیز بن محمد نورستانی لکھتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون علماء سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ انما شفاء العی السوال۔ سوائے اس کے نہیں کہ نادانی کی بیماری کی شفاء پوچھنا ہے وما جهلتم فکلوہ الی عالمہ اور جو نہ جانو اس کو اس کے جاننے والے کی طرف سونپو وفوق کل ذی علم علیم۔ ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے ہم اس چیز کو ضروری سمجھتے ہیں کہ امی (ان پڑھ) پہ لازم ہے کہ وہ دین کے مسائل علماء سے لاعلی التعیین پوچھے بلفظہ (حقیقۃ الالحاد یعنی بے دینی کی حقیقت صـ۹۲ طبع باب الاسلام پریس کراچی) اس عبارت میں موصوف نے لاعلمی کے وقت جاہل کے لیے تقلید کو لازم اور ضروری قرار دیا ہے اور اس کے اثبات کے لیے قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے باقی باتیں تو بالکل عیاں ہیں البتہ آخری جملہ۔ کہ وہ دین کے مسائل علماء سے لاعلی التعیین پوچھے، قابل توجہ ہے وہ اس طرح کہ مکلف جاہل شرعاً اس امر کا تو ہرگز پابند نہیں کہ اپنے دور یا علاقہ کے سب علماء سے پوچھے بلکہ اگر صرف ایک ہی عالم سے دریافت کرے تو بقول ان کے شیخ الکل کے وہ عہدہ

تکلیف سے فارغ الذمہ ہو جائے گا۔ اور جب ایک ہی سے پوچھا تو وہ متعین ہو گیا لا علی التعیین تو نہ رہا علاوہ ازیں واضح طور پر لاعلم آدمی کیلیے صرف ایک ہی عالم سے سوال نہ کرنے اور پھر عمل نہ کرنیکی کون سی قطعی اور صریح دلیل موجود ہے؟ مگر یہ نہ پوچھے کلمۃ ھو قائلھا۔

حدیث انما شفاء العی

یہ حدیث حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہما سے مروی ہے حضرت جابرؓ کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے ہم میں سے ایک شخص کو سر پر پتھر لگا اور وہ زخمی ہو گیا اور اُسے احتلام ہو گیا اُس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے تیمم کی اجازت ہے؟ وہ بولے کہ تو پانی استعمال کرنے پر قادر ہے ہم تیرے لیے تیمم کرنے کی رخصت نہیں پاتے اُس نے غسل کیا اور اس کی وجہ سے وفات پا گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

قتلوہ قتلھم اللہ تعالیٰ الّا سالوا اذلم یعلموا فانما شفاء العیّ السوال الحدیث (ابوداؤد ج۱ ص۴۹ سنن الکبریٰ ج۱ ص۲۲۸، مشکوٰۃ ج۱ ص۵۵ نصب الرایہ ج۱ ص۱۸۷ و سبل السلام ج۱ ص۱۵۱)

وہ لوگ اُس کے قتل کا سبب بنے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے جب خود نہیں جانتے تھے تو انہوں نے دریافت کیوں نہ کیا؟ یقینی بات ہے کہ انجان کی شفاء تو سوال کرنے ہی میں ہے۔

اور یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے (مسند احمد ج۱ ص۳۳۰، ابن ماجہ ص۴۳، دارمی ص۱۵۸، دارقطنی ج۱ ص۶۹، ۷۰ و مستدرک ج۱ ص۱۷۸ و مشکوٰۃ ج۱ ص۵۵ والبیان والتعریف ج۲ ص۱۱۶ ج۲۰ وقال رواہ الضیاءؒ فی المختارۃ وصححہ الحاکمؒ و منتقی الاخبار مع النیل ج۱ ص۲۶۹ وقال الشوکانیؒ وصححہ ابن السکنؒ والتعلیق المغنی ج۱ ص۶۹ وقال صححہ ابن السکنؒ)

غرضیکہ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ امام بیہقیؒ اپنی کتاب المعرفۃ میں فرماتے ہیں ھذا الحدیث اصح ما روی فی ھذا الباب مع اختلاف فی اسنادہ (نصب الرایہ ج۱ ص۱۸۷ و شرح النقایۃ ج۱ ص۳۰) اور فریق ثانی بھی اس حدیث کو تسلیم اور اس سے استدلال کرتا ہے جیسا کہ مولانا سلفیؒ اور مولانا نورستانی وغیرہ کے بیان سے بالکل عیاں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم اس حدیث کو مانتے ہیں ؎

تجھ کو مری وفا کا یقیں نہ ہو مگر
تیری جفا میں میری محبت کو ناز ہے

باب دہم

حضرت ائمہ کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا

حضرات ائمہ کرامؒ کا کسی کو اپنی تقلید کرنے کی اجازت نہ دینا اور اس سے منع کرنا صرف اُن مسائل میں ہے جن میں ان کا کوئی قول قرآن وحدیث کے خلاف ہو اور ایسے موقع پر جب کہ قرآن وحدیث سے کوئی حکم ملتا ہو کوئی بھی مسلمان اس صورت میں کسی امام کی تقلید کو جائز نہیں کہتا اور نہ اس کو مانتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اختصاراً خود حضرات ائمہ اربعہؒ سے ان کی اپنی تصریحات نقل کردیں تاکہ معاملہ بالکل صاف اور بے غبار ہو جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

اترکوا قولی بقول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (عقد الجید ص۹۵ و دراسات اللبیب ص۹۱) — میرے قول کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔

اور نیز فرماتے ہیں

اذا صح الحدیث فھو مذھبی (شامی ج۱ ص۵۱ طبع مصر ورسم المفتی لابن عابدینؒ ص۴ وایقاظ الہمم ص۶۲) — جب کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ جب آپ ایک بات فرمائیں اور وہ بات کتاب اللہ کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مقابلہ میں جو میرا قول ہو اُسے ترک کر دو پھر سوال کیا گیا کہ آپ کا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ حدیث کے مقابلہ میں بھی میرا قول ترک کر دو، پھر سوال ہوا کہ اگر آپ کا کوئی قول حضرات صحابہ کرامؓ کے قول کے خلاف ہو تو پھر؟ فرمایا کہ پھر بھی میرا قول چھوڑ دو (عقد الجید ص۵۳ طبع مجتبائی دہلی)

یہ سارا بیان حضرت امام ابوحنیفہؒ کا خود اپنا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ ابن انسؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ

انما انا بشر أخطئ وأصيب فانظروا في رأيي فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوا به وكل ما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه (جامع بيان العلم وفضله ص۳۲ ج۲ والاحكام فى اصول الاحكام ص۱۴۹ ج۶ وايقاظ الهمم ص۷۲)	بلاشبہ میں بشر ہوں خطا بھی کر جاتا ہوں اور درست بات بھی کہتا ہوں سو تم میری رائے کو دیکھو جو قرآن وسنت کے مطابق ہو تو اُسے لو اور جو رائے قرآن وسنت کے خلاف ہو اُسے ترک کر دو۔

اس عبارت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جو رائے قرآن وسنت کے مطابق ہو تو وہ بہر حال قابل اخذ ہے اور رائے کا قرآن وسنت کے مطابق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ قرآن وسنت سے مستنبط ہو اور اسی کا نام تقلید ہے کیونکہ اگر قرآن وحدیث میں صراحت سے کوئی حکم موجود ہو تو اس میں نہ تو کسی امام کی رائے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ اس میں امام کی تقلید اور پیروی کا سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ منصوص حکم میں تقلید کا کوئی معنیٰ ہی نہیں اور نہ اس میں کسی امام کی رائے کی حاجت پڑتی ہے یہ بات مفروغ عنہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ (محمدؒ بن ادریسؒ المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ

اذا صح الحديث فهو مذهبي واذا رأيتم رأيي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط (عقد الجيد ص۴۹ ودراسات اللبيب ص۹۱ والروض الباسم ص۱۰۸ ج۱)	جب کوئی حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے اور جب تم میری کسی رائے کو حدیث کے خلاف دیکھو تو تم حدیث پر عمل کرو اور میری رائے اور کلام کو دیوار پر دے مارو۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس حق گوئی اور صفائی سے حضرت امام شافعیؒ نے (قرآن وحدیث کے خلاف اپنی رائے کو رد کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور حدیث پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ

رأى الاوزاعيؒ ورأى مالكؒ ورأى ابي حنيفةؒ كله رأى وهو عندي	حضرت امام اوزاعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی آراء سب رائیں ہیں اور حجت تو بہر حال

سواد وانما الحجة فی الآثار۔ | احادیث ہیں۔

(ایقاظ الہمم ص۲۱ طبع مصر وجامع بیان العلم لابن عبد البرؒ ص۱۴۹ ج۲)

اور نیز فرماتے ہیں کہ

والحدیث الضعیف احبّ الیّ من الرای | ضعیف حدیث میرے نزدیک رائے سے زیادہ بہتر ہے

(توضیح النظر فی شرح نخبۃ الفکر ص۳۲۶)

حضرات ائمہ اربعہؒ کے ان واضح اقوال اور ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ ان کی کوئی ایسی رائے اور ایسا قول جو حدیث سے متصادم ہو وہ متروک ہے اور تقلید سے منع کے بارے میں ان کے جتنے بھی اقوال منقول ہیں ان سب کا محمل یہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی۔ ایسی بات میں تقلید جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو مذموم قبیح اور ممنوع ہے اور ان کی وہ آراء اور اقوال جو نصوص اور احادیث کے موافق اور ان سے مستنبط ہیں تو ان میں ان کی تقلید کی ممانعت ثابت کرنا قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے کیونکہ لاعلمی کے وقت جاہل آدمی قرآن وحدیث کے رُو سے اس بات کا مکلف اور پابند ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے اور بالاتفاق حضرات ائمہ مجتہدینؒ اہل علم میں سرفہرست ہیں تو ان کا قول تسلیم کرنا اور ان کی تقلید کرنا جو شرعاً ثابت ہے کیوں ممنوع اور حرام ہے ہاں جو شخص عالم ہو اور احکام کو ادلہ سے اخذ کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کے لیے حضرات ائمہ کرامؒ کے نزدیک تقلید منع ہے چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

منع الائمۃ عن التقلید انما ھو فی حق القادر علی اخذ الاحکام عن الادلۃ | کہ حضرت ائمہ کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا اس شخص کے حق میں ہے جو احکام کو اُن کے ادلہ سے اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

(فتاوی ص۲۰۳ ج۲)

دیگر حضرات فقہاء کرامؒ کا تقلید سے منع کرنا

سابق بحث تو اس کی تھی کہ حضرات ائمہ مجتہدینؒ نے تقلید سے منع کیا ہے اور ان کی واضح عبارات کی روشنی میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن وحدیث کے مخالف اقوال میں اُن کی تقلید درست نہیں ہے باقی ان کے جو اقوال قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہوں ان میں ان کی تقلید شرعاً مطلوب ومحمود ہے اور یہی عقلی طور پر صحت مند طریقہ ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اب بعض دیگر فقہاء کرامؒ اور علماء ملت کے اقوال میں تقلید کی تردید کی حقیقت بھی

ملاحظہ فرمالیں جن سے آئے دن فریق ثانی سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے اور ان کے ذہن بگاڑتا ہے بہت سے اکابر علماء کرام کے اقوال اور عبارات میں تقلید کی پُر زور تردید آئی ہے جو بالکل بجا ہے نہ تو ہمارا مقصد ان اقوال کا استیعاب ہے اور نہ یہ ہمارے بس اور اختیار میں ہے۔ مُشتے نمونہ از خروارے چند حوالوں سے ہی یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے گی اس لیے مزید تفصیل اور تطویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

فریق ثانی کے شیخ الکل نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب قول سدید اور حضرت ملا علی القاریؒ کی کتاب شرح عین العلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے (ہم حضرت شیخ الکل کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں)

جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو حنفی مالکی شافعی حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ ان پر واجب کیا ہے کہ جن احکام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں وہ ان پر ایمان لاویں (قول سدید) یہ بات معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو حنفی مالکی شافعی حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ یہ تکلیف دی ہے۔

ان یعملوا بالسنۃ ان کانوا علماء — کہ حدیث پر عمل کریں اگر عالم ہیں اور اگر انجان ہیں

او یقلدوا علماء ان کانوا جہلاء (معیار الحق ص۹۷) — تو علماء کی پیروی کریں۔

ان دونوں بزرگوں کی عبارات میں اس کا واضح تذکرہ ہے کہ مومن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام اور سنت کے تسلیم کرنے کا پابند اور مکلّف ہے اور حدیث وسنت کی موجودگی میں حنفی مالکی شافعی اور حنبلی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر عالم ہے تو براہ راست سنت پر عمل کرے اور اس شق میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں قرآن وحدیث سے جو احکام ثابت ہیں ان میں نہ کوئی حنفی ومالکی ہے اور نہ شافعی وحنبلی ہے بلکہ سب مومن ہیں منصوص احکام میں کسی کے حنفی اور مالکی وغیرہ ہونے کا کیا معنیٰ؟ اس عبارت میں یہ تصریح بھی موجود ہے او یقلدوا علماء ان کانوا جہلاء (یعنی اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے جو احکام اور دلائل سے ناواقف ہے یا تعارض ادلہ میں تطبیق وترجیح کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ تاریخی طور پر ناسخ ومنسوخ کی پرکھ کر سکتا ہے اور اجمالی طور پر احکام کو جانتے ہوئے بھی جاہل ہے کہ ادلہ یا تعارض کے وقت تطبیق سے ناواقف ہے ان عبارات میں حضرت ملا علی القاریؒ کی عبارت میں تو صراحۃً موجود ہے کہ اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں۔ اس میں ترکِ تقلید کا سبق نہیں بلکہ تقلید کرنے کا درس ہے۔ ہاں البتہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت

مجمل ہے لیکن خود ان کی صریح عبارات اس کی تفسیر کرتی ہیں جن میں ایک عبارت ص۱۱۲ میں مذکور ہے فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند الی قوله وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفةؒ ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه الخ یعنی جاہل آدمی پر جو مثلاً ہندوستان کا باشندہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے اور اس سے نکلنا اس کے لیے حرام ہے۔ بالکل ظاہر بات ہے کہ علماء کے لیے وہ تقلید کو منع اور جہلاء کے لیے واجب اور لازم قرار دیتے ہیں اور خود بھی دونوں بزرگ اصولاً حنفی ہیں کہ جن غیر منصوص مسائل یا ان کے ادلہ میں اس طرح کا علم اور درک انہیں نہیں جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور متقدمین فقہاء احناف کو تھا تو ان میں وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، متقدمین فقہاء کرامؒ اور کتب فقہ پر کلی اعتماد کرتے ہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تو صاف لفظوں میں تصریح فرماتے ہیں کہ

وبعد از قرآن وحدیث مدار اسلام بر فقہ است — قرآن وحدیث کے بعد اسلام کی مدار ہی فقہ پر ہے

(قرۃ العینین ص۱۷۱ طبع مجتبائی دہلی)

الغرض حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے علاوہ دیگر بزرگوں کی بعض مجمل عبارات سے ترکِ تقلید یا مطلقاً تقلید کے ممنوع و مذموم ہونے پر استدلال کرنا خالص سطحی اذہان کی پیداوار ہے۔ لاشک فیہ حضرت شاہ صاحبؒ پر اگر علمی طور پر اعتماد ہے۔ تو ان کی مفصل باتوں کو بھی تسلیم کریں محض ان کے نام اور ادھوری عبارت سے کچھ نہیں بنتا ؎

بدلنا ہے تو مے بدلو، طریق مے کشی بدلو — وگرنہ ساغر و مینا بدل جائے تو کیا ہوگا؟

تعصب اور غلط بیانی کی بدترین مثال

بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عقائد اور اصول دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح و صحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے تقلید تو ان پیش آمدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ تو قرآن کریم سے صراحۃً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے اور حضرات مقلدین کے نزدیک جس امام کی تقلید کی جاتی ہے وہ ان کو ہرگز معصوم بھی نہیں مانتے بلکہ تمام اصول فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ جملہ مذکور ہے المجتهد یخطی ویصیب مگر غیر مقلدین حضرات کے محقق اور مدرس عالم مولوی عبدالعزیز بن محمد نورستانی ناجائز اور حرام تقلید کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کرامؒ کی چند عبارات اور حوالے نقل کر کے آگے لکھتے ہیں۔

مدعی سست اور گواہ چست | برادرانِ اہل تقلید! کیا لطف کی بات ہے کہ ائمہ حضرات فرماتے ہیں۔ کہ ہماری تمام باتیں ممکن ہے کہ غلط ہوں اور مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ ائمہ بالکل معصوم تھے ان سے غلطی کا امکان ہی نہیں ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے ہر قول وفعل کو سچا اور صحیح مانیں الی ان قال ائمہ عظامؒ تو فرمائیں کہ تقلید ہرگز نہ کرو اور مقلدین فرمائیں کہ براہ راست قرآن وحدیث پر ہرگز عمل نہ کرو کیونکہ تقلید واجب وضروری ہے ائمہ عظامؒ تو فرمائیں کہ قرآن وحدیث کے خلاف ہمارا قول لینا حرام ہے اور مقلدین فرمائیں کہ امام کے ایک قول کو چھوڑنا بھی موجب لعنت ہے الخ بلفظہٖ (حقیقۃ الالحاد یعنی بے دینی کی حقیقت ص۲۷ و ص۲۸ طبع باب الاسلام پریس کراچی)

الجواب:۔ اس مضمون میں جو دجل اور تلبیس کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ذیل کے امور کو غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ ہماری تمام باتیں ممکن ہے کہ غلط ہوں۔ یہ ان پر خالص افترا اور بہتان ہے چونکہ حضرات ائمہ کرامؒ مجتہد ہیں اور مجتہد کی اجتہادی بات میں صواب وخطأ دونوں پہلو محتمل اور ممکن ہوتے ہیں جہاں ان کی ہر بات میں غلطی اور خطاء کا امکان ہے وہاں اس کے درست اور صواب ہونے کا امکان بھی ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ ممکن ہے کہ ان کی تمام اجتہادی باتیں درست اور صحیح بھی ہوں امکان کے صرف ایک پہلو کو لے لینا اور اس پہ اصرار کرنا اور دوسرے پہلو سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا۔ اسلام اور دین کی کون سی خدمت ہے؟ علمی طور پہ امکان کے دونوں پہلو ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

(۲) حضرات ائمہ کرامؒ کی عبارات میں تصریح موجود ہے کہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں ان کا ہر قول متروک ہے اور جملہ مقلدین حضرات بھی قرآن وحدیث کے مقابلہ میں حضرات ائمہ کرامؒ کے اقوال کو متروک ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کے صریح حوالے عرض کیے جا چکے ہیں اور حضرت امام مالکؒ کا یہ ارشاد بھی (جس کو مؤلف مذکور نے بھی حقیقۃ الالحاد ص۲۳ میں نقل کیا ہے) انما انا بشر اصیب واخطیٔ الخ یعنی میری رائے درست بھی ہوتی ہے اور خطا بھی کر جاتا ہوں مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو تقلید کی تردید کے اندھے شوق میں اصیب کا لفظ ہی نظر نہیں آرہا کہ حضرات ائمہ کرامؒ کی اجتہادی باتیں درست بھی ہوتی ہیں اور صرف اخطیٔ کا لفظ ہی نظر آتا ہے جیسا کہ ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا رہتا ہے۔

(۳) حضرات مقلدین میں کوئی بھی حضرات ائمہ کرامؒ کو معصوم نہیں کہتا وہ ان کو مجتہد مانتے ہیں جو یخطیٔ ویصیب کا مصداق ہیں۔ حضرات ائمہ کرام کی عصمت کا باطل دعویٰ صرف روافض کا ہے جن کی تردید حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیمات الٰہیہ اور در ثمین میں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

نے ردّ روافض میں اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فتاویٰ عزیزی میں اور اس دور میں امام اہلسنت والجماعت حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۸۲ھ) نے اپنے رسالہ شیعہ کافر ہیں میں کی ہے اور روافض کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حضرات ائمہ کرامؒ کو معصوم تصور کرتے ہیں حالانکہ عصمت صرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے ۔ اور فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ ص ۳۶ طبع دہلی میں بھی تکفیر لکھی ہے حضرات مقلدین کے ذمہ یہ سراسر باطل نظریہ لگانا کہ وہ حضرات ائمہ کرامؒ کو معصوم عن الخطا کہتے ہیں قطعاً باطل صریح افتراء اور سفید جھوٹ ہے اور براہ راست قرآن وحدیث پر عمل سے اس کو منع کرتے ہیں جو ناسخ ومنسوخ میں فرق نہ کر سکتا ہو یا مختلف حدیثوں میں تطبیق کی اہلیت نہ رکھتا ہو ۔ مگر غیر مقلدین حضرات کو اسی میں لطف اور مزا آتا ہے ۔ کہ وہ بلا تفصیل مقلدین پر برستے ہیں ۔

(۴) کسی بھی مقلد کا یہ مسلک نہیں کہ حضرات ائمہ کرامؒ سے غلطی کا امکان نہیں وہ تو چلا چلا کر کہتے ہیں کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی غیر مقلدین کا یہ کتنا اور کیسا واضح جھوٹ ہے جو عوام الناس کو مغالطہ دینے کے لیے اور اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے تراشا ہے اور یہ صرف انہیں کو زیب دیتا ہے کیونکہ کل اناء یترشح بما فیہ (یعنی ہر برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے)

(۵) یہ بھی کسی مقلد نے نہیں کہا کہ ہم پر فرض ہے کہ ہم حضرات ائمہ کرامؒ کے ہر قول وفعل کو سچا اور صحیح مانیں تصریح کی جا چکی ہے کہ مجتہد کے قول میں صواب وخطاء ، دونوں پہلو ہوتے ہیں اور فریق ثانی کے شیخ الکل کا یہ حوالہ بھی گذر چکا ہے کہ لاعلمی کے وقت لاعلی التعیین کسی ایک مجتہد کی تقلید واجب ہے اور معین کی تقلید مباح ہے ۔ گو حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم فرض وواجب کا فرق کرتے ہیں لیکن دیگر حضرات کے ہاں فرض واجب کا ایک ہی مفہوم ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ حوالہ عرض بھی کیا جا چکا ہے کہ مثلاً ہندوستان وغیرہ میں جہاں صرف ایک ہی امام کی فقہ رائج ہو اور اسی ہی کی کتابیں میسر ہوں تو وہاں (اس خارجی دلیل کی وجہ سے) اسی کی تقلید واجب ہوگی کیونکہ اس میں سہولت ہے اور ترک تقلید سے بے دینی کا خطرہ ہے الغرض جہاں شرعاً تقلید حرام ہے وہاں حضرات مقلدین بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں اور لاعلمی کے وقت فریق ثانی کے شیخ الکل بھی تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں گو دل کو بہلانے کے لیے ساتھ لاعلیٰ التعیین کی قید بھی لگاتے ہیں جو بے سود ہے کما مر ۔ کیونکہ ایک کی تقلید سے بھی امتثال امر ہو جاتا ہے ۔ ایسے ہی موقع پر حضرات مقلدین بھی تقلید کو واجب کہتے ہیں ۔ ورنہ الحاد ۔ زندقہ اور بے دینی کا زنند ہونے والا

دروازہ کھل جائے گا جس کا بند کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ؎

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے　　عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

حضرت مولانا نانوتویؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالجہ ہے لیکن جس وقت اطباء یا ڈاکٹر مریض کی تشخیص میں اختلاف کرتے ہیں تو مریض جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر سے معالجہ کرتا ہے ہر بات میں اسی کا کہنا مانتا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں لی جاتی ایسی ہی بوقت اختلافِ آئمہ جس مجتہد کا اتباع کیا جائے ہر بات میں اسی کی تابعداری ضروری ہے ہاں جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کی طرف رجوع کر لیتے ہیں ایسے کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسی وجہ سے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور تبدیل مذہب کے بعد ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کہ ایک بات ان کی مانی اور ایک بات اُن کی مانی امام طحاویؒ جو بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے۔

مختصر یہ کہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہے کہ کروڑوں عالم و محدث گذر گئے پر مقلد ہی رہے امام ترمذیؒ کو دیکھئے اتنے بڑے عالم فقیہ اور محدث تھے وہ بھی مقلد تھے جب ایسے بڑے عالم اس کمال علمی پر مقلد رہے تو آج کون عالم ہو گا جس کے ذمہ تقلید ضروری نہ ہو (تصفیۃ العقائد ص ۴۳ ج ۴)

اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اب تقلید چاروں مذاہب میں منحصر ہو گئی ہے کیونکہ انہیں کی فقہ مدون و مرتب ہے جب کہ بقیہ مذاہب اور ان کی کتابیں باقی نہیں رہیں یا انہی چار میں مدغم ہو گئی ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ (المتوفی سنہ ھ) قلعہ میاں سنگھوی فرماتے ہیں۔

جیہڑی اچھے سچے صاحب مذہب سے کہتے ہیں تو آکھ جی چار۔ پہلا مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ دا دوجا مذہب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دا تیجا مذہب حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دا چوتھا مذہب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دا (بلفظہ پکی روٹی خورد ص ۳ مطبوعہ شیخ سراج دین تاجر کتب اردو بازار لاہور)

باب یازدہم

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نمایاں خصوصیات اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہ کو چند مخصوص خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کی وجہ سے وہ بقیہ حضرات مجتہدین سے ممتاز ہیں۔

مثلاً[1] یہ کہ وہ حدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال الخ کا اولین مصداق ہیں اور یہ کہ[2] وہ تابعی ہیں اور یہ کہ وہ[3] بڑے عابد وزاہد تھے وغیرہ وغیرہ مگر صد افسوس ہے کہ غیر مقلدین کے شیخ الکل کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ان خوبیوں میں سے ایک خوبی بھی مُسلّم نہیں چنانچہ انہوں نے تاریخی اعتبار سے ان تمام ثابت شدہ حقائق کا رد کیا ہے ہم ترتیب وار ان کے الفاظ میں ان اُمور کا ذکر کر کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

فریق ثانی کے شیخ الکل تحریر کرتے ہیں کہ تبییض الصحیفہ میں سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کی فضیلت میں یہ حدیث صحیح بخاری کی کافی ہے لوکان الایمان عند الثریا لنالہٗ رجال من فارس تو بھی باقی اور اماموں پر فضل نہیں ثابت ہوتا کیونکہ اور ائمہ بھی احادیث صحیحہ کے مصداق ہو سکتے ہیں چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون احداً اعلم من عالم المدینۃ کی جو کہ ترمذیؒ نے روایت کی ہے۔ مصداق ہو سکتے ہیں جیسا کہ عبدالرزاقؒ اور سفیانؒ بن عیینہؒ سے جو راوی ہیں اس حدیث کے ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور امام شافعیؒ تو کئی احادیث صحیحہ کے مصداق ہو سکتے ہیں جیسا کہ امام نوویؒ نے اُن احادیث کو تہذیب میں خوب تفصیل سے وارد کیا ہے الخ (معیار الحق ص ۳۰)

الجواب:- دیگر احادیث کا مصداق دوسرے حضرات ائمہ کرامؒ ہوں تو بلاشک ہوں کون مسلمان اس کا منکر ہے لیکن حدیث۔

لوکان الایمان عند الثریا لنالہ، اگر ایمان ثریا ستارے میں بھی ہو تو اس کو اہل فارس

رجال اور رجل من ھٰؤلاء (بخاری ج۲ ص۷۲۷ واللفظ لہٗ ومسلم ج۲ ص۳۱۲) | میں سے کئی مرد یا ایک مرد ضرور حاصل کرے گا۔

اور حدیث

لو کان العلم بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس (مسند احمد ج۲ ص۴۲۲ ومدار دار النقاد ص۵۷۴) | اگر علم ثریا میں بھی ہو تو اس کو اہل فارس کے کئی لوگ لازماً حاصل کر لیں گے۔

کا اولین مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں جیسا کہ امام سیوطیؒ نے تبییض الصحیفہ ص۳ اور امام ابن حجر مکیؒ نے الخیرات الحسان ص۱۳ اور علامہ محمد معین سندیؒ نے دراسات اللبیب ص۲۸۹ میں اس کی تصریح کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کلمات طیبات ص۱۶۸ اور ازالۃ الخفاء ص۲۷۱ میں اور نواب صدیق حسن خان اتحاف النبلاء ص۴۲۴ میں حضرت امام ابو حنیفہ اور فارسی النسل حضرات فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ کو بھی اس کا مصداق قرار دیتے ہیں چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی اور اقدم ہیں اس لیے ان کے نزدیک بھی وہی اس کا اولین مصداق ہوں گے اور ثانیاً وبالطبع دوسرے حضرات بھی اس فضیلت میں شامل ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ اس کی مزید بحث مقام ابی حنیفہؒ ص۸۲ تا ۸۶ میں ملاحظہ فرمائیں بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے وہاں قدرے بسط سے اس کی بحث کر دی ہے۔

حدیث یضرب الناس اکباد الابل الحدیث ترمذی ج۲ ص۹۳ اور مشکوٰۃ ج۱ ص۳۵ میں ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح۔ اس کا مصداق جیسا کہ ترمذی میں امام عبد الرزاقؒ اور امام سفیانؒ بن عیینہؒ کے حوالے سے امام مالکؒ بیان کیے گئے ہیں اسی طرح ترمذی ہی میں امام سفیانؒ بن عیینہؒ سے دوسری روایت میں اس کا مصداق عبد العزیزؒ بن عبد اللہ العمری الزاہدؒ بھی بیان کیے گئے اور علامہ ابن عبد الملکؒ اس کا مصداق حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ بتاتے ہیں (مرقات ج۱ ص۳۰۱ وحاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۳۶) اور صاحب لمعات اس کا مصداق مدینہ طیبہ کے اس آخری عالم کو قرار دیتے ہیں جب دنیا کے تمام اطراف سے ایمان سمٹ کر مدینہ طیبہ پہنچے گا اور وہ عالم اس وقت وہاں موجود ہو گا (حاشیہ ترمذی ج۲ ص۹۲) اپنے دور میں اہل مدینہ میں حضرت امام مالکؒ بھی اس حدیث کا مصداق ہوں تو کس کو انکار ہے؟

باقی حضرت امام شافعیؒ کی فضیلت کی حدیثوں سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ مجمل اور مبہم احادیث میں جو فضیلت آئی ہے امام شافعیؒ اس کا مصداق ہیں تو علی الرأس والعین کون ان کی بزرگی فقہی اور علمی خدمات کا انکار کرتا ہے؟ اور اگر یہ مراد ہو کہ محمد بن ادریسؒ کے نام سے جو حدیثیں آئی ہیں تو ایسی تمام احادیث موضوع

اور جعلی ہیں جیسے سراج امتی ابوحنیفہؒ کے مضمون کی روایتوں کو شیخ الکل جعلی بیان کرتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الکل ہی کا جواب عرض کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔ اور علامۃ الدہر رئیس المحدثین عصر مجد الدین صاحب قاموس سفر السعادت میں فرماتے ہیں در فضائل امام ابی حنیفہ و امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ذم ایشاں چیزے صحیح ثابت نشدہ و ہر چہ درآں معنی مذکور است مجموع مفتری و موضوع است انتہیٰ (معیار الحق ص۳۱ و ص۳۲)

یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فضائل اور مذمت میں (نام کی تصریح کے ساتھ) کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور جو اس سلسلہ میں مذکور ہیں وہ سب جھوٹی اور جعلی ہیں۔

اس سے بہتر علمی جواب اور کیا ہو سکتا ہے؟ ؎

احسان اتنا تیغ جواب وفا ملا — ہم جس کے بعد پھر کوئی ارمان نہ کر سکے

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہی فوقیت

حضرات ائمہ اربعہؒ اور دیگر بے شمار حضرات فقہاء کرامؒ اپنے خداداد فقہی کمال کے لحاظ سے قابل صد احترام ہیں لیکن ان میں جو فقہی مقام حضرات ائمہ اربعہؒ کو اور ان میں بھی علی الخصوص حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں اسی فقہی فوقیت اور برتری کی وجہ سے اُن کو بقیہ حضرات فقہاء کرامؒ پر مزیت حاصل ہے اور اسی فقہی کمال کی وجہ سے لوگ علم فقہ میں ان کے خوشہ چین ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقام ابی حنیفہؒ میں ٹھوس حوالوں کے ساتھ ہم نے ان کی فقاہت کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ بحث اسی میں ملاحظہ فرمائیں صرف دو حوالے اور شہادتیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃؒ — لوگ فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خوشہ چین ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۶۰ والاکمال ص۶۲۵)

حضرت امام شافعیؒ کی یہ شہادت کوئی معمولی شہادت نہیں ہے بہت بڑی شہادت ہے۔

(۲) علامہ محمدؒ بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ (المتوفی ۷۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

ولو کان الامام ابوحنیفۃؒ جاھلاً ومن حلیۃ العلم عاطلاً ما طابقت جبال العلم من الحنفیۃ علی الاشتغال — اگر امام ابوحنیفہؒ جاہل ہوتے اور علم کے زیور سے خالی ہوتے تو احناف میں علم کے پہاڑ مثلاً قاضی ابو یوسفؒ امام محمدؒ بن الحسن شیبانیؒ امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ اور ان

بمذاهبه کالقاضی ابی یوسفؒ ومحمدؒ بن الحسن الشیبانیؒ والطحاویؒ وابی الحسن الکرخیؒ وامثالهم واضعافهم فعلماء الطائفة الحنفیة فی الهند والشام ومصر والیمن والجزیرة والحرمین والعراقین منذ مائة وخمسین من الهجرة الی هذا التاریخ یزید علی ستمائة سنة فهم الوف لا یحصرون وعوالم لا یحصون من اهل العلم والفتوی والورع والتقوی الخ (الروض الباسم ص۱۶۰ ج۱)

جیسے دیگر حضرات اور ان سے کئی گنا زیادہ کبھی بھی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے گرویدہ نہ ہوتے احناف کے گروہ کے علماء ہندوستان شام، مصر، یمن، جزیرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ عراق عرب اور عراق عجم میں ایک سو پچاس ہجری سے لے کر آج کے دن تک چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے چلے آ رہے ہیں اور وہ ہزاروں ہیں شمار نہیں ہو سکتے اور ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں احاطہ سے باہر ہیں اور وہ سب اہل علم ارباب فتویٰ اصحاب ورع اور تقویٰ ہیں۔

غیر مقلدین حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ تقلید چوتھی صدی سے شروع ہوئی ہے لیکن علامہ وزیر یمانیؒ غیر مقلد محقق عالم کی صریح تحریر سے ثابت ہوا کہ حنفیت ایک سو پچاس ہجری سے چلی آ رہی ہے اور دنیا کا کوئی خطہ ان کے جید علماء بلکہ علم کے پہاڑوں سے خالی نہیں رہا اور وہ اس کثرت سے ہوئے اور ہیں کہ شمار سے بھی باہر ہیں اور یہ گرویدگی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دیگر خداداد صفات کے علاوہ ان کے فقہی کمال اور برتری کی وجہ سے ہے اور اسی وجہ سے علم کے پہاڑوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو ترجیح دی ہے اور ان کے قول کو صوابؔ یحتمل الخطا سمجھا ہے۔ مگر فریق ثانی کے شیخ الکل فرماتے ہیں کہ۔ مقلد کو چاہیئے کہ چاروں مذہبوں کو برابر جانے (معیار الحق ص۱۵۵)

اور نیز فرماتے ہیں کہ۔ ائمہ اربعہؒ کے مقلدین کو لازم ہے کہ چاروں اماموں کو برابر سمجھیں نہ یہ کہ اپنے امام کے مذہب کو صواب اور محتمل خطا اور دوسرے ائمہ کے مذاہب کو خطا محتمل الصواب سمجھیں الخ (معیار الحق ص۱۵۱)

ان الفاظ میں وہ دبی ہوئی زبان سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہی فوقیت کا انکار کر رہے ہیں کہ جب وہ دوسروں کے برابر قرار پائے تو پھر کسی کو ان کی تقلید کی کیا مجبوری پیش آئی ہے؟ لیکن اتنی بات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ وجہ ترجیح کے بغیر کوئی کسی امام کی فقہ کو کیسے اپنائیگا؟ اور اصول فقہ والوں نے وجہ ترجیح یہی بیان کی ہے کہ اپنے امام کے قول کو صواب یحتمل الخطأ اور دوسروں کے اقوال کو خطأ یحتمل الصواب سمجھے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں

مشہور قدیم اور ثقہ مورخ امام ابوالفرج محمدؒ بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے لکھتے ہیں کہ

وکان من التابعین لقی عدۃ من الصحابۃ رض (الفہرست ص۲۹۸ سن تصنیف ۳۷۷ھ)

امام ابو حنیفہؒ تابعینؒ میں سے ہیں اور بہت سے حضرات صحابہ کرام رض سے اُن کی ملاقات ہوئی ہے۔

اس عبارت سے بصراحت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا اور متعدد حضرات صحابہ کرام رض سے ملاقات کرنا ثابت ہوا۔

حضرت ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد ثبت رؤیتہ لبعض الصحابۃ رض واختلف فی روایتہ عنھم والمعتمد ثبوتھا الی قولہ فھو من التابعین الاعلام کما صرح بہ العلماء الاعیان (ذیل الجواہر ص۴۵۲ ج۲)

امام ابو حنیفہؒ کا بعض حضرات صحابہ کرام رض کو دیکھنا تو بلاشبہ ثابت ہے ہاں اُن کی حضرات صحابہ کرام رض سے روایت کرنے میں اختلاف ہے اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اُن کی ان سے روایت ثابت ہے (پھر فرمایا) تو ثابت ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ بڑے تابعینؒ میں سے تھے جیسا کہ علماء کرام کی بڑی شخصیتوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

ان حضرات کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ولادت اکثر علماء کی تحقیق سے ۸۰ھ میں ہوئی ہے (جامع المسانید ص۲۵ ج۱ و تذکرہ ص۱۵۸ ج۱ و تہذیب التہذیب ص۴۴۹ ج۱۰ والجواہر المضیہ ص۲۷ ج۱) اور متعدد حضرات صحابہ کرام رض کی وفات ۸۰ھ کے بعد ہوئی چند حضرات کے نام باحوالہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ رض بن الحارث بن جزء (المتوفی ۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ تہذیب التہذیب ص۱۷۹ ج۵)

(۲) حضرت واثلہ رض بن الاسقع کی وفات امام ابو مسہرؒ اور حضرات محدثین کرامؒ کی ایک جماعت کے نزدیک ۸۵ھ میں ہوئی (تہذیب التہذیب ص۱۰۱ ج۱۱)

(۳) حضرت انس رض بن مالک۔ المتوفی ۹۳ھ وھو قول خلیفۃؒ بن خیاطؒ وھو اصح یا ۹۵ھ میں کما قالہ جریرؒ بن حازمؒ و شعیبؒ بن الحبحابؒ (تہذیب التہذیب ص۳۷۹ ج۱) حضرت امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر ص۱۰۸ میں علامہ ابن سعدؒ نے طبقات ص۱۶ ج۷ میں اور علامہ ذہبیؒ نے العبر ص۲۸ ج۱ میں حضرت انس رض

کا سن وفات ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ لکھا ہے۔

(۴) حضرت محمود بن لبید المتوفی ۹۶ھ حضرت امام بخاریؒ اور امام ابن حبانؒ اور امام ترمذیؒ ان کو صحابی بیان کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۶۶ ج ۱۰)

(۵) حضرت محمود بن الربیع المتوفی ۹۹ھ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۶۲ ج ۱۰)

اور بخاری ص ۱۶ ج ۱ میں ان کی روایت موجود ہے۔

(۶) حضرت ہرماسؓ بن زیادہ الباہلی حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں روی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضرت عکرمہؒ بن عمارؒ فرماتے ہیں کہ میری ان سے ۱۰۲ھ میں ملاقات ہوئی تھی۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۸ ج ۱۱) ظاہر بات ہے کہ اس کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے صاحب تہذیب الکمال علامہ ابوالحجاج المزیؒ (المتوفی ۷۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۰۰ھ کے بعد ہوئی ہے۔ (ہامش تہذیب ص ۲۸ ج ۱۱)

(۷) حضرت ابوالطفیل عامرؓ بن واثلہ۔ حضرت امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ ۱۰۰ھ میں اُن کی وفات ہوئی ہے امام ابن البرقیؒ اور خلیفہؒ فرماتے ہیں کہ ۱۰۲ھ میں ہوئی اور کثیرؒ بن اعینؒ فرماتے ہیں ۱۰۷ھ میں میں نے ان سے مکہ مکرمہ میں حدیث سنی تھی اور جریرؒ بن حازمؒ جو ثقہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ایک جنازہ دیکھا لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوالطفیلؓ کا جنازہ ہے (تہذیب التہذیب ص ۸۲ ج ۵)

ہم نے اختصاراً تقریباً نصف درجن حضرات صحابہ کرامؓ کے نام اور سنین وفات باحوالہ درج کیے ہیں اور جمہور حضرات محدثین کرامؒ کے قاعدہ کے مطابق جس پر حضرت امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۲ میں علمی بحث کی ہے روایت کی صحت کے لیے امکان لقاء ہی کافی ہے۔ اور اسی کو انہوں نے ان القول الشائع المتفق علیہ بین اھل العلم بالاخبار والروایات قدیماً وحدیثاً الخ فرما کر سب حضرات محدثین کرامؒ کا اتفاقی اور اجماعی قول بتایا ہے۔ اور طے شدہ قواعد کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سن تمیز میں ان سے لقاء ممکن ہے جس کا انکار کرنا تاریخ کا انکار کرنا ہے جو صرف ضد اور تعصب کی پیداوار ہے اور انشاء اللہ العزیز باحوالہ یہ بات بیان ہوگی کہ تابعی ہونے کے لیے لقاء اور روئیت کافی ہے طول

صحبت اور روایت کرنا شرط نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں راٰی انساً (تہذیب التہذیب ص ۴۴۹ ج ۱۰) کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

راٰی انسؓ بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ (تذکرہ ص ۱۵۸ ج ۱)

امام ابو حنیفہؒ نے کئی مرتبہ حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے جبکہ وہ ان کے پاس کوفہ تشریف لے جاتے تھے۔

جب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے تیرہ ۱۳ یا پندرہ ۱۵ سال کی عمر تک کئی مرتبہ حضرت انسؓ کو دیکھا ہے تو سولہ ۱۶ انیس ۱۹۔ بیس ۲۰۔ بائیس ۲۲ اور تیس ۳۰ سال کی عمر تک اس کے بعد وفات پانے والے حضرات صحابہ کرامؓ سے امکان لقاء کے طے شدہ قاعدہ کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ان بقیہ حضرات صحابہ کرامؓ سے ملاقات اور ان کی رؤیت کیوں ممکن نہیں؟ اور کیوں نہیں ہو سکتی؟ الغرض رؤیۃً امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا تو ایک مسلّم حقیقت ہے چنانچہ علامہ ۱ ابن سعدؒ امام ۲ دار قطنیؒ، خطیب ۳ بغدادیؒ، امام ۴ نوویؒ امام ابن عدیؒ ۵۔ علامہ ۶ ذہبیؒ، علامہ ۷ سمعانیؒ علامہ ۸ عراقیؒ، حافظ ۹ ابن حجرؒ اور امام ۱۰ سخاویؒ وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے رؤیۃً تابعی ہونے پر متفق ہیں تلک عشرۃ کاملۃ (ملاحظہ ہو بغدادی ص ۳۲۴ ج ۱۳ تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۰ وقانون الموضوعات ص ۲۳۶ کلاہما للشیخ محمد طاہرؒ) بلکہ علامہ طاش کبریٰ زادہؒ فرماتے ہیں

فقد اتفق المحدثون علی ان اربعۃ من الصحابۃؓ کانوا علی عہد الامام فی الحیاۃ وان تنازعوا فی الروایۃ عنہم (مفتاح السعادۃ ص ۶۴ ج ۲)

کہ حضرات محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحبؒ کے زمانہ میں چار حضرات صحابہ کرامؓ زندہ تھے اگرچہ حضرات محدثین کرامؒ نے ان سے روایت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ان ٹھوس حوالوں کے رو سے تابعی ہونے کو دیکھئے اور فریق ثانی کے شیخ الکل کا یہ تعصب بھی ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے معیار الحق ص ۱۳ سے لیکر ص ۲۹ تک ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی نہیں ہیں۔ اور اپنے مطلب کے حوالے بھی نقل کیے ہیں اور احمد بن الصلت الحمانی وغیرہ انتہائی کمزور اور جعل ساز راویوں پر گرفت بھی کی ہے جو بجا ہے مگر ہمارا استدلال ان پیش کردہ روایتوں اور حوالوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے ہم نے جو حوالے درج کیے ہیں وہ قارئین کرام کے سامنے ہیں عیاں را چہ بیاں ؎

خیال یار کو میں بھول جاؤں ناممکن
بھلا سکے تو بھلا دے خیالِ یار مجھے

شیخ الکل صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور اکثر ائمہ نقل امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کے قائل نہیں الخ (معیار الحق صہ۱۳) اور بحث کا اختتام اس پر کیا ہے کہ۔ اقول امام صاحبؒ اس آیت (جس میں اتبعوا باحسان ہے۔ صفدر) کے مصداق تب ہوتے جب کہ تابعی ہوتے اور اس کا حال خوب روشن ہوگیا تو فضیلت امام کی باقی تینوں مجتہدوں پر اگر تابعی ہونے کی نظر سے تھی تو نہ رہی پھر تابعی نہ ہونے میں چاروں برابر ہیں الخ (معیار الحق صہ۲۹) مگر شیخ الکل صاحبؒ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تابعی ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کا انکار آفتاب نیمروز کا انکار ہے جب کہ باقی تینوں حضرات ائمہ کرامؒ میں کوئی ایک بھی تابعی نہیں ہیں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ہم نے دیگر حضرات کے حوالوں کے ساتھ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے حوالے بھی درج کیے ہیں اور یہ دونوں ایسے بزرگ ہیں۔ جن پر شیخ الکل صاحبؒ کلی اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ جیسے کہ شیخ الاسلام حافظ الحدیث واسماء الرجال محمدؒ بن احمدؒ ابوعبداللہ ذہبیؒ ترکمانی کے کلام سے جن کی جلالت شان اور علو مکان سے سب علماء ادنیٰ اور اعلیٰ واقف ہیں اور شیخ الاسلام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے الخ (بلفظہٖ معیار الحق صہ۲۷) الحمد للہ تعالیٰ کہ ان دونوں بزرگوں کے کلام سے ہم نے ثابت کردیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور بقول علامہ ذہبیؒ کئی مرتبہ دیکھا ہے اور جمہور کے نزدیک تابعی ہونے کے لیے لقاء اور رویت ہی کافی ہے باقی کوئی اور شرط نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ:۔ حافظ ابوالفداء اسماعیلؒ بن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) رقمطراز ہیں کہ

احد الائمة الاربعة اصحاب المذاهب المتبوعة وهو اقدمهم وفاة لانه ادرك عصر الصحابة ؓ ورأى انسؓ بن مالك قيل وغيره وذكر بعضهم انه روى عن سبعة من الصحابة ؓ فالله تعالى اعلم (البداية والنهاية صہ۱۰۷ ج۱۰)

امام ابوحنیفہؒ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے اور ان مذاہب والوں میں سے جن کی (بکثرت) پیروی کی جاتی ہے ایک ہیں اور ان دیگر حضرات ائمہ کرامؒ سے ان کی وفات بھی پہلے ہوئی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ کا زمانہ پایا ہے اور حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے علاوہ اوروں کو بھی دیکھا ہے اور بعض مؤرخینؒ نے بیان کیا کہ سات حضرات صحابہ کرامؓ سے انہوں نے روایت کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حافظ ابن کثیرؒ کی یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے ممکن ہے یہ وہی سات حضرات صحابہ کرامؓ ہوں جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے کیونکہ حضرات محدثین کرامؒ کے قاعدہ سے حضرت امام صاحبؒ کی ان سے روایت ممکن ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ کا حوالہ دور حاضر کے مشہور اور معتبر مورخ حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ

بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادیؒ۔ علامہ سمعانیؒ مصنف کتاب الانساب علامہ نوویؒ شارح صحیح مسلم۔ علامہ ذہبیؒ حافظ ابن حجرؒ زین الدین عراقیؒ، سخاویؒ۔ ابو المحاسن دمشقیؒ نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا تھا۔ (سیرت النعمان ص طبع کریمی لاہور)

تابعی کی تعریف: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

قیل هو من صحب الصحابی وقیل من لقیه، وهو الاظهر
(تقریب النواوی مع التدریب ص۴۱۶ طبع المدینۃ المنورۃ)

کہا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جو صحابی کی رفاقت میں رہا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف اس سے ملا ہو اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر تر قول کے موافق جس مسلمان نے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس سے ملاقات کی ہو تو وہ تابعی ہوتا ہے اس کے لیے طول صحبت اور سماعت و روایت شرط نہیں ہے اور حافظ ابن حجر شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی العسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

وهو من لقی الصحابی الی قوله وهذا هو المختار
(شرح نخبۃ الفکر ص۸۴)

تابعیؒ وہ ہے جو صحابی سے ملا ہو (آگے فرمایا) اور یہی قول مختار ہے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

وعلیه الحاکمؒ قال ابن الصلاحؒ وهو اقرب قال المصنف وهو الاظهر قال العراقیؒ وعلیه عمل الاکثرین من اهل الحدیث
(تدریب الراوی ص۴۱۶)

اور امام حاکمؒ کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ یہی بات حق کے قریب تر ہے مصنف (یعنی امام نوویؒ) نے اس کو ظاہر تر قول کہا ہے امام زین الدین عبد الرحیم استاذ حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۰۶ھ) العراقیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات محدثین کرامؒ کا اسی پر عمل (و اعتماد) ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) نے اپنی اصول حدیث کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث (صفحہ ۴۲ طبع قاہرہ) میں تابعی کی تعریف من شافہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ کے الفاظ سے بیان کی ہے یعنی تابعی وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام رضی کے سامنے اور رو در رو ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر صرف ملاقات ہی ہوئی ہو۔ امام ابو عمروؒ بن عبدالرحمن الشہرزوری الشہیر بابن الصلاحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ۔

والاکتفاء فی ھذا بمجرد اللقاء والرؤیۃ اقرب۔ (علوم الحدیث ص ۲۷ طبع المدینۃ المنورۃ)

تابعی کی تعریف میں محض لقاء اور رؤیت ہی پر اکتفاء کرنا حق اور صواب کے قریب تر ہے۔

اور حضرت ملا علی القاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

ان جمھور العلماء من اھل الحدیث علی ان الرجل بمجرد اللقی للصحابی یصیر تابعیاً ولا یشترط ان یصحبہ مدۃ ولا ان ینقل عنہ روایۃ (ذیل الجواہر ص ۲۵۳ ج ۲)

جمہور حضرات محدثین کرامؒ کی تحقیق یہ ہے کہ (مسلمان) آدمی صحابی سے صرف ملاقات کی وجہ سے تابعی ہو جاتا ہے اس کے لیے مدت تک صحابی کی صحبت میں رہنا اور اس سے روایت نقل کرنا تابعی ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کسی صحابی کو دیکھ لے اور اس سے ملاقات کرلے تو وہ اظہر، اقرب، مختار اور صحیح قول کے مطابق جمہور محدثین کرامؒ کے ہاں تابعی ہو جاتا ہے اس کے لیے اس سے روایت کرنا اور دیر تک اس کی خدمت میں رہنا جمہور کے نزدیک کوئی شرط نہیں ہے۔

سن تمیز

حضرات محدثین کرامؒ کا اس بات میں خاصا اختلاف ہے کہ کس عمر کا آدمی حدیث کی سماعت کا اہل اور مجاز ہے جمہور کا نظریہ ہے کہ پانچ سال کا ہو تو سماع حدیث کا مجاز ہے چنانچہ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

ونقل القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ان اھل الصنعۃ حددوا اوّل زمن یصح فیہ السماع بخمس سنین وعلی ھذا استقر العمل (تقریب النواوی مع التدریب ص ۲۳۷ طبع المدینۃ المنورۃ)

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ فن حدیث والوں نے ابتدائی اس زمانہ کی جس میں سماع (حدیث) صحیح ہے۔ پانچ سال کے ساتھ تحدید کی ہے اور اسی تحقیق پہ عمل مستقر ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

ونسبهٗ غيره للجمهور، وقال ابن الصلاح وعلی هذا استقر العمل بين اهل الحديث الیٰ ان قال وقال القسطلانیؒ فی کتاب المنهج ما اختاره ابن الصلاح هو التحقيق والمذهب الصحيح (تدريب الراوی ص٢٣٨)

قاضی عیاضؒ کے بغیر دوسرے حضرات محدثین کرامؒ نے جمہور کا یہی مذہب بتایا ہے اور امام ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ کے ہاں اسی تحقیق پر عمل مستقر ہے (پھر آگے فرمایا کہ) علامہ قسطلانیؒ نے اپنی کتاب المنہج میں فرمایا ہے کہ محدث ابن الصلاحؒ نے جس قول کو پسند کیا ہے وہی تحقیق اور صحیح قول ہے۔

جمہور کے اس اختیار کردہ قول کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام محمدؒ بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی ٢٥٦ھ) نے یہ باب قائم کیا ہے باب متیٰ یصح سماع الصغیر یعنی چھوٹے بچے کا سماع کس زمانہ میں صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن محمود بن الربيع قال عقلت من النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم مجّة مجها فی وجهی وانا ابن خمس سنين من دلو (بخاری ص١٧ ج١)

حضرت محمودؓ بن الربیع فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں اور مجھے یاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ڈول سے پانی لے کر (مزاحاً یا تبرکاً) میرے منہ پر پھونکا تھا اور میں اس وقت پانچ سال کی عمر کا تھا۔

اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

وحجتهم فی ذٰلك ما رواه البخاری وغيره من حديث محمود بن الربيعؓ (تدريب الراوی ص٢٣٨)

جمہور کی اس سلسلہ میں دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت محمودؓ ابن الربیع سے روایت کی ہے

علامہ احمدؒ بن مصطفےٰ المعروف بطاش کبری زادہؒ (المتوفی ٩٦٢ھ) مولانا احمد الکورانیؒ کی الکوثر الجاری الیٰ ریاض البخاری کے حوالے سے حضرت محمودؓ بن الربیع کی مذکور حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ

قال ابن الصلاح استدل الجمهور بهذا الحديث علی ان اقل زمان يجوز فيه تحمل الحديث خمس

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ جمہور نے اس حدیث سے کم اقل زمانہ جس میں حدیث سنی جا سکتی ہے۔ پانچ سال بتائے ہیں پھر فرمایا کہ حق بات یہ ہے

ثم قال والحق انه ليس فی الحدیث ما ینفی الاقل والمناط قدرۃ الصغیر علی الضبط وهی تتفاوت بحسب الفطرۃ
(مفتاح السعادۃ ص۶۵ ج۲)

کہ اس حدیث میں پانچ سال سے کم عمر میں سماعت کی نفی نہیں ہوتی مدار اس پر ہے کہ چھوٹا بچہ ضبط پر قادر ہو اور یہ بحسب فطرت متفاوت ہے۔

امام ابن عبد البرؒ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے مفصل حوالے

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا صریح اور واضح حوالوں سے ثابت ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ کا حوالہ بھی دیکھ چکے کہ بعض نے سات حضرات صحابہ کرامؓ سے ان کی روایت کا ذکر کیا ہے اور ملا علی ن القاریؒ کا یہ حوالہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کے بارے میں اختلاف ہے والمعتمد ثبوتھا قابلِ اعتماد بات یہی ہے کہ ان سے ان کی روایت ثابت ہے امام ابن عبد البرؒ نے پہلے سند کے ساتھ (سند یہ ہے اخبرنا ابو یعقوب یوسفؒ بن احمد الصیدلانی المکیؒ قال حدثنا ابو جعفر محمدؒ بن عمروؒ بن موسی العقیلیؒ وابو علی عبد اللہؒ بن جعفر الرازیؒ ومحمدؒ بن سماعۃؒ عن ابی یوسفؒ قال سمعت ابا حنیفۃؒ الخ) پھر آگے تصریح ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہؓ بن الحارث بن جزءؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی فسمعتہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ ہمہ ورزقہ من حیث لا یحتسب یہ یاد رہے کہ اس سند میں احمد بن الصلت الحمانی نہیں ہے۔ صفدر، روایت نقل کی ہے پھر آگے ہے۔

قال ابو عمر ذکر محمدؒ بن سعدؒ کاتب الواقدیؒ ان ابا حنیفۃؒ رأی انسؓ بن مالک وعبد اللہ بن الحارث بن جزءؓ

امام ابو عمر ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ بن سعدؒ کاتب واقدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ بے شک امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت عبد اللہؓ بن الحارث بن جزءؓ کو دیکھا ہے۔

(جامع بیان العلم ص۴۵ ج۱ طبع مصر)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

ولد ... فی سنۃ ثمانین فی خلافۃ عبد الملک بن مروان بالکوفۃ وذلک فی حیاۃ جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنهم وکان من التابعین لہم ان شاء اللہ باحسان فانہ صح انہ رأی انسؓ بن مالک اذا قدمها انسؓ قال محمدؒ بن سعدؒ

امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں عبد الملک بن مروان کی خلافت میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت زندہ تھی تو اس لحاظ سے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ تابعینؒ میں شامل ہیں سو بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو جب وہ کوفہ تشریف لائے دیکھا ہے امام محمد بن سعدؒ

حدثنا سیف بن جابرؒ انه سمع اباحنیفةؒ یقول رأیت انسا رضی اللہ تعالیٰ عنه (مناقب الامام ابی حنیفةؒ وصاحبیهؒ للذهبی ص۷ و ص۸ طبع مصر)

فرماتے ہیں مجھ سے سیف بن جابرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

ادرك الامام ابوحنیفةؒ جماعة من الصحابةؓ لانه ولد بالکوفة سنة ثمانین من الهجرة وبها یومئذ من الصحابة عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فانه مات بعد ذلك بالاتفاق وبالبصرة یومئذ انسؓ بن مالك ومات سنة تسعین او بعدها وقد اورد ابن سعد بسند لاباس به ان اباحنیفةؒ رأی انساؓ وکان غیر هذین (عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ وانسؓ) احیاء فی البلاد وقد جمع بعضهم جزءاً فیما ورد من روایة ابی حنیفةؒ عن الصحابةؓ لکن لا یخلو اسناده من ضعف والمعتمد علی ادراکه ماتقدم وعلی رؤیته لبعض الصحابةؓ ما اورده ابن سعدؒ فی الطبقات فهو بهذا الاعتبار من طبقة التابعین ولم یثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرین له الخ

(بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۸۳)

امام ابوحنیفہؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کیونکہ وہ کوفہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ موجود تھے کیونکہ بالاتفاق وہ اس کے بعد فوت ہوئے ہیں اور بصرہ میں اس وقت حضرت انسؓ بن مالک تھے انکی وفات ۹۰ھ یا اس کے بعد ہوئی اور علامہ ابن سعدؒ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور ان دو کے علاوہ بھی شہروں میں حضرات صحابہ کرامؓ زندہ تھے اور بعض حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کی حضرات صحابہ کرامؓ سے روایت کے سلسلے میں جزء بھی جمع کی ہے لیکن اس کی سند ضعف سے خالی نہیں معتمد بات یہ ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہے جیسا کہ علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں نقل کیا ہے سو وہ اس اعتبار سے طبقہ تابعینؒ میں شامل ہیں اور ان کے معاصر ائمہ کرامؒ میں سے جو شہروں میں موجود تھے کسی ایک کو یہ شرف حاصل نہیں ہے

یہ تمام واضح اور روشن حوالے امام ابوحنیفہؒ کے تابعی ہونے پر نص ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ٹھوس اور صریح حوالوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا رؤیۃً بھی اور روایۃً بھی تابعی ہونا ثابت ہے لاریب فیہ اسکا انکار وہی کر سکتا ہے جو متعصب ہو ع آپ ہی بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں۔

مذاہب اربعہ میں فقہ حنفی کی ترجیح کے وجوہ: حضرات ائمہ فقہ کی خدمات اپنی جگہ قابل قدر اور مسلم ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ ان سب پر راجح ہے جس کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ رؤیۃً و روایۃً تابعی ہیں جیسا کہ عرض کیا گیا ہے جبکہ باقی حضرات ائمہ ثلاثہؒ میں سے کوئی بھی تابعی نہیں ہے اور علم میں جو درجہ اور شرف حضرات تابعینؒ کا ہے وہ بعد والوں کا نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فقہی کمال ایک مسلم امر ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفةؒ (تذکرۃ ج۱ ص۱۶۰) لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے خوشہ چین ہیں اور .....

امام عبداللہؒ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ افقہ الناس ہیں امام یزیدؒ بن ہارونؒ انہیں افقہ کہتے ہیں۔ (تذکرہ ص۱۵۹ ج۱) ان کی فقہی جلالتِ شان اور کمال کے بارے راقم اثیم کی کتاب مقام ابی حنیفہؒ کا مطالعہ کریں یہاں تفصیل کا مقام نہیں ہے اور ہم بلاوجہ تکرار کو مناسب بھی نہیں سمجھتے۔

(۳) ان کی اسی فقہی برتری کی وجہ سے بڑے بڑے حضرات محدثین کرامؒ اور ائمہ جرح و تعدیل فقہ حنفی کے گرویدہ تھے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے امام عبداللہؒ بن المبارکؒ۔ امام وکیعؒ بن الجراحؒ۔ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ القطانؒ امام یحییٰ بن معینؒ امام یحییٰ بن زکریاؒ بن ابی زائدہؒ وغیرہ وغیرہ جلیل القدر حضرات محدثین کرامؒ اور ائمہ جرح و تعدیل فقہی مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ پر کلی اعتماد کرتے تھے اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ حدیث کے خلاف ہوتی جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کا ناقص خیال ہے تو یہ حضرات کبھی بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اور رائے کو نہ اپناتے حالانکہ امام یحییٰ القطانؒ فرماتے ہیں کہ بخدا ہم نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں دیکھی اور اسی لیے ہم نے ان کے اکثر اقوال لیے ہیں کما مر۔

(۴) حضرت امام ابو حنیفہؒ خود بھی بفضلہ تعالیٰ افقہ و اعقل تھے لیکن بایں ہمہ ان کے فقہی مسائل بحث و تمحیص و مشورہ اور خوب چھان بین کے بعد کتب میں درج اور مرتب کیے جاتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ انفرادی رائے سے اجتماعی رائے جو شوریٰ میں طے ہو زیادہ صحیح اور درست ہو سکتی ہے

چنانچہ علامہ صیمریؒ اور حافظ خطیب بغدادیؒ فقہ حنفی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

كان اصحاب ابی حنيفةؒ يخوضون معه في المسألة فاذا لم يحضر عافية (بن يزيد الاوديؒ في رواية عن ابن معينؒ ثقة مامون بغدادی ص۳۱۰ ج۱۲ وذكره النسائیؒ في الثقات الجواهر المضية ص۲۶۷ ج۱) قال ابو حنيفةؒ لا ترفعوا المسألة حتى يحضر العافية فاذا حضر عافية ووافقهم قال ابو حنيفة اثبتوها وان لم يوافقهم قال

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد فقہی مسئلوں میں ان سے بحث و مباحثہ کرتے تھے اگر امام عافیہؒ حاضر نہ ہوتے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ عافیہؒ کے حاضر ہونے کے بغیر مسئلہ مت پیش کرو جب تک کہ وہ نہ آجائیں جب امام عافیہؒ حاضر ہوتے اور مسئلہ میں ان سے موافقت کرتے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ اب مسئلہ کو درج کر دو اور اگر امام عافیہؒ ان سے موافقت نہ کرتے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے کہ مسئلہ کو کتاب میں درج نہ کرو

ابوحنیفۃؒ لاتنبتوھا

(اخبار ابی حنیفۃؒ واصحابہ ص۴۹ طبع بیروت واللفظ لہ

وتاریخ بغداد ص۳۰۸ ج ۱۲)

اور یہ عبارت علامہ صیمریؒ کے حوالہ سے الجواہر المضیہ ص۲۶۷ ج۱ میں بھی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ شورائی تھی اور اس کا صحیح اور صواب ہونا اغلب ہے

(۵) قبولیت عامہ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ چونکہ کئی وجوہ سے اقرب الی الصواب تھی اس لیے اس کو وہ قبولیت حاصل ہوئی جو دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی فقہ کو حاصل نہ ہو سکی اور تھوڑے سے عرصہ میں دور دراز علاقوں تک حتیٰ کہ سد سکندری کے آس پاس کے علاقوں میں پہنچ گئی کہ وہاں کے باشندوں کو خلیفۂ وقت سے تو تعارف نہ تھا مگر فقہ حنفی کے پابند تھے جیسا کہ نواب صاحبؒ کے حوالہ سے یہ بات بیان ہو چکی ہے اور بیشتر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر کاربند ہے جیسا کہ امیر شکیب ارسلانؒ کے حوالہ سے یہ امر عیاں ہو چکا ہے اور مشہور اور قدیم مؤرخ ابن ندیمؒ فرماتے ہیں کہ کتاب الفقہ الاکبر، کتاب رسالۃ الی البتی، کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرد علی القدریۃ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تالیفات ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ

والعلم برًّا وبحرًا شرقًا وغربًا بعدًا وقربًا تدوینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خشکی اور سمندر، مشرق اور مغرب بُعد اور قرب میں علم حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہی مدون اور مرتب کردہ ہے

(الفہرست ص۲۹۹)

اور یہ فقہ حنفی کی قبولیت کی واضح دلیل ہے کہ مشرق تا مغرب قرب و بعد خشکی و سمندر ہر جگہ یہ فقہ اپنی افادیت کی وجہ سے پہنچی ہوئی ہے اور عالم اسباب میں کوئی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

(۶) چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ واتباع کی فقہ اور رائے میں نگاہ نہایت ہی گہری تھی اور باریک سے باریک فقہی پہلو بھی ان سے اوجھل نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں فقہ ابی حنیفۃؒ فقہ دقیق (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص۱۷۴ ج۲) کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ بڑی دقیق فقہ ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی فقہی بصیرت سے ممکنہ پیش آنے والی جزئیات اور مسائل قبل از وقت ہی حل کر کے کتابوں میں درج کر دیے تاکہ آنے والی نسلوں کو ایسی پیش آمدہ جزئیات و مسائل میں کسی قسم کی کوئی

دشواری پیش نہ آئے چونکہ یہ ایک جامع فقہ ہے اس لیے اس کی گرویدگی بھی سب سے زیادہ ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی امام صاحبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

آپؒ کی فقاہت یہ چیز پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امام صاحب علیہ الرحمۃ تفقہ فی الدین یعنی علم فقہ میں سب سے پیش پیش تھے، استنباط واستخراج مسائل میں جہاں آپ کا دماغ پہنچ جاتا تھا بہت کم کسی کی رسائی وہاں تک ہوتی تھی جو بات عین وقت پر آپ کو سوجھ جاتی کسی کو نہ سوجھتی تھی بلفظہٖ (سیرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ص۲۴ مسلم پبلی کیشنز لاہور)

مؤلف سبیل رسولؐ کی گپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تابعی ہونا الفقہ الاکبر وغیرہ کتب کا انکی تالیفات ہونا۔ ان کی فقہ کا شورائی ہونا اور خود ان کا فقہ میں مقدم ہونا آپ پڑھ چکے ہیں اب ایک غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی کی گپ بھی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ جب امام صاحبؒ کی دنیا میں کوئی تالیف کوئی تصنیف کوئی کتاب نہیں ہے تو پھر حنفی مذہب کہاں سے آگیا؟ اور اس مذہب کا اعتبار کرنا کیونکر واجب ہو گیا؟ افسوس جس امر سے امام صاحبؒ ڈرتے تھے وہی کام لوگوں نے کر دکھایا کہ ان کے نام سے حنفی مذہب گھڑ ہی لیا فقہ کا طومار بنا کر ان کے ذمہ لگا ہی دیا الخ (سبیل رسول ص۲۴۳ طبع خاں پرنٹنگ پریس سیالکوٹ)

داد دیجئے اس جہالت اور تعصب کی جو اس دور کے غیر مقلد عالم کے قلم سے صادر ہوئی۔

اعتراض جب احناف کے نزدیک باقی حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید بھی صحیح۔ جائز اور حق ہے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ تقلید کے لیے صرف امام ابوحنیفہؒ ہی کیوں متعین کر لیے گئے ہیں؟

الجواب: ہم نے قدرے تفصیل سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور تقلید کے رجحان کے کچھ دلائل پہلے بیان کر دیے ہیں اور یہ بھی کہ بعض مسائل میں احناف دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کے اقوال بھی لیتے ہیں نواب صاحبؒ قاضی شوکانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

غاية ما يلزم من ذلك ان يكون ما اجمعوا عليه حقا ولا يلزم من كون الشئ حقا وجوب اتباعه۔ (الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص۱)	زیادہ سے زیادہ ان دلائل سے یہ لازم آتا ہے کہ اجماع حق ہے (ہم اگر اجماع کے منکر ہیں تو کیا خرابی ہے) چیز کے حق ہونے سے اُس کی اتباع تو واجب نہیں ہو جاتی۔

جیسے غیر مقلدین حضرات کے رئیس الطائفہ اور پیشوا کے نزدیک باوجود اجماع کے حق ہونے کے اس کی اتباع واجب نہیں ہو جاتی اسی طرح دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید کے حق ہونے سے اس کی اتباع لازم نہیں ہو جاتی یعنی بقول ان حضرات کے حق اور اتباع لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ کہ جو حق ہو اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے بس اسی طرح تقلید کو سمجھ لیں اس میں مقلدین کی کیا خطا و قصور ہے؟ ے

میں ان سے عفو جرم کی درخواست کیا کروں معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

(۴) حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عبادت، زہد اور تقویٰ

کتب تاریخ و رجال اور مناقب غیر جا میں تواتر سے حضرت امام صاحبؒ کی کثرت عبادت، قراءت قرآن کریم۔ حج وعمرہ اور زہد و تقویٰ کے واقعات منقول ہیں جس کا انکار کرنا آفتاب نیم روز کا انکار ہے حضرت امام صاحبؒ نے اپنی زندگی میں پچپن ۵۵ حج کیے ہیں (مفتاح السعادۃ ص ۷۸ ج ۲ و ذیل الجواہر ص ۴۹۵ ج ۲) اور صرف ایک رمضان مبارک میں ایک سو بیس ۱۲۰ عمرے کیے ہیں گویا روزانہ چار عمرے (ذیل الجواہر ص ۴۹۵ ج ۲) اور آپ ساری رات جاگتے اور ایک ہی رکعت میں سارا قرآن کریم ختم کر دیتے تھے اور رات کو خوف خدا کی وجہ سے گریہ وزاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے پڑوسی ان پر ترس کھاتے تھے (بغدادی ص ۳۵۴ ج ۱۳) مگر صد افسوس ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کی یہ کثرت عبادت بھی فریق ثانی کے شیخ الکل کو گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حضرت مولانا شاہ محمد صاحبؒ کی کتاب (تنویر الحق) کا حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال پھر ایک روز لڑکوں نے امام صاحبؒ کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص ہزار رکعت ہر شب میں پڑھتا ہے اور تمام شب بیدار رہتا ہے اس روز سے آپ ہزار رکعت پڑھتے تھے اور تمام شب جاگتے طحطاوی میں نقل ہے کہ جس مقام پر امام نے وفات پائی وہاں ستر ہزار ختم کیے تھے اور تاریخ بغداد میں خطیبؒ نے لکھا ہے کہ تیس ۳۰ یا چالیس ۴۰ برس تک امام نے ایک وضو سے نماز عشاء اور صبح پڑھی۔ اقول یہ سب واہیات ہے اور موجب ذم کا ہے نہ یہ کہ مدح کا باعث ہو اور جناب حضرت امام کی تو یہ شان نہیں ہے کہ ایسی تکلیف شاق اور بدعات کو ان کی طرف نسبت کیا جائے اور دلیل بدعت ہونی اس عبادت کی یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے اور نہ کبھی تمام شب جاگے بلکہ ایک ثلث جاگتے اور دو ثلث سوتے اور اس پر زیادتی کرنے والے کو فرماتے کہ یہ شخص میری سنت سے نفرت

کرتے ہے اور یہ ہم ہیں سے نہیں اور ایسا ہی ختم کرنا قرآن کا بھی سات دن کے ورے درست نہ رکھتے۔
اور فرماتے کہ تین دن سے کم مدت میں پڑھنے والا قرآن کو سمجھتا ہی نہیں الخ اس کے بعد انہوں نے چند احادیث نقل کی ہیں ایک[۱] یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینام نصف اللیل ویقوم ثلثہ الحدیث دوسری[۲] یہ کہ ینام اول اللیل ویحیی آخرہ الحدیث اور تیسری[۳] یہ کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ولا اعلم ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرأ القرآن کلہ فی لیلۃ ولا قام لیلۃ کاملۃ حتی الصباح ولا صام شہرًا کاملا غیر رمضان الحدیث اور چوتھی یہ کہ فانی انام واصلی واصوم وافطر وانکح النساء الحدیث اور پانچویں[۵] یہ کہ فصم وافطر ونم وقم وصم من الشھر ثلثۃ ایام الحدیث اور چھٹی[۶] یہ کہ آپؐ نے فرمایا من رغب عن سنتی فلیس منی الحدیث اور ساتویں[۷] یہ کہ علیکم بما تطیقون من الاعمال الحدیث وغیرہ یہ احادیث باحوالہ نقل کرنے کے بعد پھر دن اور رات کے اجزار کا تجزیہ کیا ہے کہ کچھ وقت کھانے پینے سونے طہارت اور وضوء وغیرہ کے لیے صرف ہو جاتا ہے اور بقیہ وقت میں بھلا ہزار رکعت واجبات سنن اور مستحبات کو ملحوظ رکھ کر کس طرح پڑھی جاسکتی ہیں؟ اور اگر سر جھکا کر ہی رکعت پوری کرتے تھے تو یہ کیا تقرب اور ثواب ہوا؟ (محصلہ) اور آگے لکھتے ہیں کہ ایسا ہی ستر ہزار ختم جس کے تخمینًا تین ختم ہر روز ہوتے ہیں بھی دشوار ہے اس لیے کہ امام صاحبؒ کاروبار تجارت بھی کرتے تھے جیسا کہ کلام میں ابن طاہرؒ کے جو کہ مجمع البحار سے نقل کیا گیا ہے گذر چکا اور اجتہاد مسائل بھی کرتے تھے اور بعد اجتہاد کے مباحثہ اور مشورہ شاگردوں سے کرتے تھے اور تعلیم و تعلم میں بھی شاغل رہتے تھے پس بایں ہمہ ہر روز تین ختم قرآن کے کس طرح کرتے ہوں گے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کرامت سے تین ختم ہر روز کرتے تھے اس لیے کہ کرامت تو ایک امر اتفاقی ہے کہ خارق عادت کے ہوتی ہے نہ مدامی اور عادی حالانکہ یہ شعار امام کے بقول خصم کے مدامی تھا تو خوب ثابت ہوا کہ ایسی شاذ عبادت شر عابدعت ہے اور عادۃً دشوار ہے الخ

(معیار الحق ص ۳۲ تا ص ۳۵)

الجواب: فریق ثانی کے شیخ الکل نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے قابل التفات نہیں ہے۔
اولاً ان کا یہ دعوٰی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ[۱۳] رکعت سے زیادہ

نوافل نہیں پڑھے ممنوع نہیں ہے بخاری ص۱۳۰ج۱ وص۶۵۷ج۲ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ۱۲ رکعات تہجد پڑھے پھر وتر پڑھے اور بخاری ص۱۵۴ج۱ کی روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے اور مسلم ص۲۵۶ج۱ کی روایت میں ہے کہ آپؐ وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور سفر السعادت علیٰ ہامش کشف الغمہ ص۱۰۳ میں مسلم ص۲۵۶ج۱، مسند احمد ص۲۵۰ج۱ وغیرہ کی صحیح روایات سے وتروں کے بعد دو رکعت نفل ثابت کیے جن میں حضرت ام سلمہؓ حضرت ابوامامہؓ اور جماعۃ من الصحابہؓ کی روایتوں کا تذکرہ موجود ہے اگر وتروں کو شامل کیا جائے تو یہ سترہ۱۷ رکعتیں بنتی ہیں اور اگر وتروں کو خارج کیا جائے تو چودہ۱۴ رکعت نوافل بنتے ہیں کچھ بھی ہو شیخ الکل کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی تیرہ۱۳ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے۔

وثانیاً۲ ان کا یہ دعویٰ کہ "اور نہ کبھی تمام شب جاگے" اس سے کیا مراد ہے؟ اگر رمضان وغیر رمضان کی تعمیم مراد ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ بخاری ص۲۷۰ج۱ اور مسلم ص۳۷۲ج۱ وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں آپؐ واحیٰ لیلہ، وایقظ اہلہ، ساری ساری رات جاگتے اور اہل خانہ کو عبادت کے لیے جگاتے اور اگر ان کی مراد رمضان مبارک علاوہ کسی اور رات جاگنے کی نفی ہے تو دعویٰ میں اس کی تصریح ہونی چاہیے مطلق دعویٰ غلط ہے۔

وثالثاً۳ علامہ ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ بیس۲۰ سال تک امام ابوحنیفہؒ عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھتے رہے (دول الاسلام ص۹۷ج۱) اور امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ یہ نقل کرتے ہیں کہ

صلی ابوحنیفۃؒ فیما حفظ علیہ صلوٰۃ الفجر بوضوء صلوٰۃ العشاء اربعین سنۃ الیٰ قولہ وحفظ علیہ انہ ختم القرآن فی الموضع الذی توفی فیہ سبعۃ آلاف مرۃ (بغدادی ص۳۵۴ج۱۳)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو فعل محفوظ چلا آرہا ہے یہ ہے کہ انہوں نے چالیس۴۰ سال تک فجر کی نماز عشاء کے وضوء سے پڑھی ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور یہ واقعہ بھی ان سے محفوظ چلا آرہا ہے کہ جس جگہ ان کی وفات ہوئی وہاں انہوں نے سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا ہے۔

اور مفتاح السعادۃ ص۸۱ج۲ اور ذیل الجواہر ص۴۹۳ج۲ میں سبعۃ آلاف ختمۃ کے الفاظ موجود ہیں، اھ

مفتاح السعادۃ میں یہ بھی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ ہر ماہ میں ساٹھ[۶۰] مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں باسٹھ[۶۲] مرتبہ ختم کرتے تھے (ص۸۹ ج۲) ایک جگہ میں سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کر لینا اُن حضرات سے قابل تعجب بات نہیں ہے حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوبکرؒ بن عیاشؒ (المتوفی ۱۹۳ھ) نے اپنے گھر میں چوبیس ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا تھا (شرح مسلم ص۱ ج۱) اور علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مکان کے ایک گوشہ میں اٹھارہ ہزار مرتبہ ختم کیا تھا (تذکرہ ص۲۴۵ ج۱)

الغرض صحیح بات سات ہزار ہے ستر ہزار نہیں تاکہ جناب میاں صاحبؒ کو لمبے حساب کی زحمت گوارا نہ کرنی پڑے رہی طحطاوی کی عبارت تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا ماخذ البدایۃ والنہایۃ ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے چالیس[۴۰] سال تک عشار کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی۔

وختم القرآن فی الموضع الذی توفی فیہ سبعین الف مرۃ۔	اور جس جگہ ان کی وفات ہوئی وہاں انہوں نے ستر ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا تھا۔

(البدایۃ والنہایۃ ص۱۰۷ ج۱۰)

ستر ہزار کا عدد یا تو کتابت کی غلطی ہے اور یا حافظ ابن کثیرؒ کا وہم ہے یہ عدد سات ہزار ہے کما مر۔

عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھنا قابل انکار بات نہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ فعل تو فریق ثانی کے شیخ الکل کو مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ عشار کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی جائے مگر کیا ان کو مشہور محدث امام یزیدؒ بن ہارونؒ (المتوفی ۲۰۶ھ جو الحافظ القدوۃ اور شیخ الاسلام تھے) کا عمل بھی دشوار اور بدعت نظر آتا ہے؟ یا آیا ہے کہ انہوں نے چالیس[۴۰] سال سے زیادہ عرصہ عشار کے وضوء سے صبح کی نماز پڑھی ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۲۹۲ ج۱ و بغدادی ص۳۳۷ ج۱۴) کیا کوئی شخص سُنّت سے نفرت کر کے اور بدعت کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کا پیشوا (قدوۃ) اور شیخ الاسلام بن سکتا ہے؟ امام سلیمانؒ بن طرخانؒ (المتوفی ۱۴۳ھ) صبح کی نماز عشار کے وضوء سے پڑھتے تھے (طبقات ابن سعدؒ ص۱۸ ج۷ قسم دوم) اور چالیس[۴۰] سال تک ان کا یہی معمول رہا (دول الاسلام ص۷۳ ج۱ علامہ ذہبیؒ)

دن اور رات یا صرف ایک میں قرآن کریم ختم کرنا

امت مرحومہ میں ایسے بے شمار حضرات گذرے

ہیں جو رات بھر میں بلکہ ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمانؓ بن عفان (المتوفی ۳۵ھ شہیدا) وتر کی ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے (ترمذی ص۱۱۸ ج۲ قیام اللیل ص۶۱ طبقات ابن سعدؒ ص۵۳ ج۳ وذیل الجواہر ص۴۹۳ ج۲) حضرت تمیم داریؓ (المتوفی ۴۰ھ) رات میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے (طحاوی ص۲۰۵ ج۱ وتہذیب التہذیب ص۵۱۱ ج۱ وذیل الجواہر ص۴۹۳ ج۲) حضرت عبد اللہؓ بن الزبیرؓ (المتوفی ۷۳ھ) رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (طحاوی ص۲۰۵ ج۱ و قیام اللیل ص۶۳) حضرات تابعینؒ میں حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ (المتوفی ۹۴ھ) رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (ترمذی ص۱۱۸ ج۱، طحاوی ص۲۰۵ ج۱ وذیل الجواہر ص۴۹۳ ج۲ وتذکرۃ الحفاظ ص۷۲ ج۱) حضرات ائمہ دین میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ ہو چکا ہے اور حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان مبارک میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ ص۳۲۹ ج۱) حضرت امام وکیعؒ بن الجراحؒ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے (تاریخ بغداد ص۴۷۷ ج۱۳، امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ بن سعید القطانؒ چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے۔ (بغدادی ص۱۴۱ ج۱۴ وتہذیب الاسماء واللغات نوویؒ ص۱۵۴ ج۲)

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ

وکان یختم بالنہار فی کل یوم ختمۃ ویکون ختمۃ عند الافطار کل لیلۃ ویقول عند کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص۹ ج۲ وکذا فی الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص۲۲)

حضرت امام بخاریؒ ہر روز ایک ختم دن میں کرتے اور ایک ختم افطار کے وقت ہر شب میں ہوتا اور ہر ختم پر فرماتے دعوۃٌ مستجابۃٌ

الغرض ایسے بے شمار حضرات تھے جو دن رات میں یا صرف رات یا صرف دن میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے مزید حوالے درکار ہوں تو شوق حدیث حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ختم کے بارے حضرات سلفؒ کی عادات مختلف تھیں وہ اپنے حالات افہام اور مشاغل کو ملحوظ رکھ کر قرآن کریم پڑھتے تھے ان میں بعض حضرات ہر ماہ میں ایک بار اور بعض بیس۲۰ دن میں اور بعض دس۱۰ دن میں اور بعض یا اکثر ان میں سے سات۷ دن میں اور بہت سے تین۳ دن میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے

وکثیر فی کل یوم ولیلۃ وبعضہم

اور بہت سے حضرات ہر دن اور رات میں اور

فی کل لیلۃ وبعضھم فی الیوم واللیلۃ ثلاث مرات وبعضھم ثمان ختمات اھ (شرح مسلم ص۲۶۶ ج۱ واللفظ لہ و فتح الباری ص۸۴ ج۹ و تفسیر اتقان ص۲۸۰ ج۱ اردو)

ان میں سے بعض ہر رات میں اور بعض ان میں سے دن اور رات میں تین مرتبہ اور بعض ان میں سے دن رات میں آٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔

اگر معاذ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا ایک رات میں ختم کرنا خلافِ حدیث، بدعت اور سُنّت سے نفرت کے مترادف ہے تو اس جرم میں حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی تنہا نہیں امت مرحومہ کے اکابر فقہاء کرامؒ محدثین عظامؒ اور بزرگان دینؒ اس میں ان کے شریک ہیں حتّٰی کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ بھی اُن کے ہمنوا ہیں کما قیل ؎ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مگر تن آسانی کا خوگر یہ کہہ سکتا ہے ؎

چمن میں رہنے والوں سے تو ہم صحرا نشیں اچھا بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

صوم الدھر اہل الظاہر تو لا صام من صام الابد کی حدیث کے پیش نظر صوم الدھر کی ممانعت کے قائل ہیں مگر جمہور اہل اسلام ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

قال القاضی وغیرہ وذھب جماھیر العلماء الی جوازہ اذا لم یصم الایام المنھی عنھا وھی العیدان والتشریق (شرح مسلم ص۳۶۵ ج۱)

قاضی (عیاضؒ) وغیرہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کرام صوم الدھر کے جواز کے قائل ہیں جب کہ اُن دنوں کا روزہ نہ رکھا جائے جن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ عیدین اور ایام تشریق کے روزے ہیں۔

اور فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ حضرت ابو طلحہؓ (زیدؓ بن سہل) حضرت عائشہؓ وخلائق من السلف (اور حضرات سلفؒ میں بے شمار مخلوق) صوم الدھر پر عامل تھے (شرح مسلم ص۳۶۵ ج۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

وذھب آخرون الی استحباب صیام الدھر لمن قوی علیہ ولم یفوت فیہ حقا والی ذلک ذھب الجمھور اھ (فتح الباری ص۱۲۶ ج۵)

دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ صوم الدھر اس شخص کیلئے جو اس پر قوی ہو اور اس کی وجہ سے کوئی حق فوت اور ضائع نہ ہوتا ہو مستحب ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

امام شعبۃؒ بن الحجاج صائم الدھر تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۲۲) امام وکیعؒ بن الجراح صائم الدھر تھے (بغدادی ج۱۳ ص۴۷۰) حضرت امام بخاریؒ صائم الدھر تھے (میزان الکبری ج۱ ص۵۰) اور ایسے اور بے شمار حضرات صائم الدھر تھے۔ غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عبداللہ صاحب روپڑی صائم الدھر تھے (نتائج التقلید ص۳۰) یہ تمام احادیث جو فریق ثانی کے شیخ الکل نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف بطور ہتھیار کے نقل کی ہیں یہ سب ان حضرات کے سامنے بھی تھیں کیا یہ تمام حضرات مخالف حدیث، سُنّت سے نفرت کرنے والے اور بدعتی تھے؟ اگر معاذاللہ تعالیٰ یہ تمام حضرات بدعتی تھے تو اس طرح کا ایک بدعتی حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بھی سمجھ لیجئے اور اگر یہ بدعتی نہ تھے اور یقیناً نہ تھے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ہرگز بدعتی نہ تھے شرعاً ثابت شدہ عبادات میں کثرت کرنا اور حسب توفیق ونشاط اور ذوق وشوق انہیں ادا کرنا بدعت نہیں ہے۔ غیر مقلدین حضرات کیا چھوٹے کیا بڑے خود مغالطہ کا شکار ہیں حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ کا خالص علمی اور تحقیقی رسالہ الاکثار فی العبادۃ لیس ببدعۃ قابلِ دید رسالہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہزار رکعت پڑھنے کو دشوار سمجھ کر بدعت قرار دینے کے لیے تو جناب میاں صاحبؒ تقسیم وتفریق کے حساب پر اُتر آئے ہیں کیا وہ حضرت امام زین العابدین علی بن الحسینؒ (المتوفی ۹۴ھ) کے بارے بھی حساب کریں گے؟

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ

انہ کان یصلی فی کل یوم ولیلۃ الف رکعۃ الی ان مات (تہذیب التہذیب ج۷ ص۳۰۶ وتذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۷۵) — وہ وفات کے وقت تک دن اور رات میں ہزار رکعت پڑھتے تھے۔

امام میمونؒ بن مہرانؒ (المتوفی ۱۱۷ھ) کبھی کبھی ایک ہزار رکعت روزانہ پڑھتے تھے اور ایک مرتبہ انہوں نے سترہؔ دن میں سترہؔ ہزار رکعتیں پڑھی تھیں (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۳۹۲)

حضرت مرۃؒ بن شراحیل الہمدانیؒ (المتوفی ۷۶ھ) دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے جب بوڑھے ہوگئے تو چار سو رکعت پر اکتفا کر لی (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۷۶)

حضرت علیؒ بن عبداللہؒ بن عباسؓ (المتوفی ۱۱۷ھ) روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۷ ص۳۵۸)

حضرت ہمیرؒ بن ہانیؒ (المتوفی قریباً ۱۱۰ھ) روزانہ ایک ہزار رکعت اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھا کرتے تھے (ترمذی ج۲ ص۱۷ وتہذیب التہذیب ج۸ ص۱۵۱ وفیض الباری ج۴ ص۱۹۸)

یہاں بھی ضروریات شرعیہ اور طبعیہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر نماز کے واجبات سُنن اور مستحبات کو ادا کرتے ہوئے چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں ہزار رکعت کی ادائگی کا حساب ہونا چاہیے بہت ممکن ہے کہ یہ حساب ان کے نزدیک صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لیے ہو کیونکہ وہ کاروبار تجارت میں مشغول رہتے تھے اور تاجر کے ساتھ حساب کا خاص تعلق ہوتا ہے۔ ؎

سدا خوش رہے تو جفا کرنے والے ؏ دُعا کر رہے ہیں دُعا کرنے والے

احادیث نہی کا مطلب

حضرت امام نوویؒ نہی عن صوم الدھر کی حدیث کا ایک؎ مطلب تو یہ بیان کرتے ہیں کہ جب عیدین اور ایام تشریق کے روزے بھی ساتھ رکھے جائیں تو تب منع ہے اور دوسرا؎ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی کو مسلسل روزے رکھنے سے ضعف اور تکلیف ہوتی ہو یا روزہ کی وجہ سے (بیوی وغیرہا کے) کسی شرعی حق پر زد آتی ہو تب صوم الدھر ممنوع ہے ورنہ نہیں (شرح مسلم صـ۳۶۵/۱ج) اور حدیث من رغب عن سُنّتی فلیس منّی کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے جو فعل کی سُنیّت کا اعتقاد ہی نہیں کرتا اس کو ہلکا اور خفیف سمجھ کر اس سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے پھر آگے لکھتے ہیں کہ

اما من ترک النکاح علی الصفة التی یستحب لہ ترکہ کما سبق او ترک النوم علی الفراش لعجزہ عنہ او لاشتغالہ لعبادة ماذون فیھا او نحو ذلک فلا یتناولہ ھذا الذم والنھی (شرح مسلم صـ۴۴۹/۱ج)

بہرحال جس شخص نے مذکور طریقہ پر نکاح ترک کیا جس پر اس کے لیے ترک کرنا مستحب ہے (کہ وہ مصارف نکاح نہیں پاتا یا اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کرنا چاہتا ہے وغیرہ) یا بستر پر اس لیے نہیں سوتا کہ اُسے بستر ہی نہیں یا وہ ایسی عبادت میں مشغول رہتا ہے جس کی اجازت ہے یا اس جیسے اور اعذار ہیں تو یہ مذمت اور نہی اس کو شامل نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فمن رغب عن سُنّتی فلیس منی کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ۔

المراد بالسنة الطریقة لا التی تقابل الفرض والرغبة عن الشیء الاعراض عنہ الی غیرہ والمراد

سنت سے مراد طریقہ ہے نہ کہ وہ سنت جو فرض کے مقابل ہے اور رغبت عن الشئ کا مطلب اس سے اعراض کر کے غیر کو لینا ہے اور مراد یہ ہے کہ

من ترك طريقتي واخذ بطريقة غيري فليس مني ولمح بذلك الى طريق الرهبانية فانهم ابتدعوا التشديد كما وصفهم الله تعالى وقد عابهم بانهم ما وفوا بما التزموه لخ	جس نے میرا طریقہ ترک کیا اور غیر کا طریقہ اپنایا تو وہ میرا نہیں اور اس میں رہبانیت کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان لوگوں نے تشدید اختراع کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور ان کو معیوب قرار دیا ہے کہ وہ اس چیز پر پورے نہیں اترے جو انہوں نے گھڑی تھی۔

(فتح الباری ص ۵ ج ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ سُنّت سے اس مقام پر اصطلاحی سنّت مُراد نہیں جو فرض کے مقابل ہوتی ہے اور اس کی دوسری طرف بدعت ہوتی ہے جیسا کہ عام لوگ اس مقام پر لفظ سنت سے مغالطہ کھاتے ہیں بلکہ فریق ثانی کے شیخ الکل نے بھی مغالطہ کھایا ہے جبھی تو وہ اس سُنّت کے مقابلہ میں لفظ بدعت استعمال کر رہے ہیں اس مقام پر سُنّت سے لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی طریقہ اور حافظ ابن حجرؒ ہی فلیس مِنّی کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

ان كان الرغبة بضرب من التاويل يعذر صاحبه فيه فمعنى فليس مني اى على طريقتي ولا يلزم ان يخرج عن الملة وان كان اعراضاً وتنطعا يفضى الى اعتقاد ارجحية عمله فمعنى فليس مني ليس على ملتي لان اعتقاد ذلك نوع من الكفر	اگر اعراض کسی تاویل کی وجہ سے ہو تو ایسا کرنے والا معذور ہے اس صورت میں فلیس منی کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی ملت ہی سے نکل جائے اور اگر اعراض اور گریز اس اعتقاد تک پہنچا دے کہ وہ شخص اپنے عمل کو آپ کے طریقہ سے زیادہ راجح سمجھتا ہے تو فلیس منی کا یہ معنیٰ ہے کہ میری ملت پر نہیں کیونکہ ایسا اعتقاد کفر کی ایک نوع ہے۔

گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے طریقہ سے اعراض اور اعراض میں فرق ہے عذر کی وجہ سے ہے تو باعث ملامت نہیں اور اگر اعراض کو آپ کے محبوب طریقہ سے ارجح سمجھتا ہے تو کفر کی نوع کا مرتکب ہے اور علامہ عینیؒ کا بیان اس سے بھی زیادہ واضح اور معنیٰ خیز ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

وان ترکه راغباً عن سنة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فهو مذموم مبتدع ومن ترکه من اجل انه ارفق له واعون علی العبادة فلا ملامة علیه اھ

اور اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کرتے ہوئے اسے ترک کیا تو وہ مذموم اور بدعتی ہے اور اگر اس لیے ترک کیا کہ ترک اس کے لیے زیادہ موافق ہے اور عبادت میں زیادہ معاون ہے تو اس پہ کوئی ملامت نہیں ہے۔

(عمدة القاری ص ۶۵ ج ۲۰)

غیر مقلدین حضرات کے علماء کرام کو تو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ حافظ ابن تیمیہؒ[1] اور امام نوویؒ[2] نے جن کی تحقیق پہ وہ کلی اعتماد کرتے ہیں مدت العمر شادی نہیں کی تو کیا یہ حضرات فمن رغب عن سنتی فلیس منی کی زد میں نہیں آتے؟ آخر جس دلیل سے آپ حضرات ان احادیث کی زد سے ان کو نکالیں گے اسی دلیل سے حسن ظنی کرتے ہوئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی معذور تصور فرمائیں اور ثواب دارین کے مستحق ہوں صرف یہی بات پلے نہ باندھ لیں کہ خواہ مخواہ ان احادیث کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہی بیان کرکے عوام الناس کا ان پر اعتماد اٹھانا ہی دین کی اصل خدمت ہے جیسا کہ ان کے وتیرہ سے بالکل عیاں ہے کہ کسی مقام میں بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کو معاف نہیں کرتے اور ساتھ ہی ان کی امامت اور ورع و تقویٰ کے گیت بھی گاتے ہیں ؎

زبانِ مصلحت اندیش کا کیونکر یقیں آئے
اُدھر کچھ اور کہتی ہے اِدھر کچھ اور کہتی ہے

---

[1] علامہ محمد ابو زہرہؒ فرماتے ہیں کہ۔ قلمی، لسانی اور بدنی جہاد میں اس قدر انہماک و استغراق رہا کہ (حافظ ابن تیمیہؒ) کو شادی کی نوبت ہی نہیں آسکی۔ (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ص ۱۶۶) تالیف محمد ابو زہرہؒ ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی بحوالہ ذیل طبقات الحنابلہ ص ۳۹۵)

[2] امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ

کان یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ سیداً وحصوراً الخ

امام یحییٰ بن شرف النوویؒ سردار تھے اور شادی نہیں کی تھی۔

(طبقات الشافعیة ص ۱۶۶ ج ۵)

باب دوازدھم

حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث کو رائے اور قیاس پر مقدم سمجھتے تھے

بعض کم فہم متعصب اور کج بحث لوگ یہ خیال کرتے اور کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ علم حدیث سے بے بہرہ تھے اور ان کا علم صرف فقہ و رائے تک ہی محدود تھا اور وہ حدیث کو نظر انداز کرکے قیاس و اجتہاد سے کام لیتے تھے لیکن یہ نظریہ قطعاً باطل اور سراسر بے بنیاد ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے خوگر تھے اور آپ کا شمار ائمہ حدیث اور کبار محدثین میں ہوتا ہے۔

بفضل اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب مقام ابی حنیفہؒ میں اس پر باحوالہ سیر حاصل بحث کر دی ہے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جس طرح حضرت امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اور امام ابوبکر بن العربیؒ محمد بن عبد اللہ المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) کے نزدیک حسن حدیث حجت نہیں اور ان کی تحقیق کے لحاظ سے احادیث کا دائرہ یقیناً تنگ ہو جاتا ہے اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کی صحت کے لیے سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے حدیث کے بارے میں ان کی بعض شرطیں نقل کرکے لکھا ہے فھذا مذھب شدید الخ (تدریب الراوی ص۱۶۰) اور یہ سخت مذہب ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو وسعت احادیث کی ایسی سخت شرطیں نہ لگانے والوں کے ہاں ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں باقی نہیں رہتی مگر یہ کہنا کہ آپ فن حدیث میں یتیم تھے یا اس سے چنداں دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے ان پر خالص بہتان اور نرا افترا ہے ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ صریح اور ٹھوس حوالوں سے مقام ابی حنیفہؒ میں یہ بحث عرض کر دی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں قطعاً کوئی رائے اور قیاس نہیں کرتے تھے ہاں اگر ان اُدلّہ سے کوئی تصریح نہ ملتی تو قیاس کرتے اور خوب کرتے حتیٰ کہ بڑے بڑے اکابر علماء بھی داد تحسین دیے بغیر نہ رہ سکے بلکہ ان کی رائے کو قبول کرکے اس پر فتویٰ دیتے تھے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ صاف طور پر یہ ارشاد فرماتے تھے کہ

ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ   جو حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

علیہ وسلم فعلی الرأس والعین (ظفر الامانی ص ۱۸۲) ثابت ہو تو وہ سر اور آنکھوں پر

بے شمار حوالوں میں سے ہم یہاں صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو محمد علی بن احمد۔ ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) نے

ذکر ابن حزمؒ الاجماع علی ان مذہب ابی حنیفۃؒ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عندہ من الرأی والقیاس اذا لم یجد فی الباب غیرہ

اس بات پر (علماء کا) اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ضعیف حدیث بھی (جو موضوع اور جعلی نہ ہو) رائے اور قیاس سے بہتر ہے جب کہ اس باب میں اس کے سوا اور کوئی دلیل ان کو نہ ملتی۔

(دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۸۸۷ للنواب صدیق حسن خانؒ)

اہل علم کے لیے یہ حوالہ بالکل کافی ہے کیونکہ قائل اور ناقل دونوں بزرگ حنفی نہیں تاکہ جانبداری کا شبہ ہو سکے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

بلکہ امام ابو حنیفہؒ جو رئیس اہل السنت ہیں نہ صرف یہ کہ خبر واحد کو بلکہ اقوال صحابہؓ کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے ہیں اور ان کی مخالفت کو روا نہیں رکھتے (ردّ رفض ص ۲۲ مترجم اردو)

غرضیکہ امام صاحبؒ کی طرف یہ نسبت کہ وہ حدیث کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور رائے اور قیاس ہی سے کام لیتے تھے خالص جہالت اور برے تعصب کی پیداوار ہے جس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت امام صاحبؒ کے مشہور تلامذہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بے شمار تلامذہ تھے جن میں تین شخصیتیں جن کی بدولت ان کا علم چار دانگ عالم میں خوب پھیلا اور چمکا بڑی مشہور ہیں۔

(۱) امام قاضی ابو یوسف یعقوبؒ بن ابراہیمؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) جو امام صاحبؒ کے بڑے شاگرد تھے ان کے متعلق حضرت امام ابو ابراہیم اسمٰعیلؒ بن یحییٰ المزنی الشافعیؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ۔

ابو یوسف اتبع القوم للحدیث (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۹) امام ابو یوسفؒ قوم (یعنی حضرات فقہاء) میں سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرتے تھے۔

اور امام یحییٰؒ بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ

لیس فی اصحاب الرائی اکثر حدیثاً

اصحاب الرأی (یعنی فقہاء کرامؒ) میں امام ابو یوسفؒ

ولا اثبت من ابی یوسف (تذکرہ ص۲۷۰ ج۱) — سے بڑھ کر کثرت سے حدیثیں اور کسی کے پاس نہ تھیں اور نہ ان سے کوئی حدیث میں اثبت تھا۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے (الیفؒ)

(۲) امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) تصریح فرماتے ہیں کہ

لولا ماجاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ ولکن لا قیاس مع اثر ولیس ینبغی الا ان ینقاد للآثار انتہی (کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ص۲۰۴ ج۱ طبع مصر) — اگر احادیث نہ ہوتیں تو قیاس وہی کچھ چاہتا ہے جو اہل المدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں اور پیروی تو صرف احادیث ہی کی مناسب ہے۔

یہ عبارت صاف اعلان کر رہی ہے کہ حضرت امام محمدؒ حدیث کی موجودگی میں قیاس کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے

(۳) حضرت امام زفر بن الہذیلؒ (المتوفی ۱۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ

لا نأخذ بالرأی ما دام اثر واذا جاء الاثر ترکنا الرأی (ذیل الجواہر ص۵۲۴ ج۲ و فوائد البہیۃ ص۷۶) — جب حدیث موجود ہو تو ہم قیاس سے کام نہیں لیتے اور جب حدیث مل جائے تو ہم رائے اور قیاس کو ترک کر دیتے ہیں

الحاصل حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے جید تلامذہ میں سے کوئی بھی حدیث کی موجودگی میں رائے اور قیاس کا قائل نہیں۔ مؤلف بعض الناس فی دفع الوسواس لکھتے ہیں

وانما یعملون بالقیاس عند عدم الحدیث الخ ص۲۸) — کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب جب حدیث نہ ملے تو پھر قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات قیاس اور رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے یا حدیث سے بے وفائی برتتے تھے وہ جہالت ضد اور تعصب کا شکار ہیں اور وہ تاریخی حقائق سے بالکل بے خبر ہیں امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ اور پیروکاروں کی قرآن و حدیث اور اقوال حضرات صحابہ کرامؓ سے وفا اظہر من الشمس اور امنط حقیقت ہے لایعنی الزامات سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

گزر جائیں گے اہل درد رہ جائیگی یاد ان کی — وفا کا درس جب ہوگا تو ان کے ذکر پہ ہوگا

فائدہ: بعض اوقات سطحی قسم کا کم فہم آدمی کوئی حدیث دیکھتا ہے اور اپنی دانست کے مطابق وہ اسے صحیح سمجھتا ہے اور جب کسی امام کا قول اُسے اس حدیث کے خلاف نظر آتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ

امام نے حدیث کی مخالفت کی ہے اور پھر اس کے سینے کے پنہاں جذبات زبان اور قلم کی نوک پر عیاں ہونے لگتے ہیں حالانکہ وہ خود حقیقت آشنا نہیں ہوتا ہم بات کو مبرھن کرنے کے لیے صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں۔

علامہ محمدؒ بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ لکھتے ہیں کہ

لان الشافعیؒ ترک العمل بظاهر احادیث رآها وعلمها لکن قام الدلیل عندہٗ علیٰ طعن فیها او نسخها او تاویلها او نحو ذلک الخ

بلاشبہ حضرت امام شافعیؒ نے کئی احادیث کو دیکھ اور جان کر ان کے ظاہر پر عمل ترک کر دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان احادیث پر طعن یا ان کی نسخ یا ان کی تاویل یا اس کی مانند اور اعذار پر دلائل قائم ہو چکے ہیں۔

(الروض الباسم ج۱ ص۱۰۷)

جو سطحی قسم کا آدمی اُن دلائل سے واقف نہیں ہو گا تو وہ یقیناً حضرت امام شافعیؒ پر تارک حدیث ہونے کا طعن کرے گا جس میں وہ خود خطا کار اور گنہگار ہو گا اور یہ بات صرف امام شافعیؒ کے بارے میں ہی نہیں بلکہ دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کے متعلق بھی ہے اور ایسے ہی سطحی قسم کے ظاہر بینوں کو حضرات ائمہ کرامؒ مخالف حدیث نظر آتے ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالکؒ میں ستر سے زائد احادیث ایسی ہیں جن پر خود حضرت امام مالکؒ نے عمل نہیں کیا (مقدمہ فیض الباری ص۵۸) تو کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ حضرت امام مالکؒ تارکِ حدیث تھے؟ جیسی رائے ان اکابر کے بارے میں مناسب ہے ویسی ہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں رکھیے مگر صد افسوس کہ ے

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

وجہ مغالطہ غیر مقلدین حضرات کو یہ شبہ کہ حضرات فقہاء احنافؒ قیاس ورائے کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں اُن کی بعض عبارات سے ہوا ہے ظاہری طور پر اُن کا شبہ بجا نظر آتا ہے لیکن تحقیق کے بعد بالکل کافور ہو جاتا ہے۔ تمام یا اکثر عبارات اور پھر ان پر شبہات نقل کر کے اُن کے جوابات عرض کرنا نہ تو اس کتاب کے موضوع سے متعلق ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے بات کو مبرھن کرنے کے لیے صرف تین مثالیں عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) نور الانوار اور اصول الشاشی وغیرہ بعض کتابوں میں ہے کہ حدیث المصراۃ (یعنی وہ مادہ جانور جس کا

دودھ تھنوں میں روک کر خریدار کو دھوکہ میں ڈالا گیا ہو کہ اس کا دودھ زیادہ ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب اُسے اس عیب پر آگاہی ہو جائے تو اُسے اختیار ہے کہ اُسے رکھے یا جانور بائع کو واپس دیدے اور اُس کے ساتھ ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر کھجوریں دیدے خواہ دودھ کی قیمت جو مشتری نے استعمال کیا ہے چارے کی قیمت کے بعد بھی کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو) ہمارے ہاں معمول بہ نہیں اس لیے کہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے اور اس کے راوی حضرت ابُوہریرہؓ ہیں جو فقیہ نہ تھے (نور الانوار ص۱۸۳ و اصول الشاشی ص۷۵ ملخصاً)

الجواب: محققین احنافؒ نے اس حدیث کے ترک کرنے کی ان دونوں وجہوں کو رد کیا ہے اولاً اس لیے کہ یہ روایت صرف حضرت ابُوہریرہؓ سے ہی مروی نہیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ (بخاری ص۲۸۸/۱) جن کی فقاہت کے بارے میں امت میں سے کسی کو اختلاف نہیں وثانیاً حضرت ابُوہریرہؓ اپنے وقت میں قاضی اور جج بھی تھے (بخاری ص۳۲۳/۱) حالانکہ غیر فقیہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وثالثاً خود حضرات احنافؒ نے حضرت ابُوہریرہؓ کے فقیہ مفتی اور مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ الشیخ عبد العزیز بن احمدؒ البخاری الحنفیؒ (المتوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ

لا نسلم ان اباھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یکن فقیھا بل کان فقیھا ولم یعدم شیئًا من اسباب الاجتھاد وقد کان یفتی فی زمان الصحابۃؓ وما کان یفتی فی ذٰلک الزمان الا فقیہ مجتھد اھ

ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ نہ تھے بلکہ وہ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں معدوم نہ تھی اور وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں فتوٰی صادر فرماتے تھے اور اُس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتوٰی دیا کرتے تھے۔

(کشف الاسرار شرح اصول بزدویؒ ص۷۰۳/۲ طبع مصر)

یہ عبارت بالکل واضح ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ امام ابو محمد عبد القادر القرشی الحنفیؒ (المتوفی ۶۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ امام عبد العزیزؒ نے تحقیق میں فرمایا ہے کہ حضرت ابُوہریرہؓ فقیہ تھے اور اسباب اجتہاد میں سے کوئی چیز ان میں مفقود نہ تھی اور وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں فتوٰی دیا کرتے تھے اور اُس زمانہ میں صرف فقیہ اور مجتہد ہی فتوے دیتے تھے، ان کی بات ختم ہوئی میں (قرشیؒ) کہتا ہوں کہ حضرت ابُوہریرہؓ فقہاء صحابہ کرامؓ میں تھے علامہ ابن حزمؒ نے فقہاء صحابہ کرامؓ میں ان کا تذکرہ کیا ہے

اور ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام تقی الدین سُبکیؒ نے حضرت ابُوہریرہؓ کے فتووی کی ایک جزء جمع کی ہے وہ جزء میں نے خود اُن سے سُنی ہے (الجواہر المضیہ ص۴۱۸ ج۲)

حافظ کمال الدین محمدؒ بن عبدالواحد ابن الہمام الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ

والمائة الالف الذین توفی عنهم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لا یبلغ عدة المجتهدین الفقهاء منهم اکثر من عشرین کالخلفاء والعبادلة وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابی هریرة و قلیل والباقون یرجع الیهم ویستفتون منهم الخ

(فتح القدیر ص۱۴۱ ج۲ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت (تقریباً) ایک لاکھ حضرات صحابہ کرامؓ تھے ان میں مجتہدین اور فقہاء کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی مثلاً حضرات خلفاء راشدینؓ عبادلہؓ (حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ) حضرت زیدؓ بن ثابت ——— ——— حضرت معاذؓ بن جبل حضرت انسؓ، حضرت ابُوہریرہؓ اور ان کے علاوہ اور تھوڑے سے حضرات باقی سب ان کی طرف رجوع کرتے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے

اس عبارت میں بھی حضرت ابُوہریرہؓ کا مجتہد اور فقیہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ اور مفتی تھے۔ (مقدمہ ہدایہ اخرین ص۸ والسعایہ ص۱۱) اور مولانا عبدالحلیم الکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ ابوہریرہؓ وان کان فقیہاً الخ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص۱۸۳) ابوہریرہؓ فقیہ تھے اور حضرت مولانا عثمانیؒ فتح الملہم ص۱۱ ج۱ میں زوردار الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ تھے۔ غرضیکہ جس طرح دوسرے حضرات۔ حضرت ابُوہریرہؓ کے مجتہد اور فقیہ ہونے کے قائل ہیں اسی طرح محققین احناف بھی قائل ہیں۔ بجز چند حضرات کے جو غلط فہمی کا شکار ہیں لہٰذا اس حدیث کے ترک کی بنیاد اس امر پر رکھنی کہ یہ قیاس کے خلاف ہے یا حضرت ابُوہریرہؓ تو فقیہ نہ تھے بالکل غلط ہے۔ المصراۃ کی حدیث پر کشف الاسرار (ص۳ ج۲) فتح القدیر (ص۱۴۱ ج۲) حجۃ اللہ البالغہ (ص۱۶۱ ج۱ و ص۱۱ ج۱) اور سیرت النعمان از مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) (ص۱۰۶) اور بوادر النوادر للتھانویؒ (ص۵۱) میں قدرے تفصیل سے بحث موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام کرخیؒ اور ان کی پیروی میں علماء کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ راوی کی فقاہت

شرط نہیں کیونکہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اور یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقاہت راوی کی شرط ہمارے اصحاب سے منقول نہیں بل المنقول عنھم ان خبر الواحد مقدم علی القیاس۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۱ ج ۱ طبع مصر) بلکہ ان سے یہ منقول ہے کہ خبر واحد بہرحال قیاس پر مقدم ہے۔

اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

وھذا الجواب باطل لا یلتفت الیہ ولم یزل مطعناً للخصوم منذ قدیم زمن ولمثل ھذا اشتھر ان الحنفیۃ یقدمون الرای علی الحدیث وحاشاھم ان یقولوا بمثلہ فان ھذہ المسئلۃ لم تصح نقلہ عن ابی حنیفۃؒ ولا عن احد من اصحابہ نعم نسبت الی عیسیٰؒ بن ابانؒ المعاصر للشافعیؒ وھی ایضاً محل تردد عندی کیف وقد قال المزنیؒ ان اباحنیفۃؒ اتبع للاثر من محمدؒ وابی یوسفؒ الی ان قال وبالجملۃ ھذا الجواب اولی ان لا یذکر فی الکتب وان ذکرہ بعضھم ومن یجتری علی ابی ھریرۃؓ فیقول انہ غیر فقیہ؟ ولو سلمنا فقد یرویہ افقھھم اعنی ابن مسعودؓ ایضاً فیعود المحذور واجاب عنہ الطحاویؒ

یہ جواب (کہ یہ حدیث محض قیاس کے خلاف ہے یا حضرت ابوہریرہؓ غیر فقیہ ہیں) باطل ہے اس کی طرف التفات ہی مناسب نہیں اور مخالفین کے نزدیک قدیم زمانہ سے یہ جواب سبب طعن بنا ہوا ہے اور اسی لیے مشہور ہو گیا ہے کہ احناف رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ ان کا دامن اس سے بالکل پاک ہے کہ وہ ایسی بات کہیں یہ مسئلہ نہ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے اور نہ ان کے اصحاب وتلامذہ سے ہاں اس مسئلہ کی نسبت امام عیسیٰؒ بن ابانؒ کی طرف کی گئی ہے جو حضرت امام شافعیؒ کے معاصر تھے اور میرے نزدیک اس نسبت میں بھی تردد ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ بھلا یہ کب کہہ سکتے ہیں جب کہ امام مزنی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ سے حدیث کی زیادہ اتباع کرتے تھے (پھر آگے فرمایا) خلاصہ یہ ہے کہ یہ جواب کتابوں میں ذکر کرنے کے قابل ہی نہیں اگرچہ بعض نے اس کا ذکر کیا ہے اور کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فقیہ نہ تھے اور اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں تو سب صحابہ کرامؓ

بالمعارضة بحديث الخراج بالضمان
والجواب عندي ان الحديث محمول
على الديانة دون القضاء لما في فتح
القدير في باب الاقالة ان الغرر
اما قولي او فعلي فان كان الغرر
قوليا فالاقالة واجبة بحكم القاضي
وان كان الثاني تجب عليه الاقالة
ديانة ولا يدخل في القضاء الخ
(فیض الباری ص ۲۳۱ ج ۳ وص ۲۳۱ ونحوه في العرف الشذي ص ۲۳۶)

سے زیادہ فقیہ حضرت ابن مسعودؓ بھی اس روایت کو
نقل کرتے ہیں پھر وہی خرابی لوٹ آئے گی امام طحاویؒ
نے المصراۃ کی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ الخراج بالضمان
(یعنی جتنا کسی کا نقصان ہو اتنا اس کو نفع بھی آئے گا۔
الغنم بالغرم) کی حدیث کے معارض ہے اور میرے نزدیک
یہ حدیث دیانت پر محمول ہے نہ قضاء پر اس لیے کہ
فتح القدیر باب الاقالہ میں ہے۔ کہ دھوکہ یا قولی ہوگا یا
فعلی اگر قولی ہو تو اقالہ قاضی کے حکم سے واجب ہے اور فعلی ہو تو
اقالہ دیانۃً واجب ہے اور یہ داخل تحت القضاء نہیں۔

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی قیاس کا غیر فقیہ راوی کی روایت پر مقدم ہونے کا مذہب امام عیسیٰؒ بن ابانؒ کا بتایا ہے (حجۃ اللہ ص ۱۹۱ ج ۱) اس تفصیلی عبارت میں دونوں باتوں کی (کہ رائے حدیث پر مقدم ہے اور یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ غیر فقیہ تھے) تردید کھل کر سامنے آگئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ عذر اور قاعدہ خود تراشیدہ ہے (محصلہ حجۃ اللہ ص ۱۱ ج ۲) جن حضرات فقہاء احنافؒ نے (جن میں سر فہرست امام یوسفؒ ہیں ملاحظہ ہو کشف الاسرار ص ۷۰۳ ج ۲) حدیث المصراۃ کو معمول بہ قرار دیا ہے انہوں نے اس کو یا تو دیانت اور حسن اخلاق پر محمول کیا ہے (کمامرّ آنفا) اور یا صلح اور مشورہ پر محمول کیا ہے (نوادر النوادر ص ۱۰۰) اور مصالحت و مشاورت اور دیانت شرعاً مرغوب ہے ان میں برابری اور مساوات کے قیاسی اصول سے بالاتر ہو کر معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور جن حضرات نے اس حدیث پر عمل کرنے سے معذرت کی ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ صرف قیاس اور رائے کے خلاف ہے بلکہ اس لیے کہ یہ حدیث ان کی تحقیق سے بظاہر نصّ قرآنی اور دیگر احادیث اور اجماعی مسئلہ سے متعارض ہے اس طرز استدلال میں علمی طور پر ان سے بحث کرنے کا ہر عالم کو حق حاصل ہے لیکن یہ کہنا کہ انہوں نے محض اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ قیاس اور رائے کے خلاف ہے درست نہیں ہے۔ ترک کرنے والے حضرات کے اعذار یہ ہیں۔

(۱) یہ حدیث فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ کے قرآنی ضابطہ سے متعارض ہے (فتح القدیر ص ۱۴۱ ج ۲) یعنی تلف شدہ چیز کا تاوان بالمثل ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ

مثل صوری ہو یا مثل معنوی یعنی قیمت اور صاع من تمر نہ تو مثل لبن ہے اور نہ قیمت لبن ہے۔

(۲) یہ حدیث الخراج بالضمان کی حدیث کے خلاف ہے (یہ حدیث ابوداؤد ص۱۳۹ ج۲، طحاوی ص۱۶۹ ج۲ اور سنن الکبریٰ ص۳۲۱ ج۵ میں ہے۔ وفی روایۃ الغلۃ بالضمان سنن الکبریٰ ص۳۲۲ ج۵) یعنی جو شخص کسی چیز کے نقصان کو برداشت کرتا ہے تو چیز کا نفع بھی اسی کا ہوگا چونکہ مشتری دودھ دینے والے جانور کا خرچہ اٹھاتا ہے اس لیے اس کے دودھ کا حقدار بھی وہی ہے جو عادۃً چارہ کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے بدلہ میں اُسے بائع کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا جب کہ حدیث المصراۃ میں صاع من التمر دینا پڑتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے غلام خرید کر کام پر لگایا اور پھر وہ غلام میں کسی عیب پر مطلع ہوا اور عیب کی وجہ سے غلام کو واپس کر دیا تو اس غلام کی ان دنوں کی کمائی کو واپس نہیں کرے گا کیونکہ وہ غلام اس کے ضمان میں تھا اگر ہلاک ہو جاتا تو نقصان اسی کو برداشت کرنا پڑتا لہٰذا نفع بھی اسی کا ہوگا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ الغنم بالغرم ایک بنیادی اصول ہے جو شخص کسی چیز کا تاوان برداشت کرتا ہے تو اُسی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اس قاعدہ کلیہ کی اصلیت اور اس کا ماخذ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے الخراج بالضمان اھ (حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۶۹ ج۲ طبع مصر و مترجم اردو از مولانا عبدالرحیم صاحبؒ ص۶۷۶ ج۲)

(۳) طعام کی طعام کے ساتھ نسیئۃً بیع جائز نہیں دودھ اور تمر کا طعام ہونا تو واضح ہے اور نسیئۃً بھی ظاہر ہے کہ دودھ دوہنے کا زمانہ کیا ہے؟ اور صاع من تمر ادا کرنے کا وقت کیا ہے؟ اور حدیث المصراۃ اس کے خلاف ہے۔

(۴) جزاف (تخمینہ والی چیز) کو مکیل موزون کے مقابلہ میں بیچنا جائز نہیں ہے اور یہاں دودھ جزاف ہے اور وہ مجہول ہے اور صاع من تمر معلوم ہے اور حدیث المصراۃ اس طے شدہ قاعدہ کے خلاف ہے۔

(۵) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث المصراۃ پہلے کی ہے اور حرمت ربا کا حکم اس کے بعد کا ہے۔ اور چونکہ ربوٰا کی حرمت نصِ قطعی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کا حکم منسوخ ہے۔ (شرح معانی الآثار ص۱۶۸ ج۲)

(۶) امام طحاویؒ ہی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہی عن بیع الکالی بالکالی یعنی الدین بالدین کے خلاف ہے (طحاوی ص۱۶۹ ج۲) یعنی نہ تو ابھی تک مشتری نے پورا دودھ وصول کیا اور نہ بائع نے تمر کا صاع وصول

کیا تو یہ دین بالدین ہے جس سے نہی آئی ہے یہ روایت حضرت رافعؓ بن خدیجؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (نصب الرایہ ص ۴۰ ج ۴ عن الطبرانی) اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے ان کی روایت دارقطنی ص ۳۱۹، سنن الکبریٰ ص ۲۹۰ ج ۵، طحاوی ص ۱۶۹ ج ۲، منتقی الاخبار مع النیل ص ۱۵۶ ج ۵، الجامع الصغیر للسیوطیؒ ص ۱۹۲ ج ۲ والسراج المنیر ص ۴۲۷ ج ۳ اور مستدرک ص ۵۷ ج ۲ میں مروی ہے امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح علیٰ شرط مسلم اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں صحیح۔ نصب الرایہ ص ۴۰ ج ۴ تعلیق المغنی ص ۳۱۹ اور نیل الاوطار ص ۱۶۶ ج ۵ میں حضرت امام احمدؒ امام دارقطنیؒ اور امام ابن عدیؒ سے اس روایت کے ایک راوی پر کلام بھی منقول ہے لیکن یہ صرف ایک "فنی" بات ہے استدلال کے لیے مضر نہیں کیونکہ امام احمدؒ ہی فرماتے ہیں کہ

ولکن اجماع الناس علی انہ لا یجوز بیع دین بدین (نیل الاوطار ص ۱۶۶ ج ۵)

(اگرچہ حدیث میں ضعف ہے) لیکن سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ بیع الدین بالدین جائز نہیں ہے۔

یعنی یہ حدیث مؤید بالاجماع ہے جس طرح حدیث لا وصیۃ لوارث ضعیف ہے لیکن امت کے تعامل سے وہ قابل احتجاج ہے اسی طرح اس کو بھی سمجھئے کہ اصل مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

قارئین کرام! ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ہم آپ کو حدیث المصراۃ کے ترک کی یہ توجیہات کلاً یا بعضاً منوانا چاہتے ہیں۔ آپ کو علمی طور پر ان سے اختلاف کا کلی حق حاصل ہے۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ جن جن حضرات احناف نے حدیث المصراۃ کو ترک کیا ہے تو اس لیے نہیں ترک کیا کہ یہ رائے اور قیاس کے خلاف ہے بلکہ اس لیے ترک کیا ہے کہ بقول ان کے یہ نص قرآنی۔ اور احادیث اور اجماع سے متعارض ہے اس لیے ان کے ہاں یہ معمول بہ نہیں ہے تو ان حضرات پر یہ الزام کہ وہ رائے اور قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں جیسا کہ یہ حدیث انہوں نے رائے اور قیاس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ترک کی ہے قطعاً باطل ہے ہاں جن بعض حضرات نے یہ غلطی کی ہے تو خود محققین علماء احناف نے ان کی واضح الفاظ میں تردید کر کے کسی کے لیے شکوہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

؎ انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

امام ابوحنیفہؒ کا قول النکاح بالمحرمات کے سلسلہ میں قرآن و حدیث کیخلاف ہے

اگر کوئی شخص اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہا کسی محرم سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستری بھی کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہاں عقوبت اور تعزیر ہے (ہدایہ وغیرہا) اور ان کا یہ نظریہ قرآن و حدیث اور اصول دین اور عقل کے سراسر خلاف ہے اور یہ زنا کے جواز کے مترادف ہے۔

الجواب: اعتراض کرنے والے حضرات نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو نہیں سمجھا اور نہ ہی مسئلہ کی حقیقت پر غور کیا ہے ورنہ اس اعتراض کی نوبت ہی نہ آتی ہم اختصاراً عرض کرتے ہیں کہ یہاں دو امر ہیں۔ امر اوّل یہ کہ اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے نکاح کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک ایسے شخص کے لیے عقوبت بلیغہ (انتہائی سزا) اور تعزیر ہے جو قتل ہی کی صورت میں جاری کی جائے گی۔ دوم اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے زنا کیا تو اس پر حد ہوگی محصن اور شادی شدہ پر رجم ہے اور غیر محصن اور غیر شادی شدہ پر سو کوڑے ہیں۔ چنانچہ امام ابوجعفر احمدؒ بن محمدؒ بن سلامہ الطحاوی[1] الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) یہ باب قائم کرتے ہیں باب من تزوج امرأۃ ابیہ او ذات محرم منہ فدخل بہا (یعنی یہ باب اس مسئلہ کے بیان کے لیے ہے کہ جس شخص نے اپنی ماں یا کسی اور محرم عورت سے نکاح کیا پھر ہمبستری کی) پھر ایسی کارروائی کرنے والے کے قتل کرنے کے سلسلہ میں اپنی سند سے چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

---

[1] امام ابوعمر یوسفؒ بن عبدالبر المالکیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ سب لوگوں سے زیادہ قوم کی سیرت اور خبروں کو جانتے تھے اور وہ کوفی المذہب تھے۔

وکان عالماً بجمیع مذاھب الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ (جامع بیان العلم ص۲۹ ج۲ طبع مصر) اور وہ تمام فقہاء کرام کے مذاہب کو جانتے تھے اور علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) محدث ابن یونسؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ ثبت فقیہ اور عقلمند تھے لم یخلف مثلہ (تذکرۃ الحفاظ ص۲۸ ج۳) انہوں نے اپنے بعد اپنی کوئی نظیر نہیں چھوڑی اور حافظ ابوالفضل احمدؒ بن علیؒ ابن حجر العسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اشعار ربدن کے مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

ویتعین المرجوع الی ما قال الطحاویؒ فانہ اعلم من غیرہ باقوال اصحابہ (فتح الباری ص۲۹۲ ج۴ طبع مصر)

جو کچھ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے اُسی کی طرف رجوع کرنا ہی متعین ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب (احناف) کے اقوال کو دوسرں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ علمائے احناف کے اقوال کو جس طرح امام طحاویؒ جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ

فذهب قوم الى ان من تزوج ذات محرم منه وهو عالم بحرمتها عليه فدخل بها ان حكمه حكم الزانى وانه يقام عليه حد الزنا الرجم اوالجلد واحتجوا فى ذلك بهذه الآثار وممن قال بهذا القول ابويوسف ومحمد رحمهما الله تعالى وخالفهم فى ذلك آخرون فقالوا لا يجب فى هذا حد الزنا ولكن يجب فيه التعزير والعقوبة البليغة وممن قال بذلك ابوحنيفة وسفيان الثورى رحمهما الله تعالى۔

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ جس شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے نکاح کیا اور وہ اس کی حرمت کو جانتا بھی تھا اور پھر اس سے ہمبستری کی تو اس کا حکم زانی کا ہے اس پر زنا کی حد قائم کی جائے گی (شادی شدہ ہے تو) رجم اور (غیر شادی شدہ ہے تو) کوڑے اور ان حضرات نے اس سلسلہ میں ان (مذکورہ) احادیث سے استدلال کیا ہے اور جو حضرات اس کے قائل ہیں ان میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی ہیں اور دوسرے حضرات نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں زنا کی حد واجب نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر اور انتہائی سزا واجب ہے اور جو حضرات اس کے قائل ہیں ان میں امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ بھی ہیں۔

(شرح معانی الآثار ص ۸۳ ج ۲)

اس عبارت میں امام طحاویؒ نے حضرات فقہاء کرام کے دو فریقوں کا ذکر کیا ہے ایک فریق اس صورت میں حد زنا رجم اور کوڑوں کا قائل ہے جب کہ دوسرا فریق جن میں امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ بھی ہیں انتہائی سزا اور تعزیر کا قائل ہے اور یہ حضرات اپنے استدلال میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت براءؓ بن عازبؓ (المتوفی ۷۲ھ) سے یوں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ماموں حضرت ابو بردہؓ بن نیار کو اور مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۲۷۱ میں چچا کا ذکر ہے ممکن ہے کہ وہ نسبی ماموں اور رضاعی چچا ہوں یا بالعکس (اور ہشیمؒ کی روایت میں ہے کہ الحارثؓ بن عمرو کو

ابن ماجہ ص ۱۹۰ جھنڈا دیکر

الى رجل تزوج امراة ابيه من

ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی وفات

بعدہ ان اضرب عنقه او اقتله۔ — کے بعد اسکی بیوی سے نکاح کر لیا تھا کہ اس کی گردن اڑا دیں یا یہ فرمایا کہ اس کو قتل کر دیں۔

(ابوداؤد ج۲ ص۲۵۶ و ترمذی ج۱ ص۱۶۲ ونسائی ج۲ ص۷۶ و ابن ماجہ ص۱۹۰ وموارد الظمآن ص۳۶۴ ومنتقی الاخبار مع النیل ج۷ ص۱۲۲، وقال رواہ الخمسۃ والطحاوی ج۲ ص۷۳ وکتاب الکبائر للذھبی ص۵۴ ومصنف عبدالرزاق ج۶ ص۲۷۱)

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بہت سی اسانید ہیں (اسانید کثیرۃ) ان میں سے بعض سندوں کے راوی صحیح سندوں کے راوی ہیں (نیل الاوطار ج۷ ص۱۲۲) اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔

من وقع علیٰ ذات محرم فاقتلوہ — کہ جس شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے بدفعلی کی تو اس کو قتل کر دو۔

(ابن ماجہ ص۱۸۷، مستدرک ج۴ ص۳۵۶ قال الحاکم صحیح الاسناد ومجمع الزوائد ج۶ ص۲۶۹ وکتاب الکبائر ص۵۴)

امام طحاویؒ حضرت براءؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وفی الحدیث ایضاً انه بعثه الی رجل تزوج امرأۃ ابیه ولیس فیه انه دخل بها فاذا کانت هذه العقوبة وهی القتل مقصوداً بها الی المتزوج لتزوجه دل ذلك انها عقوبة وجبت بنفس العقد لا بالدخول ولا یکون ذلك الا والعاقد مستحل لذلك اھ — اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قاصد کو ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس حدیث میں ہمبستری کا ذکر نہیں سو جب یہ سزا جو قتل کی تھی اس شخص سے مقصود تھی جس نے اپنی ماں سے صرف نکاح ہی کیا تھا تو اس میں یہ دلالت ہے کہ یہ سزا نفس عقدِ نکاح پر ہوئی۔ نہ کہ ہمبستری کی وجہ سے اور یہ اسی صورت میں ہو گا جب کہ نکاح کرنے والا اس کو حلال سمجھے۔

(ج۲ ص۷۳ و ص۷۴)

یعنی اپنی محرم عورت سے ہمبستری تو کجا نفس عقدِ نکاح ہی موجب قتل ہے اس کے بعد امام طحاویؒ اپنی سند سے مجرم کی گردن اڑانے اور اس کے مال سے خمس نکالنے کی دو حدیثیں نقل کرتے ہیں پھر قتل

اور تخمیس کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

فلما امر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ھذین الحدیثین باخذ مال المتزوج وتخمیسہ دل ذٰلک ان المتزوج کان بتزوجہ مرتدًا محاربًا فوجب ان یقتل لردتہ وکان مالہ کمال الحربیین الخ

(ج ۲ ص ۱۴۸)

جب ان دو حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی محرمات سے نکاح کرنے والے کا مال لینے اور اس سے خمس نکالنے کا ارشاد فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص محض نکاح کرنے ہی سے مرتد اور لڑائی کے قابل ہو گیا تو واجب ہے کہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اُسے قتل کر دیا جائے اور اس کا کا مال حربیوں کے مال کی طرح ہے۔

اس ساری بحث کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کسی محرم عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک دیگر تمام حضرات ائمہ کرامؒ کے مسلک سے زیادہ سخت ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ امام صاحبؒ اس شخص کو مرتد قرار دیتے ہیں جب کہ دوسرے حضرات ائمہ کرامؒ اُسے مسلمان سمجھ کر اس پر حد زنا جاری کرتے ہیں وثانیاً اس لیے کہ حضرت امام صاحبؒ ایسے شخص پر محصن (شادی شدہ) ہو یا غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو بہر حال قتل کی سزا جاری کرتے ہیں۔ جب کہ دوسرے حضرات محصن ہونے کی صورت میں رجم اور غیر محصن ہونے کی صورت میں سو کوڑوں کا حکم دیتے ہیں اور شرعی کوڑوں سے عادۃً بہت کم موت واقع ہوتی ہے بخلاف آجکل کے رائج الوقت فوجی کوڑوں کے کہ یہ چند کوڑے بھی جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں وثالثاً اس لیے کہ حضرت امام صاحبؒ کسی محرم عورت کے ساتھ نکاح کے بعد ہمبستری اور دخول کی شرط اور قید بھی نہیں لگاتے محض نکاح ہی سے اُس بدبخت کے لیے قتل کی مصیبت لے آتے ہیں جب کہ دوسرے حضرات کے ہاں زنا کے لیے دخول اور ہمبستری شرط ہے وہ بغیر ہمبستری اور دخول کے حد زنا جاری نہیں کرتے۔

قارئین کرام ! خود ہی اب انصاف سے یہ فیصلہ کریں کہ یہ سب کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی امام صاحبؒ مطعون ہیں۔ آخر کیوں ؟

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

واما من زنی باختہ مع علمہ بتحریمہ ذٰلک وجب قتلہٗ والحجۃ فی ذٰلک ماروہ البراءؓ بن عازبؓ قال مرّ بی خالی ابوبردۃؓ الخ (فتاوی ابن تیمیہؒ صـ ۲۲۶/ج۲)

بہر حال جس نے اپنی بہن سے حرام جانتے ہوئے زنا کیا تو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ میرے پاس سے میرے ماموں حضرت ابو بردہؓ گذرے الخ

اس کے بعد انہوں نے وہی وجہ پیش کی ہے جو پہلے باحوالہ عرض کی جا چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ کہ حافظ ابن تیمیہؒ بھی ایسے شخص پر بجائے حد زنا جاری کرنے کے قتل کا حکم سرزد کرتے ہیں۔

اور مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ حضرت براءؓ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولٰکنہ لا بدّ من حمل الحدیث علی ان ذٰلک الرجل الذی امر صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بقتلہ عالم بتحریمہ وفعلہ مستحلًّا وذٰلک من موجبات الکفر والمرتد یقتل للادلۃ الآتیۃ الخ (نیل الاوطار صـ ۱۲۲/ج۷)

لیکن ضروری ہے کہ اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے کہ جس شخص کے قتل کا حکم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا وہ اس فعل کی حرمت کو جانتا تھا اور اُسے حلال سمجھ کر کیا اور یہ کفر کے موجبات میں سے ہے اور مرتد کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ دلیلیں آگے آ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی تحقیق سے بھی وہ شخص اس کارروائی کو حلال سمجھنے کی وجہ سے مرتد تھا اور مرتد کی سزا قتل ہے حافظ ابن الہمامؒ نے بھی جہاں اس شخص کے قتل کی وجہ تعزیر اور سیاست لکھی ہے۔ وہاں اس کے قتل کی وجہ ارتداد بھی لکھی ہے (فتح القدیر صـ ۱۴۸/ج۵) یعنی اگر حلال سمجھ کر یہ کارروائی کرتا ہے تو مرتد اور واجب القتل ہے۔ اور اگر حرام سمجھ کر کرتا ہے تو سزا تو بہر حال قتل ہی ہے مگر یہ قتل سیاسۃً و تعزیرًا ہے۔ اور غیر مقلد عالم بلکہ ان کے مجتہد مولانا وحید الزمان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

ویحد حد الزنا من نکح بحرمہ و وطیٔ مع العلم بالتحریم او یقتل تعزیرًا (نزول الابرار صـ ۲۹۸/ج۲)

اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم سے حرام جانتے ہوئے نکاح کیا اور ہمبستری کی تو اس کو حد زنا لگائی جائے گی یا قتل کر دیا جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کاروائی جب ان کے نزدیک زنا ہے تو زنا کی سزا رجم یا کوڑے تو قرآن وحدیث میں منصوص ہے پھر قتل تعزیر کی سزا کہاں سے ، اور کیوں اس پر آگئی ؟ معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحبؒ کا فتویٰ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں قابلِ اخذ ہے اور قتل تعزیر کے حکم میں ان کی دیگر حضرات سے بھی ہمنوائی ثابت ہو گئی ۔ ع — یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا ۔

امرِ دوم امام طحاویؒ مناظرانہ انداز میں فریق ثانی سے خطاب کرتے ہوئے اثناء کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ

رجل زنی بذات محرم منہ فان قلت ذلک کان جوابنالک ان نقول علیہ الحد اھ (ص ۷۴/۲)

کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے زنا کیا اگر تو اس کے بارے میں پوچھے تو اس میں ہمارا جواب تجھے یہ ہوگا کہ اس پر حد ہے ۔

اس سے صراحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص نے اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہا کسی محرم سے زنا کیا تو اس پر باقاعدہ حد ہے شادی شدہ اور محصن ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا غیر شادی شدہ اور غیر محصن ہے تو اس کی حد نص قرآنی سے سو کوڑے ہیں ۔ اور یہ ساری بحث کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ

فھذا الذی ذکرنا فی ھذا الباب ھو النظر وھو قول ابی حنیفۃؒ وسفیان رحمہما اللہ تعالیٰ

اس باب میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہی نظر یعنی فقہی دلیل سے ثابت ہے اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے ۔

(شرح معانی الآثار ص ۷۵/۲)

اس سے بالکل یہ بات عیاں ہو گئی کہ اگر کسی شخص نے اپنی کسی محرم عورت سے نکاح کیا تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتد اور واجب القتل ہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہمبستری کرے یا نہ کرے اور اگر یہ کاروائی نکاح کے عنوان سے نہیں ہوئی بلکہ زنا کی صورت میں ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محرم سے زنا کرنے والے پر حد ہو گی اور یہ بات اعلم الناس بمذاہب الفقہاء اور اعلم الناس باقوال صحابہ امام طحاویؒ فرما رہے ہیں لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کا اس کے علاوہ کوئی اور مذہب تصور کرنا قطعاً غلط ہے جن حضرات فقہاء کرامؒ نے محرم کے ساتھ نکاح کی صورت میں لا حد علیہ کہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ رجم اور جلد کی حد نہیں جو زانی کے لیے ہوتی ہے نہ یہ کہ اس پر قتل کی صورت میں تعزیر اور عقوبت بلیغہ بھی نہیں کیونکہ وہ تو بہرحال واجب ہے ۔ الغرض حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ سب سے زیادہ سخت ہے ۔ ع کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر ملا سکے ۔

حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا کے مقابلہ میں امام صاحب کی تقلید

بعض غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

ووجح مولانا ولی اللہ المحدث الدھلوی قدس سرہ فی بعض رسائلہ حدیث الشافعیؒ من جھۃ الاحادیث والنصوص وکذالک قال شیخنا مدظلہ بترجیح مذھبہ وقال الحق والانصاف ان الترجیح للشافعیؒ فی ھذہ المسئلۃ ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفۃؒ واللہ تعالی اعلم

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اپنے بعض رسائل میں احادیث اور واضح تصریحات کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے کہ تفرق سے تفرق بالابدان مراد ہے اور اسی طرح ہمارے شیخ (حضرت شیخ الہندؒ) نے فرمایا کہ حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح ہے مگر ہم مقلد ہیں ہم پر اپنے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے اور اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے ۔

(تقریر الترمذی ص۳۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی حدیث کے مقابلہ میں تقلید پہ مصر ہیں اور کہنے والے بھی کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ شیخ الہند اور استاد الکل اور اپنے وقت میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہیں ۔

الجواب: ترمذی کی تقریر کے مرتب حضرت مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ ہیں اور اس عبارت میں وکذالک قال شیخنا مدظلہ بترجیح مذھبہ وقال الحق والانصاف ان الترجیح للشافعیؒ فی ھذہ المسئلۃ تک حضرت شیخ الہندؒ کے قول کا تذکرہ ہے آگے ونحن مقلدون الخ سے ممکن ہے کہ مرتب کا اپنا بیان ہو قطع نظر اس سے اگر یہ مقولہ حضرت شیخ الہندؒ کا بھی ہو تب بھی کوئی اشکال و مضائقہ نہیں حضرت شیخ الہندؒ اپنی علمی کتاب ایضاح الادلۃ میں مشہور غیر مقلد عالم مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی کی کتاب مصباح الادلۃ لدفع الادلۃ الاذلۃ کی ذیل کی عبارت پہ مناظرانہ انداز میں مناقشہ کرتے ہیں۔

قولہ مقدمہ خامسہ آجکل کے بعض متعصب جو بعض احادیث میں تاویل بے باعث اور دعوی

نسخ اور ضعف کا بے دلیل بلکہ بمجرد پابندی قول امام کی سے کر کے حدیث کو ترک کرتے ہیں وہ ویسے نہیں جیسے کہ ائمہؒ اس لیے کہ ائمہؒ سے دعوئے نسخ وضعف اور تاویل کا خالصاً لتحقیق دین اللہ اور جمعاً بین الادلہ تھا اور آجکل کے لوگوں کو تاویل کرنا مراعاۃ لقول الامام مقابل رسول کی ہے انتہی بلفظہ

(بحوالہ ایضاح الادلہ ص۱۲۶ وص۱۲۷)

(یہ ساری عبارت امروہوی صاحب نے اپنے شیخ الکل کی کتاب معیار الحق ص۱۵۱ سے لی ہے)

اس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

کیا عجب بات ہے کہ مقلد کے دعویٰ نسخ وضعف وغیرہ کو خود ہی تو بے دلیل فرماتے ہیں اور آپ ہی یہ ارشاد کرتے ہیں کہ بلکہ بمجرد پابندی قول امام ہے کوئی رئیس المجتہدین سے پوچھے کہ مقلد محض کے لیے اس سے زیادہ اور کیا دلیل قوی ہوگی کہ خود اس کے امام کا قول اس کے مؤید ہے باقی رہا قول امام اس کو خود آپ فرماتے ہیں کہ وہ خالصاً لتحقیق دین اللہ وجمعاً بین الادلہ ہے سو جو مقلد کسی امام کی تقلید بوجہ اعتقاد فہم ودیانت کرے گا وہ بھی بوجہ اتباع امام جو کرے گا خالصاً لتحقیق دین اللہ ہوگا الخ (ایضاح الادلہ ص۱۲۷)

حدیث البیعان بالخیار کو نہ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے منسوخ کہا ہے اور نہ ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کو اپنایا ہے ہاں اس کی تشریح میں ضرور اختلاف کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ مالم یتفرقا سے تفرق عن المجلس یا تفرق بالاقوال مراد لیتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں کیونکہ ظاہری الفاظ اور راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا تعامل اسی پر تھا اور جو معنی حدیث کے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے لتحقیق دین اللہ کے بیان کیے ہیں وہی ان کے مقلد لیتے ہیں جب امام صاحبؒ یہ معنی لینے میں دیندار ہیں تو ان کے مقلد کیوں بے دین ہوں گے۔ کیونکہ جاہل کے لیے عالم کی تقلید غیر مقلدین کے نزدیک بھی واجب ہے کما مر مفصلاً تو یہاں حدیث کے مقابلہ میں امام صاحبؒ کے قول کی تقلید نہیں جیسا کہ بعض غیر مقلدین نے سمجھا ہے بلکہ حدیث کو مانتے ہوئے اس کے معنی اور تفسیر میں امام صاحبؒ کی تقلید ہے جس طرح لفظ قروء میں قرء کا معنی امام صاحبؒ حیض اور امام شافعیؒ طہر لیتے ہیں اور حیض کا معنی لینے سے نہ تو قرآن کریم کا انکار اور مقابلہ لازم آتا ہے اور نہ ترک اسی طرح حدیث مذکور کے بارے سمجھئے۔

مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

اقول ما اراد ابو حنیفۃ معارضۃ　　　میں کہتا ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کا

الحدیث بقیاسہ والعیاذ باللہ بل مرادہ ان شرح الحدیث مثل ما قال ابو یوسف وغیرہ (العرف الشذی ص۳۹۳)

معارضہ قیاس سے نہیں کیا العیاذ باللہ تعالیٰ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس حدیث کی تفسیر اسی طرح ہے جس طرح امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے کی ہے۔

اور اس سے قبل فرماتے ہیں کہ

واما شرح ابی یوسف فھو ان التفرق ھو تفرق الابدان کما قال الشافعیؒ واحمدؒ والغرض من الحدیث ان المجلس جامع المتفرقات فیضم القبول بالایجاب ویکون المراد ان المشتری لہ ان یقبل او لا یقبل وللبائع قبل القبول ان یرجع عن ایجابہ فالاختیار ھو ما ذکرہ الطحاوی (ای فی ص۱۶۵/ج۲) وشرح محمد کما فی موطاہ ص۳۳۸ مالم یتفرقا عن منطق البیع الخ (العرف الشذی ص۳۹۱)

امام یوسفؒ کی تفسیر یہ ہے کہ تفرق سے تفرق بالابدان ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں اور غرض اس حدیث سے یہ ہے کہ مجلس جامع المتفرقات ہے سو قبول کو ایجاب سے ملایا جائے گا اور مقصد یہ ہے کہ مجلس میں مشتری کو قبول یا نہ قبول کرنے کا حق ہے اور بائع کو بھی مشتری کے قبول کرنے سے پہلے ایجاب سے رجوع کرنے کا حق ہے اور اس اختیار سے وہی اختیار مراد ہے جو امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے اور امام محمدؒ نے اس کی شرح موطا میں مالم یتفرقا عن منطق البیع سے کی ہے۔

(وراجع فیض الباری ص۲۱۰، ۲۱۱/ج۳)

یعنی حضرت امام محمدؒ تفرق سے تفرق بالاقوال لیتے ہیں اور حضرت امام ابو یوسفؒ تفرق بالابدان لیتے ہیں لیکن ان کی تفسیر تفرق بالابدان کی حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کی تفسیر سے الگ ہے۔ یہ دونوں بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول کے بعد بھی جب تک بائع ومشتری مجلس میں موجود ہوں تو انہیں بیع کے رد اور فسخ کرنے کا حق ہے ہاں مجلس سے متفرق ہو جائیں اور بچھڑ جائیں تو رد کا حق ختم ہو جاتا ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب تک خرید وفروخت کرنے والے مجلس میں موجود ہوں تو انہیں ایجاب وقبول کا اور ایجاب وقبول سے قبل قیمت کی کمی بیشی کا حق ہے کیونکہ مجلس جامع المتفرقات ہے لیکن ایجاب اگر مجلس میں ہوا اور قبول نہ ہوا اور تفرق بالابدان ہو گیا تو بعد کا قبول اس ایجاب سے

لاحق نہ ہوگا بلکہ نئے سرے سے ایجاب وقبول کی ضرورت ہوگی اور تفرق بالاقوال کا معنی بھی نصوص سے ثابت ہے جیسے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا الآیۃ اور وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ الآیۃ میں تفرق بالاقوال ہی مراد ہے کما لایخفیٰ۔ غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہاں بھی حدیث کو رد کر کے رائے کو ترجیح نہیں دی اور نہ احناف نے ان کی رائے کی تقلید کی ہے بلکہ حدیث کو تسلیم کر کے اس میں لفظ تفرق کی فقہی تفسیر اور تشریح کی ہے اور یہ مجتہد کا کام ہے۔ اور احنافؒ پر رائے سے حدیث کے رد کرنے کا الزام غلط ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ سے رائے اور قیاس کی تردید

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ مقلدین رائے اور قیاس کے قائل ہیں اور یہی چیز ان کی تقلید کا موجب ہے حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ رائے اور قیاس کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اہل الرائے اعداء السنن یعنی رائے وقیاس پر چلنے والے احادیث کے دشمن ہیں (جامع بیان العلم ص ۱۳۴ ج ۲)

(۲) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایاکم والاستنان بالرجال (جامع بیان العلم ص ۱۱۴ ج ۲)
یعنی لوگوں کی آراء اور قیاسات سے بچو اور دور بھاگو۔

(۳) حضرت عبد اللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی مسائل میں قیاس دوڑائیں گے اور وہ لوگ اسلام کو ڈھانے والے اور اس میں رخنہ پیدا کرنے والے ہوں گے (جامع بیان العلم ص ۱۳۵ ج ۲)

(۴) حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے کسی بڑے سے بڑے آدمی حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو مانتے ہیں تو ان کو ڈرنا چاہیے کہ آسمان سے ان پر پتھر نہ برسیں اور وہ کہیں عذاب میں ہلاک نہ ہو جائیں (مسند دارمی ص ۱۶)

اور اسی قسم کے دیگر اقوال مسند دارمی۔ جامع بیان العلم وفضلہ اور الاعتصام للشاطبیؒ وغیرہ کتابوں میں شرح وبسط سے مذکور ہیں۔

الجواب: ان اقوال سے ایسی آراء وقیاسات کا بطلان ثابت ہے جو نص کے مقابلہ میں ہوں جن سے نصوص کا رد اور بدعات کی ترویج واشاعت لازم آتی ہو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کے اپنے الفاظ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

ان عمرؓ بن الخطاب قال اصبح اهل الرأی

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اصحاب الرائے احادیث کے

اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یعوھا وتفلتت منھم ان یروو ھا فاشتقوا الرای الی قولہ ان عمرؓ بن الخطاب قال اتقوا الرای فی دینکم قال سحنون یعنی البدع (جامع بیان العلم صـ ۱۳۴ / ۲ج)

دشمن ہیں احادیث کے یاد کرنے نے ان کو تھکا دیا اور احادیث کا روایت کرنا ان سے چھوٹ گیا تو انہوں نے رائے گھڑلی (پھر آگے ہے کہ) بے شک حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دین کے سلسلہ میں رائے سے بچو امام سحنونؒ فرماتے ہیں یعنی بدعت کی آراء سے بچو

اور نیز

ان عمرؓ بن الخطاب کان یقول ان اصحاب الرای اعداء السنن اعیتھم ان یحفظوھا وتفلتت منھم ان یعوھا واستحیوا حین سئلوا ان یقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برأیھم فایاکم وایاھم (ایضاً صـ ۱۳۵ / ۲ج)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب الرای احادیث کے دشمن ہیں احادیث کے یاد کرنے نے انہیں تھکا دیا اور ان کی حفاظت ان سے چھوٹ گئی اور جب ان سے مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے یہ کہنے سے شرم محسوس کی کہ ہم نہیں جانتے تو انہوں نے احادیث کا اپنی رائے سے مقابلہ کیا سو تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ ایسی آراء کی تردید کر رہے ہیں جو احادیث کے مقابلہ میں ہوں اور احادیث سے بے پرواہی کر کے اختیار کی گئی ہوں اور جن سے بدعت کی ترویج ہوتی ہو اور ایسی آراء اور قیاسات کے باطل ہونے میں کیا شک ہے؟ ورنہ حضرت عمرؓ وہی بزرگ ہیں جنہوں مصلحتِ وقت کے پیش نظر قرآن کریم کی تالیف پر حضرت ابوبکرؓ کو اپنی رائے پر مجبور کیا تھا۔ اور رفتار زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر خلافت کے سلسلہ میں قوم کی قسمت کا فیصلہ اپنی رائے سے یوں کیا کہ خلافت کا بوجھ چھ بزرگوں پر ڈال دیا کہ وہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ نامزد کریں وہی خلیفہ ہوگا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا عمل اس سے جدا گانہ تھا الحاصل حضرت عمرؓ نص کی غیر موجودگی میں رائے پر عمل بھی کرتے تھے اور ایسے موقع پر رائے پر عمل کرنے کا حکم بھی دیتے تھے چنانچہ دارمی میں سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے کہ جب تیرے پاس کوئی مسئلہ پیش ہو تو سب سے پہلے اُسے قرآن کریم سے حل کرو اور قرآن کریم کے

ہوتے ہوئے لوگوں کی آراء کی کوئی پرواہ نہ کرنا اور اس کا حل قرآن کریم میں نہ ملے تو پھر حدیث شریف سے حل کرنا اور اگر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو جس چیز پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو اس کو لینا اور اگر اس میں نہ ملے تو پھر دو باتوں میں سے جو بھی تمہیں پسند آئے کرنا ایک یہ کہ تم خاموش رہنا اور خاموشی میں بھی کوئی حرج نہیں یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور دوسری یہ کہ

ان شئت ان تجتهد برایك فتقدم فتقدم — اگر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرنا چاہو تو اس میں تم جلدی بھی سابقت کر سکتے ہو کرو (مسند دارمی طبع ہند ص۳۴ واللفظ لہ والنسائی ص۲۶۰ ج۲)

غور فرمائیں کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے اس روایت میں ادلہ اربعہ کا تذکرہ بھی فرما دیا جن کو علماء اصول کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے تعبیر کرتے ہیں ایسی واضح تصریحات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ کلیتہً رائے اور قیاس کے منکر تھے قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کا یہ حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے کو رُشد سے تعبیر کرتے ہیں یعنی حضرت عمرؓ کی رائے درست اور صحیح ہے۔

اور یہ حوالہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عمل اور رائے کو سُنت فرمایا ہے اور حضرت علیؓ یہ حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ

قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن العزم؟ فقال مشاورۃ اھل الرای ثم اتباعھم — آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ عزم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اصحاب الرای سے مشورہ کرنا پھر ان کی (بات کی) پیروی کرنا۔

(تفسیر ابن کثیر ص۴۲۰ ج۱)

اگر شرعی طور پر غیر منصوص مسائل میں رائے کا کوئی دخل اور اعتبار نہ ہو تو اہل الرای سے مشورہ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کو قاضی اور جج منتخب کیا جائے تو اس کو پہلے قرآن کریم پر پھر حدیث شریف پر پھر نیک لوگوں کے فیصلہ (یعنی اجماع) پر اپنے فیصلہ اور حکم کی بنیاد رکھنی چاہیئے اور اگر اس کو قرآن و حدیث اور نیک لوگوں کے فیصلہ سے کچھ نہ مل سکے تو فلیجتھد رایہ۔ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر وہ صاحب اجتہاد نہیں تو شرم نہ کرے اپنے عجز کا اقرار کرے (مستدرک ص۹۴ ج۴ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح الاسناد و مسند دارمی ص۳۴ والنسائی ص۲۶۰ ج۲)

اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے اگر کامیاب نہ ہوتے تو حدیث شریف میں جستجو کرتے اور اگر حدیث میں بھی جواب نہ ملتا تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال دیکھتے اگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوتی تو قال فیہ برأیہ (مستدرک ص ۱۲۷/۱ قال الحاکم و الذہبیؒ صحیح علی شرطہما و مسند دارمی ص ۳۳) پھر اپنی رائے سے جواب دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے سے قبل حضرات شیخینؓ کے اقوال تلاش کرتے اور جب حضرت علیؓ خلیفہ بن گئے تو ان کے فتوے اور اقوال بہ نسبت پہلے بزرگوں کے زیادہ جامع اور قدرے مدون تھے تو اس موقع پر حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے اقوال سے سرمو بھی تجاوز نہ کرتے تھے۔ کمامرّ

قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیا کہ وہی حضرات اکابر صحابہ کرامؓ جن سے فریق ثانی رائے اور قیاس کے بطلان پر استدلال کرتا ہے۔ وہی اکابر رائے صحیح کے قائل اور اس پر عامل تھے۔ اور اسی کے مقلدین بھی قائل ہیں ؎

مانا حریم ناز کا پایہ بلند ہے ۔۔۔ لے جائے گا اچھال کر دردِ جگر مجھے

حضرات! آپ نے تقلید کے اثبات کے دلائل تو ملاحظہ کر لیے۔ اب فریق ثانی کا ایک اور داؤ بھی ملاحظہ کر لیجیے وہ چند اکابر کا نام پیش کر کے کہا کرتا ہے کہ دیکھو یہ حضرات غیر مقلد تھے۔ جیسا کہ ہم نے بعض کے نام باحوالہ پہلے عرض کر دیے ہیں۔ اسی طرح دور کے تمام لوگ بھی غیر مقلد ہی ہوں گے بلکہ ان میں سے بعض تو یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ واقعی تمام لوگ غیر مقلد تھے اور عوام تو کیا بعض خواص بھی یہ دعویٰ کر گزرتے ہیں کہ چوتھی صدی سے قبل تقلید تو بالکل وجود ہی نہ تھا لیکن ہم وضاحت کے ساتھ باحوالہ اس مسمریزم کی قلعی کھول آئے ہیں۔ اور ثابت کر آئے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعین عظامؒ میں بھی تقلید شخصی رائج تھی اور چوتھی صدی سے قبل تقلید کا وجود و ثبوت بھی فریق ثانی کو آڑے وقت کام آنے والے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بھی صاف طور پر بیان کر چکے ہیں۔ کمامرّ اور دیگر عبارتیں بھی پہلے مفصل بیان ہو چکی ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فریق ثانی یا تو بعض علماء مقلدین کو جہالت یا خیانت سے غیر مقلد سمجھ کر پیش کر دیا کرتا ہے اور یا واقعی بعض غیر مقلدین کا ذکر کر کے دھوکہ دیا کرتا ہے لیکن معدودے چند علماء کے غیر مقلد

ہونے سے ساری دنیا کیسے غیر مقلد ہو گئی ؟ یا ہو سکتی ہے ؟ یہ واضح علمی آشیاں بھی کسی کو نظر نہ آئے تو اس میں مقلدین کا کیا قصور ہے ؟ ؎

نہ پوچھو مجھ پہ کیا گذری ہے میری مشق حسرت سے — قفس کے سامنے رکھا رہا ہے آشیاں برسوں

خود فریبی مؤلف نتائج التقلید لکھتے ہیں کہ سوائے چند گنتی کے حضرات کے جو کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بعض اساتذہ و شاگرد ہیں۔ جنہیں اس عہد کے علماء اسلام اہل الرائے کے نام سے یاد کرتے تھے۔ باقی پوری اسلامی دنیا اہل حدیث چلی آتی ہے (بلفظہ ص۷)

یعنی بقول ان کے ساری دنیا غیر مقلد تھی۔ اور ہے۔ نہ تو کوئی حنفی و مالکی ہوا نہ شافعی و حنبلی وغیرہ۔ لیکن ہم باحوالہ بعض مقلدین کے نام بطور نمونہ عرض کر چکے ہیں۔ اور اب یہ عرض کرتے ہیں کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک غیر مقلدین کا وجود اتنا بھی نہیں رہا جتنا آٹے میں نمک۔

اور اگر بالفرض وہ کتب تاریخ و رجال چھان چھان کر بھی پچاس یا نہایت سو مشہور اور جید علماء کا باحوالہ غیر مقلد ہونا ثابت بھی کر دیں۔ تب بھی یہ نسبت جمہور کے مقابلہ میں کوئی درجہ نہیں رکھتی۔

اصل مغالطہ ان کو لفظ اہل حدیث سے ہے۔ کہ وہ جس کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ فلاں المحدیث تھا تو اس سے جھٹ اسے وہ غیر مقلد سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم نے "طائفہ منصورہ" میں اس کی باحوالہ بحث کر دی ہے کہ علماء اسلام کی اصطلاح میں اہل حدیث محدثین کے معنیٰ میں ہے عام اس سے کہ وہ حنفی و مالکی ہوں یا شافعی و حنبلی وغیرہ۔ فریق ثانی یہ اعتراض بھی کیا کرتا ہے کہ بعض حنفی بادشاہوں اور قاضیوں نے مذہب حنفی کو رائج کیا ہے۔ مگر یہ بھی ان کی کوتہ فہمی ہے۔ کیا تمام روئے زمین پہ احناف کے بادشاہ اور قضاۃ ہی مقرر تھے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو احناف کی اکثریت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اور حدیث صحیح کے تحت اتبعوا سواد الاعظم (مشکوٰۃ ص۳۰ ج۱) بڑی اسلامی جماعت کا ساتھ دو۔ انکی اقتداء ہی کرنا ہوگی۔

اور اگر جواب نفی میں ہے تو فرمایئے کہ اب جہاں احناف کی تو کیا بلکہ مسلمانوں کے کسی فرقہ کی بھی بادشاہی اور اقتدار نہیں (مثلاً روس اور چین وغیرہ) وہاں کیوں حنفی مقلدین بکثرت اور زیادہ ہیں ؟

حضرات ! بات یہ نہ تھی اور نہ ہے۔ بلکہ مشہور مثال کے مطابق

عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

بفضلہ تعالیٰ ہم نے فقہ حنفی کی قبولیت کی وجہ اس پیشِ نظر کتاب میں بھی اور "مقام ابی حنیفہ" میں بھی عرض کر دی ہے کہ چونکہ مقلدین کے دلائل اٹل ـ ٹھوس ـ صحیح اور وزنی ہیں ـ اس لیے دنیا میں ان کی کثرت ہے ۔

اور فقہ حنفی ہی سے اکثر پیش آمدہ مسائل میں ان کی رہنمائی ہوتی ہے اس لیے وہ اس کے گرویدہ اور شیدائی ہیں اور اکثریت اسی پر مجتمع ہے اور جو قوت اجتماعیت میں ہے وہ انفرادیت میں نہیں ہے ۔

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

باب سیزدھم

فریق ثانی کے قرآنی دلائل اور انکے جوابات

قارئین کرام! تصویر کا ایک رُخ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھتے جایئے ہم آسانی کے لیے فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اصولی باتوں کو چند ابواب میں پیش کرنا زیادہ مناسب اور بہتر سمجھتے ہیں۔

فریق ثانی نے جہاں بزعم خویش تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی کے رد میں اور بہت سے دلائل پیش کیے اور استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہاں اُس نے قرآن کریم سے بھی احتجاج کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل تقلید کی تردید میں چار دلیلیں پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل قول اللہ تعالیٰ کا مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا جو دے تم کو رسول سو لے لو۔ اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ اور قول اللہ تعالیٰ اتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ چلو اسی پر جو اترا تم کو تمہارے رب سے۔ وجہ استدلال کی پیچھے بیان ہوگی۔ پہلے چند مقدمات کی تمہید چاہیئے الخ۔ بلفظہٖ (معیار الحق صٓ ۱۵۰)

اس کے بعد انہوں نے چھ مقدمات بیان کیے ہیں۔ اور چھٹے مقدمہ کے اثبات کے لیے علامہ شامیؒ علامہ طحطاویؒ۔ اور حضرت ملا علی ن القاریؒ کی عبارتیں پیش کی ہیں اور پھر ان مقدمات کے سہارے تقلید شخصی کی تردید کی تقریر کرتے ہوئے استدلال کیا ہے۔

الجواب:۔ اس طرز استدلال اور ان آیات سے اہل اسلام میں معہود تقلید شخصی کی تردید ضیاع وقت

کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

اولاً، اس لیے کہ اگر ان آیات سے تقلید کی تردید واضح ہوتی تو استدلال کو چھ مقدمات کی سیڑھی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟ وثانیاً۔ اس لیے کہ لاعلمی کے وقت علماء اور اہل الذکر سے سوال خود قرآن وحدیث سے ثابت ہے بلکہ بنقل شیخ الکل واجب ہے تو پھر بھلا یہ مَا آتٰکُمُ الرَّسُولُ الآیۃ اور اتَّبِعُوا مَا اُنزِلَ الآیۃ کے کیوں خلاف ہوگا۔ وثالثاً، اس لیے کہ خود شیخ الکل صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

اور جو مقلد تخصیص مذہب معین کی بطور قسم ثانی کے اختیار کرے وہ حقیقۃً تارک بعض ما اٰتی بہ الرسول کا نہیں ہے بلکہ عامل بمقتضائے عموم نص کے ہے اس لیے کہ تخصیص اس کی یا بنظر عدم استطاعت کے ہوگی کہ نص سے عموماً اتباع ما اٰتی بہ الرسول کا ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر حنفی مذہب کے مسئلہ کے ضمن میں اخذ ما اٰتی بہ الرسول کر لیا تو بھی کافی ہے تو اسی نظر سے ترک بعض کا نہ ہوا الخ (معیار الحق ص ۱۵۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ

جیسا کہ مقلد بتقلید قسم ثالث باوجود علم ایک مسئلہ کے بموجب مذہب دوسرے امام کے اس نظر سے کہ ہم کو سوائے اتباع اپنے امام کے کسی کی پیروی درست نہیں۔ اس مسئلہ کو عمل میں نہیں لاتا تو بے شک ترک کیا اس نے بعض ما اٰتی بہ الرسول کو۔ بخلاف مقلد مخصص بتقلید قسم ثانی کے کہ تخصیص اس کی بنظر کفایت یا عدم استطاعت و عملاً لعموم النص ہے تو ثابت ہوا کہ ایسے مقلدین تارک بعض ما اٰتی بہ الرسول کے نہیں اور ان پر تقلید ہر مذہب سے ہر مسئلہ کی واجب نہیں فافہم انتہیٰ بلفظہ (معیار الحق ص ۱۵۶)

خط کشیدہ الفاظ کو بغور ملاحظہ کیجیے کہ غیر مقلدین کے شیخ الکل نے کیا فرمایا ہے؟ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس پر ہمارا اصرار ہے اور لاعلمی کے وقت مقلدین کا ایک ہی امام کی تقلید میں یہی عمل اور یہی وتیرہ ہے اور شیخ الکل نے بجا فرمایا کہ ایسے مقلدین پر تقلید ہر مذہب سے ہر مسئلہ کی واجب نہیں کیونکہ جب ایک ہی امام کی تقلید کفایت کرتی ہے اور تقلید کا کھاتہ بھی پورا ہو جاتا ہے اور عموم نص پر عمل بھی ہو جاتا ہے تو پھر سب کی تقلید کیوں واجب ہو؟

دوسری آیت: فریق ثانی نے تقلید شخصی کے شرک و کفر ہونے پر اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

یعنی تیرے رب کی قسم وہ شخص مومن نہیں اے نبی! جو تیرے حکم کو دل کی خوشی سے گردن جھکا کر قبول نہ کر لیا کرے۔

(پ ۵۔ النساء)

(ہم نے یہ ترجمہ غیر مقلد عالم مولانا ابو احمد محمد یونس دہلوی سے بلفظہ نقل کیا ہے۔ اب انہی کی زبان اور الفاظ میں اس کی مزید تفسیر تشریح اور استدلال بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ لکھتے ہیں کہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے دوسرے کسی بڑے سے بڑے متقی، پرہیزگار، امام یا عالم کی بات کی طرف جھکنا حدیث نبوی پر کسی قول کو مقدم کرنا ایمان سے خارج ہونا ہے۔ یہ آیت دراصل اس منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس کا ایک یہودی سے کچھ جھگڑا تھا۔ یہ دونوں اپنا جھگڑا حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ دربار نبوی سے فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ مگر منافق نے اس فیصلہ پر اکتفاء نہ کی۔ اور حضرت عمرؓ سے فیصلہ چاہا۔ حضرت عمرؓ نے یہ معلوم کر کے کہ یہ شخص دربار محمدی سے فیصلہ لینے اور حدیث نبوی سن لینے کے بعد میرے پاس آیا ہے۔ اس کو قتل کر ڈالا۔ اور فرمایا

هٰكذا اقضى بمن لم يرض بقضاء الله ورسوله۔

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہو میں تو اسی طرح کا فیصلہ اس کے بارے میں کرتا ہوں۔

(تفسیر درمنثور صہ $\frac{179}{2}$ وغیرہ)

یعنی جو شخص رسول خدا کے فیصلہ سے راضی نہ ہو آپ کی حدیث کے ہوتے ہوئے امتیوں کے اقوال تلاش کرے اس کا فیصلہ بس قتل کر دینا ہے۔ اس وقت اللہ عزوجل نے حضرت عمرؓ کی تائید کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ بیشک ایسا شخص مسلمان ہی نہیں۔

مسلمانو! غور کرو۔ فرمان نبوی فیصلۂ محمدی۔ حدیث مصطفوی کے ہوتے ہوئے جو شخص حضرت عمر فاروق رضی جیسے جلیل القدر بزرگ خلیفۂ رسول کے قول کو تلاش کرے وہ بے ایمان

اور واجب القتل ہو۔ پھر جو شخص حدیث نبوی کی موجودگی میں امام ابو حنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ امام احمدؒ کے اقوال کو نہ صرف تلاش کرے بلکہ ان کی تقلید فرض۔ واجب سمجھے کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ انتہیٰ (طریق محمدی ص ۲۱ طبع مکتبہ محمدیہ کراچی)

الجواب: اس آیت کریمہ سے اس مزعوم خیال پر اس سے بہتر الفاظ میں استدلال نہیں ہو سکتا۔ مگر قارئین مندرجہ ذیل امور پر عمیق نظر اور ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

(۱) اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم۔ حدیث صحیح۔ اٹل اور غیر معلل بعلت فیصلہ پر راضی نہ ہونے والا بلکہ غیر کی طرف جھکنے والا خواہ وہ آپ کا خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ کافر۔ مرتد۔ منافق اور واجب القتل ہے۔ اب یہ چیز فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ مقلدین ائمہ کرام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محکم اٹل اور صحیح فیصلہ پر راضی نہیں ہوا کرتے؟ بلکہ وہ ایسے صحیح اٹل اور محکم فیصلہ کے ہوتے ہوئے کسی امام کی تقلید کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔

(۲) اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے والا شخص کافر اور واجب القتل ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ میں تلوار ہی سے کیا کرتا ہوں اس پر صراحت سے دلالت کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ جس مسئلہ میں قرآن کریم اور حدیث شریف سے روشنی نہ پڑتی ہو تو اس غیر منصوص مسئلہ میں کسی امام کی تقلید شخصی کفر اور شرک ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ دربار نبوت کے رازدان یہ فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کی تقلید کرنا کفر ہے۔ اس لیے میں تمہارا فیصلہ تلوار ہی سے کروں گا۔ مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے والے کا میں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ الغرض جو چیز اس آیت سے ثابت ہے مقلدین اس کا انکار نہیں کرتے۔ اور جس چیز کے مقلدین قائل ہیں اس آیت سے اس کی تردید ثابت نہیں ہوتی۔

(۳) مولوی صاحب موصوف نے یہ کہا تھا کہ "پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے ہوتے ہوئے دوسرے کسی بڑے سے بڑے متقی پرہیزگار امام یا عالم کی بات کی طرف جھکنا حدیث نبوی پر کسی کے قول کو مقدم کرنا ایمان سے خارج ہونا چاہیئے۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے کہ حدیث صحیح کے ہوتے

ہوئے غیر کے قول کو مقدم سمجھنا ایمان سے خارج ہونا ہے۔

مگر قارئین کرام! مولوی صاحب کے اس فتویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل واقعات پر نظر دوڑائیے۔ اور پھر مولوی صاحب کے فتویٰ کی داد دیجئے۔

(۱) ہم باحوالہ (بخاری ومسلم ص ۱۲۰ ج ۲ کے حوالے سے) پہلے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلافت کے لیے نامزد کروں تو پھر بھی میرے لیے گنجائش ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے ایسا کیا تھا۔ اور اگر میں کسی کو نامزد نہ کروں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے عمل کو آپ نے پسند کیا اور چھ آدمیوں کو خلافت کے لیے آپ نے نامزد کر دیا۔ کہ یہ اپنے میں سے ایک کو منتخب کریں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل حدیث نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو حضرت عمرؓ نے جب غیر رسول متقی یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلے میں کھڑا کیا۔ اور پھر اس کو ترجیح بھی دی۔ تو ارشاد فرمائیے کہ کیا حضرت عمرؓ مسلمان رہے یا نہیں؟

(۲) بلکہ ایسے واقعات بھی موجود ہیں جن میں بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی مخالفت بھی کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض الموت کے دوران ارشاد فرمایا کہ (قلم دوات لاؤ) میں تمہیں کچھ لکھوا دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ تو حضرت عمرؓ فاروق نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے (بخاری ص ۲۲ ج ۱ ومسلم ص ۴۳ ج ۲ ومشکوٰۃ ص ۵۴۸)

دیکھیے آپ نے حکم دیا ہے مگر حضرت عمرؓ بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کو ٹالتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ آپ کے لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ فرمائیے! کہ بقول آپ حضرات کے حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر اپنی رائے کو ترجیح دینے کی وجہ سے مسلمان ہے یا نہ؟

(۳) حدیبیہ کے مقام پر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کے سفیر کے ساتھ معاہدہ کی شرطیں طے کر لیں تو یہ الفاظ لکھوائے۔

ھٰذا ما قاضٰی علیہ محمد رسول اللہ۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے (مشرکین کے ساتھ) صلح کرلی ہے۔

تو مشرکین کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے کہا کہ ہمارا تو آپ سے جھگڑا ہی اس بات پر ہے کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مانتے۔ آپ رسول اللہ کے الفاظ (اور جملہ کو) مٹوا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جو شرطیں لکھ رہے تھے فرمایا کہ اچھا تم یہ مٹا دو۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

لا واللہ لا امحاھا خدا کی قسم میں اسے نہیں مٹاؤں گا۔

(بخاری ص ۳۷۲ ج ۱ و مسلم ص ۱۰۵ ج ۲ واللفظ لہ و مشکوٰۃ ص ۳۵۵ ج ۲)

دیکھئے آپ فرماتے ہیں مٹا دو۔ مگر حضرت علیؓ حلف اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں نہیں مٹاؤں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صریح فرمان کا بھری مجلس میں فریق مقابل کے نمائندہ اور سفیر کے روبرو انکار کرتے ہیں۔ ان پر فتویٰ لگانے کی ہمت ہمارے اندر تو نہیں۔ البتہ فریق ثانی ہی اس کی جسارت کرسکتا ہے اور کہے گا ہمارے ہاں حضرت علیؓ کا نہ مٹانا محبت پر مبنی تھا (ملاحظہ کیجئے مقام ابی حنیفہؒ)

(۴) ہم باحوالہ پہلے عرض کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرابی کی سزا چالیس کوڑے ثابت ہے۔ مگر حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس صریح عمل کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شرابی سے متعلق اسی ۸۰ کوڑے سزا اور حد کو بھی سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فریق ثانی ہی اس کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل حضرت علیؓ کے نزدیک سنت کیسے بن گیا؟ اور یہ کفر سے کیسے اور کیونکر بچ نکلے؟ کہ حضور کے عمل کے مقابلہ میں امتیوں کے فعل کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں؟ فریق ثانی کے نزدیک تو یہ گردن زدنی کے قابل ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۵) مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جب ماریہ قبطیہؓ کو بطور تحفہ ارسال کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک چچا زاد بھائی (جس کا نام مابورؓ تھا) بھی خدمت اقدس میں بھیجا۔ چونکہ سابقہ تعارف کے علاوہ یہ حضرت ماریہؓ کے چچیرے بھائی بھی تھے۔ اور لونڈیوں کا پردہ بھی شرعاً نہیں ہوتا۔ اس لیے ان دونوں کے آپس میں زیادہ میل ملاپ پر منافقوں نے ان کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ متہم کردیا۔ یہ بات مدینہ میں اتنی مشہور ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی سن کر اس پر یقین آگیا۔ اور غیرت میں آکر آپ نے حضرت علیؓ کو تلوار دی اور فرمایا کہ جاکر مابورؓ کو جہاں بھی ملے قتل کردینا۔ حضرت علیؓ

نے اس کو تلاش کیا۔ قتل کرنے پر ہی تھے کہ تقدیراً اس کا کپڑا جب ہٹا تو دیکھا کہ۔

لم یخلق اللّٰہ عزوجل لہ ما للرجال۔ (مستدرک صفحہ ۳۹ ج ۴ وتیسیر ص ۱۳۶) اللہ تعالیٰ نے اس کا وہ عضو جو مردوں کے لیے ہوتا ہے پیدا ہی نہیں کیا۔

حضرت علیؓ نے اس کو قتل نہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

الشاھد یریٰ مالا یریٰ الغائب یعنی

(مسند احمد ص ۸۳ ج ۱) وقال ابن کثیرؒ اسنادہ رجال ثقات (البدایۃ ص ۳۰۴ ج ۵) کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

دیکھئے اس شخص کے قتل کا حکم دربار نبوی سے صادر ہو چکا ہے۔ مگر حضرت علیؓ اس کو قتل نہیں کرتے۔ کیوں؟ کیونکہ وہ نامرد ثابت ہوا اور اس کے قتل کی علت نہ پائی جا سکی اس لیے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ مگر حضرت علیؓ آپؐ کے اس ارشاد کے مقابلہ میں اپنی دید اور رائے کو ترجیح دیتے ہوئے قتل سے باز آتے ہیں۔

(۶) حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خادمہ سے زنا کا ایک فعل صادر ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ ان اجلدھا۔ میں اس کو کوڑے لگا دوں۔ مگر میں نے جا کر دیکھا کہ وہ زمانۂ نفاس میں ہے۔ میں نے اس خوف سے کہ کہیں کوڑے مارنے سے وہ مر ہی نہ جائے، اس کو تازیانے نہ لگائے۔ اور میں نے آپؐ سے یہ قصہ کہہ سنایا۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

احسنت (مسلم ص ۷۱ ج ۲) تم نے اچھا کیا (کہ اس کو اس حالت میں سزا نہ دی) یہاں بھی آپؐ کے ظاہری حکم کو فوراً اس لیے نہیں پورا کیا گیا کہ مصلحتِ وقت اور حالت مجربہ اس کی متقاضی نہ تھی۔ اس سے مصلحت وقت کا بھی ثبوت ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ آپؐ کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے باعث ملامت نہ ٹھہرے۔ بلکہ آپؐ نے ان کی داد دی۔ اور ان کے اس فعل کی تحسین فرمائی۔

حضرات! ہم نے باب ہفتم میں مصلحتِ وقت کا لحاظ کرنے کی متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور مسلم وغیرہ کی وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹ کر امیر کو اپنے حکم پر پناہ دینے کا حکم ہے۔ اس بحث کو اور جو کچھ ابھی ابھی عرض کیا گیا ہے۔ ان کو آپس میں ملا کر نتیجہ نکال لیے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حکم اور رائے کا انکار کفر ہے جو اٹل، محکم اور صحیح غیر معلول بعلت ہو؟ یا ہر اس حدیث اور رائے کا جو نہ سنداً صحیح ہو اور نہ اٹل اور محکم ہو؟ اور خواہ اس حدیث میں فعل اور نفی کی علت ہو یا نہ ہو؟

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

امام احمد بن حنبلؒ فتاوی حضرات صحابہ کرامؓ کو حدیث مرسل پر مقدم سمجھتے تھے۔ (الجنۃ ص۸)

نسبت تو دیکھئے کہ حدیث اور اقوال صحابہؓ؟ لیکن چونکہ حدیث مرسل ان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہ تھی اس لیے اس حدیث پر وہ اقوال صحابہؓ کو ترجیح دیتے تھے۔ مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو۔ اور اہلِ اسلام کے نزدیک الصحابۃ کلہم عدول ہیں۔ اس لیے دوسری صدی تک مرسل حدیث کو حجت سمجھا جاتا تھا۔ (تدریب الراوی ص۱۲۰)

اگر ہر حکم اور رائے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کفر ہے تو ان اکابر حضرات صحابہؓ کرام پر فتویٰ لگائیے۔ اور ہم باب سوم و چہارم میں باحوالہ جمہور حضرات محدثین کرامؒ کا مقلد ہونا ثابت کر آئے ہیں۔ کیا وہ سب گردن زدنی کے لائق تھے؟ اور کیا سارے کے سارے مشرک تھے؟ ؎

سہے لاکھوں ستم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک
زباں رکھتے ہوئے بھی ہم رہے ہیں بے زباں اب تک

تیسری آیت:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ۝ (پ۲۔ البقرۃ۔ ۲۱)

اور جب کوئی ان سے کہے تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔

یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے چنانچہ بعض جہال مسلمان بھی ترکِ نکاح بیوگان وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہہ گذرتے ہیں اور بعض زبان سے گو نہ کہیں مگر عملدر آمد سے اُن کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے (بلفظہ یہ ترجمہ اور اس کی تشریح حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کی ہے) اس کے ساتھ اسی مضمون کی دو آیتیں اور بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ بات خوب واضح ہو جائے۔

(۱) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ

اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف جو کہ اللہ

اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (پ ۷ - المائدۃ - ۱۰۴)

نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہم کو کافی ہے وہ جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ راہ جانتے ہوں تو بھی ایسا ہی کریں گے۔

جاہلوں کی سب سے بڑی حجت یہ ہوتی ہے کہ جو کام باپ دادے سے ہوتا آیا ہے اس کے خلاف کیسے کریں ان کو بتلایا گیا کہ اگر تمہارے اسلاف بے عقلی یا بے راہی سے قعر ہلاکت میں جا گرے ہوں تو کیا پھر بھی تم انہی کی راہ چلو گے حضرت شاہ (عبد القادر) صاحبؒ لکھتے ہیں، باپ کا حال معلوم ہو کہ حق کا تابع اور صاحب علم تھا تو اس کی راہ پکڑے نہیں تو عبث ہے، یعنی کیف ما اتفق ہر کسی کی کورانہ تقلید جائز نہیں (بلفظہ ترجمہ از شیخ الہندؒ اور تشریح از مولانا عثمانیؒ)

(۲) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

(پ ۲۱ - لقمٰن - ۳۰)

اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی۔

یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہو تب بھی تم اس کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے وہیں گرو گے؟ (ترجمہ از شیخ الہندؒ اور تشریح از مولانا عثمانیؒ)

الجواب: ان آیات کریمات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مقابل ہو ایسی تقلید کے حرام شرک، مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی تعلیم اور ان کے حکم کے خلاف کہتے اور کرتے ہیں؟ الغرض ان آیات سے جس تقلید کی تردید ثابت ہے اس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں اور جس تقلید کے اہل اسلام قائل ہیں اس کی تردید ان آیات سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اگر باپ دادے علم و عقل اور ہدایت پر ہوں تو انہی آیات سے ان کی اتباع اور پیروی کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ کسی بھی

عاقل سے یہ مخفی نہیں اور خود قرآن کریم سے اہلِ حق آباء و اجداد کی پیروی کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا الآیۃ (پ ۱۔ البقرۃ۔ ۱۶)

کہا ہم بندگی کریں گے تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اسمٰعیل اور اسحاق ہیں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) وہی ایک معبود ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر باپ دادے حق پر ہوں تو ان کے طریقہ پر چلنا اور ان کی اتباع و پیروی کرنا پیغمبرانہ وصیت میں داخل ہے تو اس کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں کیا کلام ہے

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیل میں قیدیوں کو تبلیغ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ الآیۃ (پ ۱۲۔ یوسف۔ ۵)

اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی ملت کی پیروی کی ہے

اگر دینِ حق میں باپ دادوں کی پیروی مذموم اور بری چیز ہوتی تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پیروی کا کبھی تذکرہ نہ فرماتے اور نہ اللہ تعالیٰ اس کو مقامِ مدح میں بیان فرماتے، قرآن کریم کی ان نصوص کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مقابلہ میں آباء و اجداد کی تقلید حرام اور مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے پیغمبروں کی اتباع میں اہلِ حق آباء و اجداد کی پیروی جائز اور محمود ہے اور اس صریح فرق کو نظر انداز کرنا کسی عاقل اور متدین کا کام نہیں ہو سکتا الغرض حرام اور مذموم تقلید کی حرمت سے جائز اور مطلوب تقلید کا عدم جواز ثابت کرنا یک طرفہ کارروائی اور نرالا تماشا ہے۔ ؎

صاف و شفاف تھی پانی کی طرح نیتِ دل کی — دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے

ہم بعض معتبر اور مشہور مفسرین کرام کے چند حوالے بھی عرض کیے دیتے ہیں تاکہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے۔ امام قرطبیؒ (محمدؒ بن احمدؒ ابو عبد اللہ الانصاری الاندلسی القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ) قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا الآیۃ کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

تعلق قوم بهذه الآیۃ فی ذم

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے تقلید کی مذمت

التقليد لذم الله تعالى الكفار باتباعهم لاٰباءهم فى الباطل واقتداءهم فى الكفر والمعصية وهذا فى الباطل صحيح واما التقليد فى الحق فاصل من اصول الدين وعصمة من عصم المسلمين يلجأ اليها الجاهل المقصر عن درك النظر۔

پر استدلال کیا ہے جنہوں نے باطل میں اپنے باپ دادوں کی اتباع کی اور کفر و معصیت میں انکی اقتدار کی ہے اور ایسی باطل تقلید کے بُطلان پر اس سے استدلال صحیح ہے رہی حق کے سلسلہ میں تقلید تو وہ تو اصولِ دین میں سے ایک اصل ہے۔ اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۹۴/۲ طبع مصر)

مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر اس آیت کریمہ سے اُس تقلید کی تردید مقصود ہے جو باطل اور کفر و معصیت میں اپنے آبار کی کی جاتی ہے تو استدلال بجا اور درست ہے اور اگر اس سے اُس تقلید کا ابطال مراد ہے جو اہلِ حق حق میں آبار و اسلاف کی تقلید کرتے ہیں تو وہ تو دین کے اصول میں سے ایک اصل ہے اور قرآن کریم اصول دین کی تردید تو نہیں کرتا۔ قاضی بیضاویؒ (ابو الخیر عبد اللہؒ بن عمر شیرازی المتوفیٰ ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ

اما اتباع الغير فى الدين بعد علم انه محق كالانبياء والمجتهدين فى الاحكام فهو فى الحقيقة ليس بتقليد بل اتباع لما انزل الله تعالى اھ

بہر حال احکام دین میں غیر کی اتباع یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے جیسا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات مجتہدینؒ تو یہ درحقیقت (مذموم) تقلید نہیں ہے بلکہ یہ اس حکم کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اتباع ہے۔

(تفسیر بیضاوی ص ۱۱۱)

اسی پیش نظر کتاب میں اپنے مقام میں قدرے تفصیل سے یہ بات مذکور ہے کہ لاعلمی کے وقت جاہل کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ تو اس میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع ہے نہ کہ مخالفت علامہ آلوسیؒ (شہاب الدین محمودؒ المتوفیٰ ۱۲۷۰ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ۔

اما اتباع الغیر فی الدین بعد العلم بدلیل انہ محق فاتباع فی الحقیقۃ لما انزل اللّٰہ تعالیٰ ولیس من التقلید المذموم فی شیٔ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (روح المعانی ص۱۴۱ ج۲)

بہرحال دین میں غیر کی اتباع دلیل کے ساتھ یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے تو درحقیقت یہ اُس حکم کی پیروی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کا مذموم تقلید سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اہل علم سے سوال کرو اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس عبارت سے بھی صراحتہً یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہل حق کی جائز تقلید کا مذموم تقلید سے قطعاً کوئی تعلق نہیں کیونکہ اہل حق اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تقلید، اتباع اور پیروی کرتے ہیں، جیسا کہ فاسئلوا الآیۃ سے ثابت ہے۔

اعتراض اس عبارت میں بعد العلم بدلیل انہ محق کا جملہ ہے اور جاہل اور عامی آدمی تو دلیل قائم کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو پھر وہ کس دلیل سے یہ سمجھے گا کہ فلاں مجتہد اور فلاں امام اہل حق میں سے ہے اور اس کی بات قابل اعتماد ہے؟ اور اگر وہ دلیل قائم کر سکتا ہے تو وہ جاہل اور عامی کیسے رہا؟۔

الجواب:۔ امام محمدؒ بن محمدؒ الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے یہ اعتراض نقل کر کے اس کا قدرے تفصیل سے جواب دیا ہے کہ جس طرح جاہل اور عامی آدمی علاج کے سلسلہ میں کسی قابل حکیم اور ڈاکٹر کا تواتر، اخبار اور غلبہ ظن کی مفید علامات سے انتخاب کرتا ہے اسی طرح وہ علماء اور مجتہدین میں سے کسی پر اعتماد کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ کسی کی علمی اور اجتہادی شہرت پر اعتبار اور غلبہ ظن سے کام لینے کا اہل ہے اس کے لیے کوئی اور علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے (محصلہ المستصفیٰ ص۱۲۶ ج۲ طبع مصر) اور تواتر کے ساتھ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ضروری اور بدیہی ہوتا ہے حتیٰ کہ بچوں کو بھی وہ حاصل ہوتا ہے جو دلیل قائم کرنے کی سرے سے اہلیت ہی نہیں رکھتے (ملاحظہ ہو شرح العقائد ص۱۳ و نبراس ص۴۷ وغیرہ)

نصوص کی موجودگی میں تقلید حرام ہے

یہ بات شک و شبہ سے بالکل بالاتر ہے کہ قرآن و حدیث کی تصریح اور حضرات خلفاء راشدینؓ (بلکہ جملہ حضرات صحابہ کرامؓ) کے صحیح اور صریح اقوال کی موجودگی میں کسی مجتہد اور امام کے کسی قیاس اور رائے کی قطعاً کوئی وقعت نہیں اور اس سلسلہ میں قدیماً و حدیثاً علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی واضح ترین الفاظ میں تصریحات موجود ہیں استیعاب

نہ تو ہمارا مقصد ہے اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے ہم صرف بات کو مدلل اور مبرھن کرنے کے لیے چند مشہور علماء کرام کی عبارات اختصاراً عرض کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جائز تقلید کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط پر ہے کہ وہ سنت کے مطابق ہے اور بقدر الامکان وہ سنت کی جستجو کرتا ہے اور کوئی حدیث ایسی سامنے آجائے جو مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو حدیث ہی کو لے اور اسی کی طرف حضرات ائمہ کرامؒ نے اشارہ کیا۔ (بلکہ تصریح فرمائی صفدر) ہے (ترجمہ عقد الجید ص۸۴ طبع لاہور) اور حرام اور مذموم تقلید کے بارے فرماتے ہیں۔

فان بلغہ حدیث واستیقن بصحتہ ولم یقبلہ لکون ذمتہ مشغولۃ بالتقلید فھذا اعتقاد فاسد وقول کاسد لیس فیہ شائبۃ من النقل والعقل وما کان احد من القرون السابقۃ یفعل ذلک (عقد الجید ص۸۵)

اگر مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اس کی صحت کا یقین بھی کر لیا اور پھر بھی اس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور ردی قول ہے اس میں نقل و عقل کا کوئی شائبہ نہیں اور قرون سابقہ میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔

عبارت بالکل واضح ہے مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

اور نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ

فان شئت ان تری انموذج الیھود فانظر الی علماء السوء من الذین یطلبون الدنیا وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الکتاب والسنۃ وتمسکوا بتعمق عالم وتشددہ واستحسانہ فاعرضوا عن کلام الشارع المعصوم

اگر تو چاہتا ہے کہ یہود کا نمونہ دیکھے تو تو ان علماء سوء کو دیکھ جو طالب دنیا ہیں اور سلف کی تقلید کے خوگر ہیں اور کتاب و سنّت کی نصوص سے اعراض کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش، اس کے تشدّد اور اس کے استحسان کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور شارع معصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی احادیث اور فاسد تاویلات سے استدلال کرتے ہیں جو ان کی ہلاکت

وتمسکوا باحادیث موضوعۃ وتاویلات فاسدۃ کانت سبب ہلاکہم (الفوز الکبیر ص۹) کا سبب ہے۔

اس عبارت میں بھی باطل اور حرام تقلید کی واضح علامت اور نشانی کتاب وسنّت کی نصوص سے اعراض بتایا ہے۔

(۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ایسی مذموم تقلید کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

در فی الحقیقت اگر مقلدانِ مذاہب تفحص کنند یابند کہ ایں بلائے تقلید ایشاں را بجدی کشید کہ ہر یکے از احاد فقہار را در مقابلِ حدیث مے آرند وترجیح می دہند و ایں از اں قبیل است کہ علمار را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدار۔ (فتاوٰی عزیزی ص۱۶۸ طبع مجتبائی دہلی)

اگر حقیقۃً مقلدانِ مذاہب غور وفکر کریں تو محسوس کریں گے کہ اس تقلید کی بلا نے انہیں یہاں تک اور اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ فقہار میں سے کسی ایک کو حدیث کے مقابل لے آتے ہیں اور اس کے قول کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ اسی قبیل سے ہے کہ علما کو پیغمبر کے درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے بلکہ خدا تعالےٰ کے درجہ تک۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

چونکہ مخلوق کو حکم دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (الا لہ الخلق والامر) اور اس حکم کو بلا کم وکاست معصوم انداز سے پہنچانا پیغمبر کا کام ہے تو اگر کسی دوسرے کو یہ مقام دیا جائے تو نبی اور خدا بنانے کے مترادف ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) بقول مولانا حالیؒ ؎

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں ‏ ‏ نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

(۳) حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ (المتوفی شہیداً ۱۲۴۶ھ) فرماتے ہیں کہ۔

ولیت شعری کیف یجوز التزام تقلید معین مع امکان الرجوع الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الصریحۃ الدالۃ خلاف قول الامام المقلَّد فان لم یترک قول امامہ

اور کاش کہ میں یہ جان لیتا کہ جب ممکن ہے کہ ان صریح روایات کی طرف رجوع کیا جاسکے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صراحۃً منقول ہیں اور جس امام کے قول کی تقلید کی گئی ہے وہ انکی روایات کے خلاف ہے تو پھر کیسے اس معین امام کی تقلید کا التزام جائز ہے، پس اگر اس نے اپنے امام کا قول

ففيه شائبة من الشرك لما
يدل عليه حديث الترمذي
عن عديؓ بن حاتم انه سأل
رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم عن قوله تعالى
اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ
مَرْيَمَ فقال يا رسول الله انا لم
نتخذ احبارنا ورهباننا اربابا
فقال انكم حللتم ما احلوا
وحرّمتم ما حرّموا وليس
المراد به ردّ النصوص وانكارها
في مقابلة قول ائمتهم بل المراد
هو تاويل الدلائل الشرعية
الى قول ائمتهم فعلم من هذا
ان اتباع شخص معين بحيث
يتمسك بقوله وان ثبت على
خلافه دلائل من الكتاب
والسنة ويأول الى قوله شوب
من النصرانية وحظ من الشرك اھ

(تنویر العینین ص ۲۷ طبع لاہور)

نہ ترک کیا تو اس میں شرک کی ملاوٹ ہے جس پر
ترمذی شریف کی وہ حدیث جو حضرت عدیؓ بن حاتم
سے مروی ہے دلالت کرتی ہے انہوں نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد
کے بارے پوچھا کہ انہوں (یعنی اہل کتاب) نے اپنے
مولویوں اور پیروں کو اور حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ
والسلام کو اللہ تعالیٰ کے ورے رب بنا لیا ہے تو
کہنے لگے کہ حضرت! ہم نے تو مولویوں اور پیروں کو
رب نہیں بنایا تو اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے
فرمایا کہ جو چیزیں انہوں نے تمہارے لیے حلال کیں وہ
تم نے حلال سمجھیں اور جو انہوں نے حرام کیں وہ تم نے حرام سمجھیں (یہی رب
بنانا ہے) اور اس سے ائمہ کے قول کے مقابلہ میں نصوص کا رد
اور انکار مراد نہیں بلکہ دلائل شرعیہ کو ائمہ کے قول کی طرف پھیرنا
مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ شخص معین کی اس طرح
پیروی کرنا کہ اسی کے قول کو تھامے رکھے اگرچہ اس
کے خلاف کتاب وسنت کے دلائل موجود ہوں
اور ان کو وہ امام کے قول کی طرف پھیرتا ہو تو اس
میں نصرانیت کا شائبہ اور شرک کا حصہ ہے۔

اس طویل اور صریح عبارت میں جس تقلید کو شرک اور شائبہ نصرانیت قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایسی تقلید ہے
جس میں کتاب وسنت کے احکام کو اپنے امام کے قول کے تابع بنا دیا گیا ہو اور ان کو تاویل کے ساتھ

کھینچ کر اپنے امام کے قول اور قیاس پر فٹ کر لیا گیا ہو ایسی کاروائی مسلمان کی شان سے بالکل بعید ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں۔ الغرض بعد ثبوت اس امر کے یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب وسنت کے ہے ترک کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اور کوئی بعد وضوح اس امر کے اس کا منکر نہیں الخ (سبیل الرشاد ص۳ طبع دہلی) اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) غیر مقلدین حضرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

آپ حضرات وہ آیات جو تقلید کفار کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں جمیع مقلدین کی شان میں تحریر فرماتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تقلید ائمہؒ بزعم جناب ہمرنگ تقلید کفار ہوئی تو پھر اس کے جواز کی کیا صورت ہوسکتی ہے ؟ اور آیات قرآنی مثل اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وغیرہا کا جو آپ حضرات اذکیاء نے مطلب سمجھا ہے وہ اگر ٹھیک ہو تو پھر مطلق تقلید ائمہؒ باطل ہونی چاہیئے کیونکہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں خواہ کوئی ایک کی تقلید کرے یا ہزار کی اس کے بطلان میں کس کو کلام ہے الخ (ایضاح الادلۃ ص۱۱۳ طبع مراد آباد)

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) یاجوج ماجوج کی تفسیر کرتے ہوئے اثناء کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ

اور حدیثوں کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ خود دین کے خلاف ہے (تفسیر بیان القرآن ص۱۲۴/۶ طبع دہلی)

اور نیز فرماتے ہیں قرآن وحدیث کے ظاہری معنیٰ کا انکار کرنا کفر ہے البتہ ظاہر کو تسلیم کرنا اور اس کے باطن کی طرف عبور کرنا محققین کا مسلک ہے الخ (تعلیم الدین ص۱۰۲ طبع برقی پریس دہلی)

اور نیز حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاء ومصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالےٰ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ الآیۃ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ (فتاوی امدادیہ ص۸۸/۴) یہ اس بزرگ کی تحریر ہے جو مقلدین اور غیر منصوص

مسائل میں تقلید اور اجتہاد پر انہوں نے کتاب لکھی ہے جس کا نام الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ہے۔ اور وہ نصوص کو اپنے ظاہر پر حمل کرنے کے بارے لکھتے ہیں۔ نصوص کا اپنے ظاہر پر محمول کیا جانا اجماعی

منقول مسئلہ ہے اور معقول بھی ورنہ تمام نصوص (اور) تمام قوانین سے امن مرتفع ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی صارف ہو تو بضرورت غیر ظاہر پر محمول کیا جاوے گا مگر صارف کا محض خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں ورنہ ہر فرقہ قرآن وحدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہو سکتا ہے الخ بلفظہ (بوادر النوادر ص ۴۲۱)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں ۔

البتہ جو شخص عقائد یا اجماعیات میں مخالفت کرے یا سلف صالحینؒ کو برا کہے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت وہ ہیں جو عقائد میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر ہوں اور یہ امور ان عقائد کے خلاف ہیں لہذا ایسا شخص اہل سنت سے خارج اور اہل بدعت وھویٰ میں داخل ہے اسی طرح جو شخص تقلید میں غلو کرے کہ قرآن وحدیث کو رد کرنے لگے ان دونوں قسم کے (یعنی حضرات سلفؒ پر طعن اور سب وشتم کرنے والا غیر مقلد اور غالی مقلد جو حرام تقلید کا مرتکب ہے۔ صفدر) شخصوں سے حتی الامکان اجتناب واحتراز لازم سمجھیں الخ بلفظہ (الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ص ۴۵)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) یاجوج وماجوج کی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے (فوائد عثمانیہ ص ۳۹۳)

قرآن وحدیث کی تاویل

جس مذموم تقلید کی تردید قرآن وحدیث سے ثابت ہے علماء مقلدین اور علی الخصوص فقہاء احنافؒ اور اکابر علماء دیوبند بھی پرزور الفاظ میں اس کی خوب تردید کرتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات کی صریح عبارات آپ پڑھ چکے ہیں اور باقی بے شمار حضرات کی عبارات اور اقوال میں بھی یہی کچھ ہے کوئی اہل حق مقلد (اہل بدعت کا معاملہ جدا ہے) قرآن وحدیث کی نصوص کا نہ تو انکار کرتا ہے اور نہ ان کی قصداً تاویل کرکے اپنے امام کے قول پر فٹ کرتا ہے۔ خطائے اجتہادی کا قصہ ہی جدا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (تقی الدین ابو العباس احمدؒ بن عبد الحلیمؒ المتوفی ۷۲۸ھ) نے اپنی کتاب رفع الملام عن ائمۃ الاعلام میں ان اعذار کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے بعض فقہاء کرامؒ سے نادانستہ اور اجتہادی طور پر بظاہر نصوص واحادیث کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) اپنی کتاب القاء المنن بالقاء المحن میں فرماتے ہیں کہ ایک منت (احسان) خدا تعالیٰ کی مجھ پر یہ ہے کہ میں فقط جماعت اہل سنت کو فرقہ ناجیہ جانتا ہوں حنفی ہوں یا شافعی مالکی ہوں یا حنبلی یا

ظاہری یا اہل حدیث یا اہل سلوک (مثلاً چشتی۔ قادری۔ سہروردی اور نقشبندی وغیرہ۔ صفدر) اور کسی کے حق میں ایسے گمان بد نہیں رکھتا اگرچہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندر ان میں سے کچھ مسائل خلاف دلائل بھی ہیں اور بعض موافق نصوص۔ بعض فتاویٰ اُن کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں اس لیے حکم اکثر کو ہے نہ اقل کو اور ائمہ سلف سے جو عمل بعض احادیث میں متروک ہو گیا ہے اس کے بیس[۲] عذر ہیں۔ جو کتاب جلب المنفعت میں لکھے گئے ہیں ائمہ سلف پر طعن مخالفت سنت کا کرنا انصاف کا خون بہانا ہے ہاں جو مقلد ان کے بعد وضوح دلیل کتاب و سنت کے تقلید بُرے بحت (خالص) پر جامد ہیں ان کو خاطی سمجھتا ہوں لیکن گمراہ بحت نہیں جانتا نہ اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتا ہوں نہ معاذ اللہ تعالیٰ ان کو کافر کہوں الخ (ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت از مولانا محمد تقی عثمانی ص ۱۵۹ ماخوذ از ماہنامہ فاران مئی ۱۹۶۳ء) اور نواب صاحبؒ کا ایک اور حوالہ جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وگمان نمیرود کہ مسلمانے در روئے زمین ایں چنیں جرأت بلا عذر صحیح صریح مے تواند کرد کہ اولاً قرآن وحدیث را بلا سبب بطور عناد ولداد در پس پشت انگندہ دست برائے مجرد وخرد سازج زند وباز دعوائے اسلام وادعائی ایمان نماید وازیں جا است کہ شیخ الاسلام احمدؒ بن تیمیہ الحرانیؒ در کتاب رفع الملام عن ائمۃ الاعلام قریب بست[۲۱] عذر از طرف سلف در ترک قول وعمل بموجب ادلہ بیان کردہ وفرضاً اگر یکے از عامہ یا سفہائے متفقہ یا جہلہ مقلدہ ایں چنیں حرف بر زبان آرد در کفرش ہیچ شک وشبہ نیست الخ

(بدور الاہلۃ ص ۲۳۶ طبع بھوپال ۱۲۹۸ھ)

یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان بغیر کسی صحیح اور صریح عذر کے اس قسم کی جرأت کرے کہ پہلے قرآن وحدیث کو بغیر کسی سبب کے عناد اور جھگڑے کے طور پر پس پشت ڈال دے اور مجرد نرے اور سادہ عقل پر ہاتھ مارے اور پھر اسلام وایمان کا دعوٰی کرے اور اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام احمدؒ بن تیمیہ الحرانیؒ نے اپنی کتاب رفع الملام عن ائمۃ الاعلام میں حضرات سلفؒ کی طرف سے ادلہ کے قولاً وفعلاً ترک کرنے کے سلسلہ میں بیسؒ کے قریب عذر بیان کیے ہیں۔ اور بالفرض اگر عام لوگوں میں سے یا بزور فقیہ بننے والے بیوقوفوں میں سے یا جاہل مقلدوں میں سے کوئی شخص اس قسم کا حرف زبان پر لائے تو اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

اس عبارت میں نواب صاحبؒ نے بات بالکل کھول کر اور واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ روئے زمین پر قصداً کسی مسلمان نے قرآن و حدیث کو نظر انداز کرنے کی کوشش اور جرأت نہیں کی اور اگر ایسی جرأت کرے تو پھر وہ مومن اور مسلمان رہتا بھی کب ہے؟ ہاں کسی صحیح اور صریح عذر کی وجہ سے ایسا ہو بلکہ بقول حافظ ابن تیمیہؒ ایسا ہوا ہے تو ایسے اعذار کی گنتی تقریباً بیس ۲۰ ہے جو انہوں نے رفع الملام میں اور نواب صاحب نے جلب المنفعت میں تحریر کیے ہیں اور ایسی اجتہادی غلطیوں کا شکار صرف حضرات فقہاء کرامؒ ہی نہیں بلکہ حضرات محدثین عظامؒ بھی ہیں مثلاً حضرت امام بخاریؒ اور امام ابوبکر العربیؒ حسن حدیث کو حجت قرار نہیں دیتے اور ان کے اس قاعدہ اور ضابطہ سے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں متروک العمل ہو جاتی ہیں جو بڑی غلطی ہے۔ چنانچہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جمہورؒ کے نزدیک حسن حدیث پر عمل جائز ہے حضرت امام بخاریؒ اور امام ابوبکر بن العربیؒ اس میں اختلاف کرتے ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۱ و مسک الختام ص ۱۷)

غیر ضروری بحث

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ جس مذموم تقلید کی تردید اور قباحت قرآن و حدیث سے ثابت ہے حضرات مقلدین بھی اس کی صاف الفاظ میں تردید اور قباحت ہی بیان کرتے ہیں فریق ثانی کے شیخ الکلؒ نے اپنی کتاب معیار الحق میں متعدد صفحات حرام اور مذموم تقلید کی قباحت اور برائی کے لیے وقف کیے ہیں اور خاصے حوالے درج کیے ہیں مگر بے سود ہے کیونکہ ایسی تقلید کے ناجائز ہونے پر حضرات مقلدین کیا سلف اور کیا خلف سبھی متفق ہیں اور ہمارا بھی اس پر صاد ہے اور یہ نزاع سے بالکل خارج ہے لہذا ان کو نقل کرنا پھر ان کی تردید کے لیے وقت صرف کرنا نرا اسراف ہے۔

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں — مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

فریق ثانیؒ کے شیخ الکلؒ مذموم اور حرام تقلید کے بارے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکے جو کچھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ مقلدین نے فرمایا ہے چنانچہ وہ تقلید کی چار قسمیں کرتے ہوئے چوتھی قسم پر لکھتے ہیں قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مخالف مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہو گئی تو اب وہ مقلد بدستور یہ ان عذرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا اور یا اس میں بدون سبب کے تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو طرف قول امام کی لے جاتا ہے

غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے امام کو نہیں چھوڑتا الخ بلفظہ (معیار الحق صفحہ و صفحہ)

اور نیز فرماتے ہیں کہ۔ اور ہاں واضح ہے کہ بعض مقلدین کی تقلید مفضی الی الشرک (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائز نہیں اور تقلید مفضی الی الشرک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح پر تقلید کرے کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پاوے تو اس کو قبول نہ کرے اور یہ سمجھے بیٹھا ہو کہ ہمارے امام سے خطاء اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے اور اپنے دل میں یہ بات جما رکھی ہو کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہ چھوڑیں گے اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو پس جس مقلد کی ایسی تقلید ہو وہ مشرک ہے

شاہ ولی اللہ صاحبؒ عقد الجید میں لکھتے ہیں۔

وفیمن یکون عامیا و یقلد رجلا من الفقهاء بعینه یری یمتنع من مثله الخطأ وان ما قاله هو الصواب البتة واضمر فی قلبه ان لا یترك تقليده وان ظهر الدلیل علی خلافه وذلك ما رواه الترمذی عن عدیؓ بن حاتم الخ

کہ جو شخص عامی اور جاہل ہو اور حضرات فقہاء کرامؒ میں سے کسی کی معین طور پر تقلید کرتا ہو اور یہ خیال کرتا ہو کہ اس سے خطا ممتنع ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہی قطعی طور پر حق ہے اور دل میں یہ بات مخفی رکھتا ہو کہ اپنے امام کی تقلید نہیں چھوڑے گا اگرچہ دلیل اس کے خلاف ہی ظاہر ہو جیسا کہ ترمذی نے حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت کی ہے) الخ

(فتاویٰ نذیریہ ص ۱۶۸/۱ج)

اور پھر آگے اس سوال کے جواب میں کہ۔ تقلید امام اعظمؒ کی کرنا شرک ہے یا نہیں؟ (ص ۱۶۸/۱ج) لکھا ہے۔

(۲) امام اعظم صاحبؒ کی تقلید اگر مفضی الی الشرک ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو بے شک امام اعظمؒ کی یہ تقلید شرک ہے والا فلا (اور اگر ایسا نہیں تو پھر شرک نہیں۔ صفدر)

المجیب محمد عبد اللہ ملتانی ماہ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ص ۱۶۹/۱ج)

اس عبارت سے ذیل کے فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اگر کسی مقلّد کی تقلید مفضی الی الشرک ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔

(۲) کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق اور صواب سمجھا جائے اور اس سے خطأً اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے اور حدیث صحیح غیر منسوخ کو بھی اس کے قول کے خلاف قبول نہ کرے تو ایسی تقلید مفضی الی الشرک ہے۔ اہلِ اسلام میں کوئی ایسا مقلّد نہیں مل سکتا جو قصداً و عمداً اپنے امام کو معصوم عن الخطأ سمجھتا ہو اور اس کے ہر قول کو صواب ہی کہتا ہو مقلّد تو یہی کہتا ہے کہ المجتہد یخطئ و یصیب اور یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ حدیث صحیح اور غیر منسوخ ہے کوئی عاقل مقلّد اس کو اپنے امام کے قول کے مقابلہ میں نہیں ٹھکراتا اس شق میں بھی مقلدین کو کوئی اختلاف نہیں البتہ اس عبارت میں ایک جملہ فہم سے بالاتر ہے۔ وہ یہ کسی ایک خاص مجتہد کی الخ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسی تقلید کئی مجتہدین کی غیر شخصی ہو تو پھر وہ مفضی الی الشرک نہ ہوگی جو چیز شرک ہے وہ شخصی ہو یا غیر شخصی ہو وہ تو بہر حال اور بہر کیف شرک ہے اس میں کسی ایک خاص مجتہد کی قید لگانا بالکل لا یعنی اور سر اسر باطل ہے لیکن غیر مقلدین حضرات پر تقلید شخصی کا خوف اور ہول ایسا طاری ہے کہ وہ جہاں اس سے کوئی ڈر نہیں وہاں بھی پھونکیں مارتے ہیں الغرض کتاب و سنت کے خلاف ایسی تقلید کسی ایک خاص مجتہد کی ہو یا کئی اور متعدد مجتہدین کی ہو مفضی الی الشرک ہی ہے۔

(۳) اگر تقلید مفضی الی الشرک حضرت امام اعظم صاحبؒ کی بھی ہو تو وہ بھی شرک ہے اگر ایسی نہ ہو تو قلادہ شرک نہیں ہے۔

(۴) کوئی بدبخت اور ضدی مقلّد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لاشک فیہ لیکن ہوش و حواس صحیح رکھتے ہوئے کون نام او قصداً و عمداً ایسا کرتا ہے یا کرے گا؟ کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے اور نواب صاحبؒ کی سابق عبارت اس کی واضح دلیل ہے۔ جو بھولنے کے قابل نہیں مگر ؎

جسے دیکھو وہ کہتا ہے کہ ان کو بھول جائیں ہم ہمارا غم بڑھانے کو ہمارے غمگسار آتے

قارئین کرام انصاف سے ملاحظہ فرمائیں کہ کیا یہ وہی کچھ نہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا تھانویؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ مقلّد بزرگوں نے فرمایا ہے ایسی مذموم اور حرام تقلید

محل نزاع سے بالکل خارج ہے اس میں اگر فریق ثانی کو الجھنا ہے تو اہل بدعت سے الجھیں نہ کہ اہل حق اور اہل السنت والجماعت سے معیار الحق کے پڑھنے سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ جملہ مقلدین اور خصوصاً علماء احناف ایسی ہی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں جو حرام ہے۔ حالانکہ یہ بات حق اور انصاف سے کوسوں دور ہے کیونکہ ان کی اپنی عبارات اس سلسلہ میں بالکل عیاں ہیں۔ جن میں سے بعض عبارات قارئین کرام باحوالہ پڑھ چکے ہیں۔

بدعات کو سامنے رکھ کر تقلید کا رد کرنا

بعض غیر مقلدین حضرات بدعات کو سامنے رکھ کر مقلدین احناف کو کوستے ہیں کہ مقلد بننے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بدعتی ہو جاتا ہے بجائے اس کے کہ ہم اپنے الفاظ میں اس کا رد کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۱ھ) کے الفاظ پر اکتفا کریں چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب عرض کرنے سے پہلے یہ گذارش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی عرض کیا یا عرض کریں گے وہ انہیں مقلدین کی طرف سے عرض کریں گے جو فقہ کی روایات معتبرہ پر عمل کرتے ہیں اور اصولاً و فروعاً حنفی ہیں۔ ہاں نام کے حنفی گور پرست۔ تعزیہ پرست۔ کنکر شاہ، روڑے شاہ بد بادشاہ وغیرہ وغیرہ کے ماننے والے ہم ان کو بھی غیر مقلد ہی جانتے ہیں ان سے آپ خود نمٹیں ولی را ولی مے شناسد۔ بدعات پر جس قدر اعتراضات ہیں ان کو فقہ حنفی کب جائز کہتا ہے؟ بدعات کے ردّ میں ہم بفضلہ تعالیٰ دنیا میں سب سے آگے ہیں جو لوگ تقلید کو شرک، کفر، فسق، حرام مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہیں ہمیں تو صرف انہیں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے اور جو واقعی اہلحدیث ہیں۔ حدیث پر عمل کرنے کی خدا تعالیٰ نے انہیں قابلیت عطا فرمائی ہے وہ نہ تقلید کو بُرا کہتے ہیں نہ مقلدین ائمہ مجتہدین کو بُرا سمجھتے ہیں ان سے ہمیں کوئی تعرض نہیں نہ وہ ہمارے مخاطب ہیں۔ بلفظہٖ (تنقیح التنقید ص۷)

اور منصف مزاج غیر مقلدین حضرات کو اس کا کھلے لفظوں میں اقرار ہے کہ حضرات ائمہ کرامؒ پر طعن و تشنیع ہوتی ہے اور ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔

(۱) نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔ اس زمانہ کی آفات میں سے ایک آفت یہ بھی ہے کہ تقلید کے ردّ و قدح میں حضرات ائمہ عظامؒ تک طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے یہ ایک بدبختی اور صریح گمراہی ہے۔ چند بدنام لوگ سلف صالحینؒ کے رسوا کرنے میں اپنے

منہ کو اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرتے ہیں ونعوذ باللہ من الخذلان اگر کوئی متبع کسی امام یا عالم پر یا بالتعیین طعن وقدح کرتا ہے تو وہ مغتاب ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے جب احاد امت کی غیبت کرنا حرام ہے تو پھر جو آئمہ وعلماء آخرت ہیں جو شخص ان کی غیبت کرتا ہے۔ تو اس کا لعن وطعن اس مغتاب پر لوٹتا ہے (مآثر صدیقی ص ۲۲، ۲۳ ج ۴ ترک تقلید کے بھیانک نتائج ص ۶۷ از مولانا بشیر احمد صاحب قادری)

(۳) مولانا محمد داؤد غزنویؒ فرماتے ہیں کہ۔ دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ اہلحدیث حضرات ائمہ اربعہؒ کی توہین کرتے ہیں۔ بلا وجہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقہ میں عوام اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہؒ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کرجاتے ہیں یہ رجحان بخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(سوانح مولانا داؤد غزنوی ص ۸۷ و ص ۸۹ از ترک تقلید کے بھیانک نتائج ص ۶۸)

چوتھی آیت

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا کہ ظن حق کی سی چیز میں کفایت نہیں کرسکتا۔

یہ اور اس قسم کی دوسری آیات جن میں لفظ ظن وارد ہے فریق ثانی اس سے تقلید کی برائی پر استدلال کرتا ہے۔

جواب:۔ لفظ ظن اضداد میں سے ہے۔ اس کا معنی یقین بھی ہے اور گمان بھی۔ صراح ص ۵۱۰ میں ہے ظن، گمان الی قولہ وَظَنَّ دَاوٗدُ ای علم وایقن۔ یعنی ظن کے معنی گمان اور یقین دونوں آتے ہیں۔

اور لفظ ظن ایسے مواقع پر بھی وارد ہوا ہے جن میں مومنین کاملین کی تعریف کی گئی ہے۔ مثلاً

اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ الآیۃ کہ وہ ظن اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ رب سے ملنے والے ہیں

اگر ہر جگہ ظن برا ہوتا تو مومنین کے اوصاف میں لفظ ظن استعمال نہ ہوتا۔ نیز احادیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کی ظاہری نیکی دیکھ کر یہ قطعی فیصلہ نہ کیا کرو کہ یہ نیک ہے یا بد ہے۔ بلکہ اپنے علم ودانست۔ حسبان اور ظن کو شامل کرلیا کرو۔ اور حدیث میں ہے ظنوا المؤمنین خیرا (بحوالہ تزیین العبارۃ فی تحسین الاشارۃ لعلی القاریؒ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جن آیات میں ظن پر چلنے والوں کی برائی بیان کی گئی ہے۔ اس سے ایسا ظن مراد ہے جو عقائد نصوص اور قطعیات کے خلاف ہو اور اس کے مذموم ہونے میں کوئی

شک نہیں ۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ظن فی نفسہ کوئی گناہ ہے یا اس سے بالکلیہ اجتناب واجب ہے ۔ بلکہ اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ جو ظن و تخمین وحی کے خلاف ہو ۔ یا اس کو وحی سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر اختیار کیا جائے ۔ وہ گمراہی کا سبب ہے ۔ اور ظن علم اور عقیدہ میں فائدہ نہیں دیتا ۔

جلالین صفحہ ۱۷۳ میں ہے ۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا فیما المطلوب منہ العلم

یعنی جہاں قطعی علم کی ضرورت ہے (مثلاً عقیدہ) وہاں ظن مفید نہیں ۔ جیسا کہ اخبارِ آحاد جو موجب ظن ہیں ۔ ان سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا (شرح عقائد صفحہ ۱۰۱ و شرح المواقف صفحہ ۲۷ و مسامرہ صفحہ ۲۷/۲۸ و شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۸ ملا علی القاریؒ) اور جملہ مقلدین حضرات ائمہ کرامؒ کی تقلید عقائد میں نہیں کرتے ، صرف اجتہادی مسائل میں کرتے ہیں جو ظنی ہیں جن میں انہوں نے بڑی کوشش اور کاوش کر کے امت مرحومہ کے لیے سہولت پیدا کی ہے ۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کی سنگِ راہ ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

پانچویں آیت

مولانا ثناء اللہ صاحب حرمت تقلید کے سلسلہ میں یہ آیت کریمہ بھی پیش کرتے ہیں ۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ

اس چیز کی اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس کے بغیر اور حمایتیوں کی پیروی نہ کرو ۔

اس سے انہوں نے حضرات ائمہ اربعہؒ کی تقلید کی تردید پر استدلال کیا ہے ۔

(محصلہ ملاحظہ ہو اہل حدیث کا مذہب صفحہ ۴۶)

الجواب :۔ اس سے اہل اسلام کی تقلید کی تردید پر استدلال باطل ہے ۔ اولاً :۔ اس لیے کہ اس ممنوع اتباع سے وہ اتباع مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور اس کے بغیر اوروں کی کی جائے اور وہ اسی صورت میں ہو گی کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں ان کی اتباع کی جائے اور اس کے حرام ۔ ممنوع اور مذموم ہونے پر تمام مقلدین متفق ہیں ۔ رہی ان کی تقلید تو وہ غیر منصوص مسائل میں قرآن و حدیث کے مطابق اہل علم کی طرف رجوع کرتے ۔ ان سے سوال کرتے ۔ اور ان کی اتباع

کرتے ہیں۔ وثانیاً۔ خود مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں مگر تقلید سلف کے مامور نہیں۔ (تقلید سلفی ص ۴۲)

سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی اتباع ممنوع ہے تو آپ نے نص کے خلاف کرتے ہوئے اتباع سلف کے مامور ہونے کا اعتقاد کہاں سے تراش لیا ہے؟ جب کہ بقول آپ کے اتباع غیر اللہ کی نہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ تو اس کے جواز پر آپ کا اعتقاد کیسے جم گیا؟ اور صراحۃً قرآن کریم میں تقلید کی نہی کا ایک حرف بھی موجود نہیں تو وہ کیسے ممنوع ٹھہری؟ وثالثاً اگر آپ اتباع سلف کے مامور ہیں تو ہم باحوالہ یہ عرض کر چکے ہیں کہ تقلید و اتباع ایک ہی چیز ہے۔ اس سے تقلید سلف کے مامور ہونے کا اعتقاد بھی ثابت ہو گیا کہ غیر منصوص مسائل میں ان کی جد وجہد سے امت مرحومہ کے لیے دین میں سہولت پیدا ہوئی۔ کیونکہ صریح اور منصوص مسائل میں تو اتنی دشواری پیش نہیں آتی جتنی کہ غیر منصوص احکام میں پیش آتی ہے جن کو حضرات فقہاء کرامؒ نے حل کیا ہے ؂

مزہ تو جب ہے خزاں میں بہار پیدا کر   بہار کے موسم بہار ہی اگلتی ہے

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں کہ۔

قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ یعنی خدا فرماتا ہے مسلمانو! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم کو ملا ہے اسی کی تابعداری کرو اور اس کے سوا مذہبی اُمور میں اور کسی کی تابعداری نہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی اے ہمارے رسول کران سے کہدے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کرے گا ان کے علاوہ سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ہیں جن میں حصر کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو اھ بلفظہٖ (اہلحدیث کا مذہب ص ۵۹ طبع لاہور)

الجواب: مولانا موصوف نے اس استدلال میں خالص مغالطہ دیا ہے جس سے ان کا مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اولاً اس لیے کہ قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں مذہبی امور میں کا جملہ داخل کر کے اسلام

میں پا یۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے ۔ جب کہ اسلام مذہب اور سیاست کو دو الگ الگ امر نہیں تصور کرتا کما مر ۔ وثانیاً انجان اور لا علم آدمی کے لیے قرآن کریم ہی میں فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا حکم نازل ہوا ہے لہذا جاہل کا عالم سے پوچھ کر اس کی تابعداری کرنا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ الآیۃ کے ہرگز مخالف نہیں بلکہ اسی کی تعمیل ہے اور اسی طرح وہ دیگر آیات کریمات جو ہم نے اثبات تقلید میں پیش کی ہیں ان سے ثابت شدہ حکم بھی اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ الآیۃ کا مصداق ہے ۔

خود مولانا موصوف لکھتے ہیں ۔ یہ امر بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ جو شخص علم نہ رکھتا ہو وہ علم والے کی پیروی کرے قرآن شریف میں ارشاد ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۔ اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دلیل کے ساتھ دریافت کر لیا کرو اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں اھ (اجتہاد و تقلید ص۴۷ طبع اہلحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور)

موصوف نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں دلیل کے ساتھ کا جملہ اپنی طرف سے داخل کر کے مقلدین کی کاری ضرب سے بچنے کے لیے اپنا دفاع کیا ہے ۔

وثالثاً دوسری آیت کریمہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ الآیۃ سے بھی تقلید کی تردید باطل ہے ۔ کیونکہ دیگر بے شمار احادیث کے علاوہ مقلد غیر منصوص مسائل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ پر عمل کرتا ہے اور اس صورت میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی تابعداری ہے نہ کہ آپ کی مخالفت تو پھر ان آیتوں سے اور ان کے مفہوم اور تفسیر سے ثابت ہے وہ تقلید کا مثبت ہے نہ کہ نافی ۔ ورابعاً خود مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ ۔

اہلحدیث کا مذہب ہے کہ دین کے اصول چار ہیں قرآن[۱] ، حدیث[۲] ، اجماع امت[۳] ۔ قیاس مجتہد[۴] ، سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی السبیل المراتب ۔ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے علم لغت قواعد صرف ۔ نحو ۔ علم معانی ۔ بیان اصول فقہ وغیرہ ذریعہ ہیں جو مسئلہ قرآن و حدیث سے بطریق مذکورہ سمجھ ناقص میں نہ مل سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرائط اصول فقہ جن کا ذکر آگے آتا ہے) قابل عمل ہو گا ۔ بلفظہ (اہلحدیث کا مذہب ص۵۸ و ص۵۹)

قارئین کرام :- انصاف سے فرمائیں کہ حضرات مقلدین اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں ؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ موصوف اجماع امت اور قیاس مجتہد کو دین کے اصول قرار دیتے ہیں اگر اپنی اصول دین کی حضرات مقلدین پیروی کرتے ہیں تو وہ کون سا جرم کرتے ہیں ؟ اس عبارت میں مولانا موصوف نے اجماعِ اُمت اور قیاس مجتہد کا اثبات کر کے اپنے اس دعوے کی خود تردید کر دی ہے کہ۔ بس پیغمبر علیہ السلام کے سوا کسی کی اطاعت مت کرو۔

غرضیکہ جو بات حضرات مقلدین کہتے ہیں وہی غیر مقلدین حضرات کو بھی کہنی پڑی اور کہنی پڑتی ہے مگر ساتھ ساتھ راہ فرار کے چور دروازے بھی تلاش کیے جاتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

کہاں جائیں کدھر جائیں نہیں بنتی کہیں اپنی — کبھی ہم دَیر سے بھاگے کبھی کعبے سے ہم نکلے

چہاردہم

جس طرح فریق ثانی نے اہل اسلام میں رائج تقلید کے ابطال پر بزعم خویش قرآن کریم کی بعض آیات کریمات سے بے جا استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ قارئین کرام پڑھ چکے ہیں اسی طرح انہوں نے بعض احادیث شریفہ سے بھی معہود تقلید کی تردید پر استدلال کیا ہے لیکن ان سے بھی ان کا استدلال ناتمام اور سعی لاحاصل رہتی ہے۔

پہلی حدیث

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل تقلید کی تردید میں دوسری دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ کوئی آدمی بعد نماز دائیں طرف پھر کر بیٹھنے کو ضروری جان کر اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ مقرر کرے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف بیٹھتے بھی دیکھا ہے۔ (محصلہ بخاری ص ۱۱۸ ج ۱) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ضروری اور واجب جانتا ہے تو پھر شیطان کا حصہ ہوگا ورنہ دونوں امر برابر ہیں گو دائیں طرف پھرنا اولیٰ ہے۔ اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امر مندوب پر اصرار کیا تو اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے بدعت پر اصرار کیا تو اس کا کیا حال ہوگا؟ درمختار میں ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے تاکہ انجان لوگ اس کو سنت اور واجب نہ ٹھہرالیں اور جو مباح اس درجہ کو پہنچ جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہے (محصلہ) یہ حوالے نقل کرنے کے بعد شیخ الکل تحریر کرتے ہیں کہ تو اس حدیث کے فحوٰی سے مطابق تصریحات ان محدثین اور فقہاء کے جب کسی امر مستحب کا التزام اور اس پر اصرار اور ہٹ کرنا فعل شیطانی اور مکروہ تحریمی ہوا تو التزام اور اصرار حتماً اور وجوباً ایک مجتہد کے مذہب کا جو مخالف اجماع قرون ثلاثہ کے اور مخالف قرآن کے ہے کیونکہ بدعت نہ ہوگا؟ انتہی بلفظہٖ (معیار الحق ص ۱۵۷)

الجواب : شیخ الکلؒ کا اس سے استدلال بھی نرا مغالطہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر تقلید کی تردید میں ان کے وسیع علم میں کوئی صریح اور صحیح حدیث ہوتی تو وہ مقام استدلال میں ضرور اُسے پیش کرتے اصل موضوع سے بالکل غیر متعلق روایت کو شراح حدیث اور حضرات فقہاء کرام کی تشریحات کو ساتھ جوڑ جوڑ کر اور ان سے سہارا لیتے ہوئے استدلال نہ کرتے یہ استدلال یقیناً صریح نہیں بلکہ خالص مغالطہ ہے۔

وثانیاً اس لیے کہ حدیث کے مفہوم اور اس کی تفسیر میں نقل کردہ الفاظ و عبارات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرعی اور فقہی طور پر جو چیز مباح یا مستحب ہے تو اس کے التزام سے وہ چیز واجب متصور ہوگی اور غیر واجب کو واجب اور غیر سنت کو سنت سمجھنا بدعت و مکروہ ہے لیکن لاعلمی کے وقت عالم سے سوال کرنا تو قرآن و حدیث سے اور باقرار شیخ الکلؒ واجب ہے اور مکلف عہدہ تکلیف سے صرف ایک ہی مجتہد کی بات کو تسلیم کر کے فارغ الذمہ ہو سکتا ہے اور اس بیچارے نے تو واجب پر اصرار کیا ہے۔ نہ کہ مباح و مستحب پر اور واجب پر التزام شرعاً مطلوب ہے تو وہ مکروہ اور بدعت کیسے ہوگیا؟ ہاں اگر جاہل کے لیے لاعلمی کے وقت اہل الذکر سے سوال کرنا صرف مباح یا مستحب ہوتا اور پھر وہ تمام مجتہدین سے دریافت کرنے کا بھی مکلف ہوتا۔ تو پھر وہ ایک ہی مجتہد کی تقلید پر اصرار و التزام کر کے واقعی بدعت و کراہت کا مرتکب ہوتا۔ مگر معاملہ یوں نہیں ہے غور فرمائیں۔

شیخ الکلؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ جس آیت کے حکم سے تقلید ثابت ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ لاعلمی ہو۔ قال اللہ تعالیٰ فَاسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر نہ جانتے ہو تم اور یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر کما اشار الیہ المحقق ابن الھمام فی التحریر وغیرہ الخ (معیار الحق ص۶۷) اور خود تصریح کرتے ہیں کہ جب کہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل کے عموماً صادر ہوا ہے تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اسمیں سہولت بھی پائی جاتی ہے الخ (معیار الحق ص۹۷) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لاعلم کے لیے مجتہد کی اتباع اور تقلید واجب ہے اور صرف ایک ہی مجتہد کی اتباع سے مکلف عہدہ برا ہو سکتا ہے تو پھر اس تقلید کو قرآن اور قرون ثلاثہ کے مخالف کہنا اور بدعت قرار دینا قطعاً غلط ہے۔ الحاصل بالکل غیر متعلق حدیث اور غیر متعلق عبارات سے قرآن و حدیث اور خود اپنے اقرار سے ثابت شدہ تقلید کی تردید کرنا خالص تعصب تو ہے۔ مگر علمی خدمت نہیں ہے۔

وثالثاً اس لیے کہ ترکِ تقلید کے قدرے مفصل مفاسد آپ باقرار فریق ثانی پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ترک تقلید سے کفر۔ الحاد اور زندقہ لازم آیا اور آتا ہے اگر کسی کے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے امر مباح اور مستحب پر اصرار کیا جائے تو اس میں شرعاً کیا قباحت ہے جب کہ اس کا ایمان و اسلام اسی صورت ہی میں بچ سکتا ہو؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ اسلام میں جھوٹ ایک بڑا گناہ ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین قرآن کریم میں وارد ہے، اور قرآن وحدیث کی تصریحات سے جھوٹ کی بُرائی عیاں اور ظاہر ہے مگر بعض اوقات جھوٹ بولنا بھی صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے

چنانچہ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

فلا خلاف انہ لو قصد ظالم قتل رجل ھو عندہ مختف وجب علیہ الکذب فی انہ لا یعلم این ھو۔

(شرح مسلم ص ۳۲۵ ج ۲)

اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی شخص کو جو کسی کے پاس چھپا ہوا ہے (ناحق) قتل کرنا چاہتا ہے تو جس کے پاس وہ چھپا ہے اس پر جھوٹ بولنا واجب ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟

اور مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاریؒ (المتوفی ۱۱۰۹ھ) جن کی اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت سے فریق ثانی تقلید کی تعریف نقل کر کے استدلال کیا کرتا ہے۔ اور معیار الحق میں ان کی عبارات سے باقاعدہ استدلال کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

فان الکذب مثلاً یجب لعصمۃ نبی وانقاذ بری من سفاک

(مسلم الثبوت ص ۱۵)

بلاشبہ مثلاً نبی کے بچاؤ اور بری الذمہ آدمی کے کسی ظلم اور سفاک سے چھڑانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

یعنی اگر کوئی ظالم معصوم نبی کی جان کے درپے ہے اور بغیر جھوٹ بولے نبی کی جان نہیں بچ سکتی تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے تاکہ معصوم کی جان بچ جائے اسی طرح اگر کوئی ظالم اور سفاک کسی مظلوم مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اس بے گناہ کی جان جھوٹ بولنے کے بغیر نہیں بچ سکتی تو جھوٹ بولنا واجب ہے۔ قارئین کرام اگر جھوٹ جیسی قطعی حرام چیز معصوم کی جان بچانے کے لیے واجب ہے تو مومن کے ایمان بچانے کے لیے مباح اور مستحب کیوں واجب

نہیں ہو سکتا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

وہ مجھے مشورۂ ترکِ وفا دیتے ہیں   یہ محبت کی ادا ہے مجھے معلوم نہ تھا

دوسری حدیث

غیر مقلد عالم مولانا محمد جوناگڑھی صاحب اور مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ کہ ابن ماجہ جلد اول مصری صہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ آپؐ نے ایک (لمبا) خط کھینچا اور پھر اس کے دائیں طرف دو خط کھینچے اور دو خط بائیں طرف کھینچے۔ اس طرح پھر آپ نے اپنا ہاتھ درمیانے خط پہ (جو لمبا تھا اور جس کو پہلے کھینچا تھا) رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ الآیۃ (پ۸۔ الانعام)

یعنی یہ سیدھا راستہ ہے۔ اس پہ چلو اور دوسرے راستے جو تمہیں اس سے ہٹا دیں گے ان کی اتباع نہ کرو۔

کہتے ہیں کہ خطوط اربعہ مذاہب اربعہ ہیں۔ اور درمیانہ خط اہل حدیث کا مذہب ہے اگر خط متوسط پہ چلو گے تو کامیاب ہو گے ورنہ گمراہ اور تباہ ہو جاؤ گے (محصلہ)

اور آخر میں لکھتے ہیں کہ وَاَنَّ هٰذَا یعنی خدا کی سیدھی راہ یہی ایک ہے اسی پہ چلو۔ اور ادھر ادھر کی چاروں راہوں میں سے کسی راہ پہ نہ چلو ورنہ راہ راست سے بھٹک جاؤ گے بلفظہ

(طریق محمدی صہ۹ طبع کراچی وسبیل رسول صہ۳۱)

الجواب: اس حدیث سے استدلال نہ تو روایۃً درست ہے اور نہ درایۃً۔ روایۃً تو اس لیے کہ اس کی سند میں مجالد بن سعیدؒ راوی ہے جمہور محدثین کرامؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ چنانچہ امام یحییٰؒ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ محض ہیچ تھا۔ امام نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف اور کمزور تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ اس کی تضعیف کرتے تھے اور امام عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ اس سے روایت نہیں لیا کرتے تھے۔

(میزان الاعتدال صہ ۸ ج ۳)

ان حضرات کے یہ جرحی کلمات حافظ ابن حجرؒ نے (تہذیب التہذیب صہ ۴۰ ج ۱۰ و صہ ۴۱ میں)

بھی نقل کیے ہیں۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔ اور حدیث میں قوی نہیں۔ اور امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف تھا (ایضاً) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ کمزور اور ضعیف تھا۔ آخر عمر میں اس کے حافظہ میں نمایاں خرابی پیدا ہو چکی تھی (تقریب ص ۳۹۶) تو ایسی ضعیف روایت سے استدلال و احتجاج کا کیا معنی ہے؟

اور درایۃً اس لیے کہ نہ تو حضرات ائمہ اربعہؒ نے صراط مستقیم کو چھوڑ کر اس کے مقابل کوئی اور راستہ اختیار کیا ہے اور نہ ان کے مقلدین نے۔ یہ سب کے سب حضرات صراطِ مستقیم پر ہی گامزن تھے اور ہیں۔ اور خود اس حدیث کے آخر میں قرآن کریم کے جس مضمون سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استدلال فرمایا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ صراطِ مستقیم اور اللہ تعالیٰ کے راستے کے مقابل دیگر راستوں کی پیروی نہ کرو۔ جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور کر دیں۔ اور خود دوسری حدیث اس کی تفسیر کرتی ہے کہ دوسرے راستے وہ ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے اور وہ اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائیں اور بائیں کے خطوط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

علیٰ کل سبیل منہا شیطان یدعو الیہ (مسند دارمی ص ۳۵ طبع ہند و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۰ مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۵ ونسائی ص)	ان راستوں میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔

ظاہر امر ہے کہ حضرات ائمہ اربعہؒ نے خدا تعالیٰ اور رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث ہی کی طرف دعوت دی ہے۔ اور اسی کے لیے اپنی تمام زندگی صرف اور وقف کی ہے انہوں نے شیطانی راستوں کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دی۔ اور نہ ان کے مقلدین نے ایسا کیا ہے یہ غیر مقلدین کی اخلاقی پستی، کوتاہ فہمی اور نرا تعصب ہے کہ انہیں حضرات ائمہ اربعہؒ کے فقہی مسالک اور راستے گمراہی اور تباہی کے سُبل نظر آتے ہیں۔ حالانکہ حضرات ائمہ اربعہؒ وغیرہم فقہاء کرامؒ اور صوفیاء عظامؒ کے (نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی وغیرہ) راستے یقیناً ان سُبل اور راستوں میں

شامل اور داخل ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے۔

يَهْدِىْ بِهِ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ (پ۶۔ المائدہ۔۳) — ہدایت دیتا ہے اللہ کتاب کے ذریعہ ان کو جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں سلامتی کے راستوں کی۔

اور

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (پ۲۱، عنکبوت: ۷) — اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہمارے واسطے ہم ضرور ان کو اپنے رستوں کی ہدایت کریں گے۔

میں کیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے راستے ہیں جس میں رتّی بھر شک نہیں البتہ تعصب و عناد لاعلاج بیماری ہے۔

تیسری حدیث:۔ مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں ایک حدیث بخاری میں ارشاد ہے لو کان موسیٰ حیًّا لما وسعہ الا اتباعی یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری ہی تابعداری کرتے ایک حدیث میں ارشاد ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر انکی تابعداری کرنے لگ جاؤ تو گمراہ ہو جاؤ۔ چونکہ اصل اطاعت اور تابعداری خدا نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرض کی ہے اس لیے علماء کو اجماع اور قیاس کے حجت ماننے میں شبہات پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعض تو ان دونوں کی حجیت سے انکاری ہی ہو گئے (وہ اہلحدیث نہیں ہو گئے بلکہ منکرین حدیث ہوں گے کیونکہ مولانا موصوف اہلحدیث کا مذہب یہ بیان کر چکے ہیں کہ تمام کا اجماع امت اور قیاس مجتہد اصول دین میں سے ہیں۔ صفدر) اور بعض جو قائل ہیں انہوں نے اس کی وجہ بتلائی کہ اجماع بھی صحیح ہوگا جس کی بنا اور مدار کسی حدیث پر ہو (جب حدیث موجود ہے تو پھر اجماع کی ضرورت ہی کیا ہے؟ صفدر) اور قیاس مجتہد بھی وہی صحیح ہوگا جو کسی آیت یا حدیث کے مخالف نہ ہو (اس میں اہل حق میں سے کس نے اختلاف کیا ہے؟ صفدر) بلکہ اسی سے مستنبط ہو اس لیے کہ کل اصولی قاطبۃً شرائط قیاس میں یہ بھی لکھا کرتے ہیں کہ اَنْ يَّتَعَدّٰى الْحُكْمُ الشَّرْعِيُّ الثَّابِتُ بِالنَّصِّ بِعَيْنِهٖ اِلٰى فَرْعٍ هُوَ نَظِيْرُهٗ وَلَا نَصَّ فِيْهِ اھ بلفظہ (اہلحدیث کا مذہب ص ۵۹ و ص ۱۶۰)

الجواب:۔ تقلید اہل اسلام کی تردید میں موصوف کا یہ استدلال بھی قطعاً مردود ہے اولاً اس لیے

کہ حدیث لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی بخاری میں نہیں ہے تقلید موخود کی تردید کے شوق میں بخاری شریف پر یہ نرا افترار اور کم از کم خالص وہم ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کا چہرہ اقدس ناراضگی کی وجہ سے سُرخ ہو گیا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو توجہ دلائی کہ آپ کے چہرہ مبارک کو نہیں دیکھتا؟ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو واقعی انتہائی ناراضگی کے آثار نمایاں تھے حضرت عمرؓ نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نَبِیًّا پڑھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آجائیں۔

فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان موسیٰ حیًّا وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲ ج ۱ واللفظ لہ ومسند احمد صفحہ ۳۳۸ ج ۳ ودارمی صفحہ ۶۲ طبع ہند)

پس تم اُن کی پیروی کرنے لگو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے اور میری نبوت (کا دور) پالیتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃً ولو کان موسیٰ حیًّا لما وسعہٗ الا اتباعی (مسند احمد صفحہ ۳۸۷ ج ۳ و صفحہ ۳۳۸ ج ۳ ومشکوٰۃ صفحہ ۳۰ ج ۱)

بلاشبہ میں تمہارے پاس روشن اور صاف ستھری شریعت لایا ہوں اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

الحاصل یہ روایت بخاری شریف میں نہیں ہے جیسا کہ موصوف نے بے بنیاد دعویٰ کیا ہے وثانیًا اس لیے کہ ان دونوں روایتوں کی سند میں مجالد بن سعید ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں اسنادہ لین (میزان الاعتدال صفحہ ۲۱۳ ج ۱) تو ایسی ضعیف اور کمزور روایتوں سے اہل اسلام کی اس تقلید کا رد جس کا ثبوت قرآن کریم۔ حدیث شریف اور جمہور امت کے تعامل سے ہے۔

کیسے درست ہو سکتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہا گیا ہے۔

نازک خیالیاں میری توڑیں عدو کا دل ؎ میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

وثالثاً:۔ اس لیے کہ اس حدیث کے معنیٰ پر بھی غور نہیں کیا گیا، اور غیر مقلدین کو ردِّ تقلید کے نشہ میں آکر غور کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ تم مجھے ترک کر دو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس میں کس کو اختلاف ہے؟ یا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام یا کسی اور نبی اور رسول کی پیروی گمراہی ہے۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد نجات صرف آپ کے دین میں بند ہے۔ مگر یقین جانیئے کہ مقلدین میں سے کسی کے تصور میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے کسی اور کی پیروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو حضرات ائمہ کرامؒ کی غیر منصوص مسائل میں اس لیے اتباع کرتے ہیں کہ وہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کا شیدائی، متبع اور رازداں سمجھتے ہیں۔ اور وہ قرآن وحدیث کی رُو سے لاعلمی کے وقت علماء کی طرف رجوع کرنے کے مکلف اور پابند ہیں۔ کما مرّ الغرض حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت منسوخ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ناسخ ہے۔ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے مستنبط مسائل جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں وہ شرعاً معمول بہا ہیں، منسوخ نہیں۔ ان کو منسوخ شریعت قرار دینا یا اس سے تشبیہ دینا جہل مرکب کا پلندہ ہے۔ جو علمی دنیا میں مسموع نہیں ہے اور جس انداز سے فریق ثانی مقلدین کی دل آزاری کے درپے ہیں ہم اس پر بھی دعاگو ہیں کہ اس سے بھی بے شمار مسائل کی حقیقت نمایاں ہو گئی ہے۔ ؎

خدا آباد رکھے ان کو اور ان کی جفاؤں کو ؎ رہیں وہ شاد یارب جو ہمیں ناشاد کہتے ہیں

چوتھی حدیث:۔ حضرت عوفؓ بن مالک (المتوفی ۷۳ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ستر سے کچھ زائد فرقوں میں بٹ جائیگی۔

اعظمھم فرقۃ قوم یقیسون الامور برأیھم فیحرمون الحلال ویحلون الحرام (مستدرک ص۴۳۰ ج۴ وقال خ م ومجمع الزوائد ص۱۷۹ ج۱ وقال رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار رجالہ رجال الصحیح)

ان میں زیادہ افتراق والا وہ فرقہ ہوگا۔ جو اپنی رائے سے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال کر دیگا۔

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس فرقہ سے مقلدین ہی مراد ہیں جو رائے اور قیاس کے قائل ہیں جس سے امت میں افتراق پیدا ہوگیا ہے (ملاحظہ ہو طریق محمدی صلا و صفا)

الجواب: اس سے بھی احتجاج درست نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں نعیم بن حماد راوی واقع ہے اگرچہ محدثین کرام کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں اگرچہ وہ سچے ہیں لیکن کثیر الخطا ہیں اور منکر روایات کے بیان کرنے میں متفرد ہیں امام ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ربما اخطاء ووھم اور امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ حدیث میں محض ہیچ ہے اور امام ابو الفتح رہ فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کا بیان ہے کہ وہ سنت کی تقویت میں جعلی حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور وہ امام ابو حنیفہ کی تنقیص میں جھوٹی حکایتیں تراشا کرتے تھے جو سب جھوٹ کا پلندہ ہے اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ اہل الرائی کے بارے میں بڑے سخت تھے اور پھر ان کی بعض منکر روایات کی نشاندھی بھی انہوں نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ اگرچہ ان کی عدالت اور صداقت ثابت ہے لیکن ان کی روایات میں اوہام معروفۃ اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ امام فی السنۃ کثیر الوھم (محصلہ تہذیب ص ۴۶۱ تا ۴۶۳ ج)

تو ایسے راوی کی روایت سے ایسا اہم مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟ وثانیاً خود اسی روایت میں تصریح موجود ہے کہ جس رائے کی مذمت بیان کی گئی ہے وہ ایسی رائے ہے جس میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا گیا ہو اور اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

یحرمون بہ ما احل اللہ ویحلون بہ ما حرم اللہ (مجمع الزوائد ص ۱۷۹ ج ۱، جامع بیان العلم ص ۱۳۴ ج ۲)

کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے وہ اپنی رائے سے اسے حرام کریں گے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے وہ حلال کریں گے۔

تو ایسی رائے کے مذموم و قبیح و مردود ہونے میں کیا کلام ہے؟ یا ہو سکتا ہے! مگر مقلدین میں کوئی بھی عمداً ایسی رائے کا کبھی بھی مرتکب نہیں ہوا کہ اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتا ہو؟ حاشا وکلاّ کوئی مقلد نہ تو اس کا قائل ہے اور نہ ایسی رائے پر عامل ہے تو اس سے اس رائے کی جس کا ثبوت شریعت سے ہے کیسے تردید ہوگی؟ وثالثاً امام ابن عبد البر نے یہ اور اس قسم کی متعدد روایات و آثار آنحضرت صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے رائے کی مذمت کے کئی صفحات میں باسند نقل کیے ہیں آخر میں فرماتے ہیں کہ

لختلف العلماء فی الرأی المقصود الیہ بالذم والعیب فی ھذہ الآثار المذکورۃ فی ھذا الباب عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعن اصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وعن التابعین لھم باحسان فقالت طائفۃ الرأی المذموم ھوالبدع المخالفۃ للسنن فی الاعتقاد کرأی جھم وسائر مذاھب اھل الکلام لانھم قوم قیاسھم وآراؤھم فی رد الاحادیث الخ (جامع بیان العلم ص ۱۳۸ ج ۲)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تابعینؒ کے آثار میں جس رائے کو مذموم ومعیوب قرار دیا گیا ہے اس کے بارے میں حضرات علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ مذموم رائے سے مراد وہ اعتقادی بدعات ہیں جو سنن کے مخالف ہیں جیسے جہم (بن صفوان) اور دیگر (خود رائے) متکلمین کے مذہب کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کا قیاس وآراء احادیث کے رد ہی کے لیے ہیں۔

پھر آگے ان باطل فرقوں کے چند اختراعی عقائد کی نشاندہی بھی کی ہے جو انہوں نے اپنی رائے سے اختیار کر رکھے ہیں اور احادیث متواترہ کو بھی رد کر دیا ہے چنانچہ ایک جملہ یہ بھی ہے۔

فی رد الاحادیث المتواترۃ فی عذاب القبر وفتنتہ الخ (ص ۱۳۸ ج ۲)	ان لوگوں نے عذاب قبر اور فتنۂ قبر کے بارے میں متواتر احادیث کو رد کر دیا ہے۔

اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ اس قسم کی حدیثوں میں جس باطل رائے کی تردید ہے وہ ایسی رائے ہے جس سے احادیث صحیحہ ومتواترہ تک کو رد کرنے کی جسارت کی جائے اور مقلدین کا دامن اس سے پاک ہے۔

اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

وقال جماعۃ من اھل العلم	اہل علم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مذموم ومعیوب

انما الرأی المذموم المعیب المهجور الذی لا یحل النظر فیه ولا الاشتغال به الرأی المبتدع وشبهه من ضروب البدع (ص ۱۳۸)

و متروک رائے جس کی طرف توجہ کرنا اور مشغول ہونا ہی حلال نہیں وہ تراشیدہ رائے اور اس کی مانند بدعات کی اقسام و انواع ہیں۔

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ

وقال آخرون وهم جمهور اهل العلم الرأی المذموم المذکور فی هذه الآثار عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعن اصحابه والتابعین هو القول فی احکام شرائع الدین بالاستحسان والظنون والاشتغال بحفظ المعضلات والاغلوطات ورد الفروع والنوازل بعضها علی بعض قیاساً دون ردها علی اصولها والنظر فی عللها واعتبارها فاستعمل فیها الرأی قبل ان تنزل وفرعت وشققت قبل ان تقع وتکلم فیها قبل ان تکون بالرأی المضارع للظن قالوا ففی الاشتغال بهذا والاستغراق فیه تعطیل للسنن والبعث علی جهلها وترک الوقوف علی ما یلزم الوقوف علیها منها ومن کتاب الله عز وجل

دوسرے حضرات جو جمہور اہل علم ہیں یہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے جس مذموم رائے کا ذکر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ دین کے بنیادی احکام میں استحسان اور ظنون سے بات کی جائے اور پیچیدہ مسائل اور چیستانوں کی حفاظت کی جائے اور فروع اور پیش آمدہ مسائل میں بعض کو بعض پر قیاس کیا جائے اور ان کو اصول (کتاب و سنت و اجماع) کی طرف نہ لوٹایا جائے اور نہ ان کی علل میں نظر و اعتبار کیا جائے اور ان کی تفریعات اور شقیں قائم کی جائیں اور ایسے حوادث کے پیش آنے سے پہلے ہی ظن کے مشابہ رائے سے ان میں کلام کیا جائے جمہور علماء اسلام فرماتے ہیں کہ ایسی رائے میں مشغول و مستغرق ہونے سے احادیث معطل ہو کر رہ جائیں گی اور ایسی رائے ان سے جہالت کا باعث ہو گی اور جن احادیث پر اطلاع پانا لازم اور کتاب اللہ اور اس کے معانی پر آگاہ ہونا ضروری ہے تو ایسی رائے سے اُن سے آگاہی اور اطلاع بالکل ترک ہو جائے گی۔

(جو نہایت ہی مذموم ہے)

ومعانیہ (ص ۱۳۹/۲)

اس سے بالکل عیاں ہو گیا کہ مذموم اور معیوب وہ رائے ہے جس میں کتاب وسنت کو نظر انداز کر کے نرے ظن اور گمان پر اس رائے کی بنیاد قائم کی جائے اور ایسی رائے کی جتنی بھی تردید کی جائے بالکل کم ہے لیکن مقلدین ایسی رائے کے ہرگز قائل نہیں ہے۔

پانچویں حدیث

تقلید کے مذموم ہونے پر غیر مقلدین حضرات نے حضرت عدیؓ بن حاتمؓ (المتوفی ۶۷ھ) کی حدیث بھی پیش کی ہے جو یوں مروی ہے۔

عن عدیؓ بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال یاعدیؓ اطرح عنک ھذا الوثن وسمعتہ یقرأ فی سورۃ برآۃ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ۔ ھذا حدیث حسن غریب لا نعرفہ الا من حدیث عبدالسلام بن حرب وغطیف بن اعین لیس بمعروف فی الحدیث

(ترمذی ص ۱۳۶/۲ طبع مجتبائی دہلی)

حضرت عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کا صلیب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عدیؓ اس بت کو پھینک دے اور میں نے آپ سے سنا کہ سورۃ برآۃ میں یہ پڑھ رہے ہیں کہ (اہل کتاب نے) اپنے مولویوں اور پیروں کو اللہ تعالی کے نیچے رب بنا رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ بہرحال وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن ان کے مولوی اور پیر جو چیز ان کے لیے حلال کرتے وہ اسے حلال سمجھتے اور جو چیز وہ ان کے لیے حرام کرتے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اس کے راوی ہمارے علم میں صرف عبدالسلام بن حرب ہیں اور غطیف بن اعین حدیث میں مشہور نہیں ہیں۔

غیر مقلدین حضرات کا اس سے استدلال یوں ہے کہ مقلدین کو قرآن وحدیث سے کوئی سروکار نہیں ان کے لیے جو کچھ ان کے ائمہ حلال یا حرام کر دیں وہی ان کا دین ومذہب ہے اور اس طریقہ سے

انہوں نے اپنے ائمہ کرام کو اربابا من دون اللہ بنا رکھا ہے جو صریح شرک ہے اور وہ تقلید کر کے شرک کے مرتکب ہیں (محصلہ ملاحظہ ہو انکشاف جدید در تحقیق تقلید صفحہ ۶۰ و نتائج التقلید صفحہ ۲)

الجواب: غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ بڑا سخت اور سنگین ہے کہ وہ مطلقاً تقلید کو شرک و بدعت اور گمراہی سے کم تصور نہیں کرتے اور ایسے بڑے دعوے کے اثبات کے لیے جس طرح قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل درکار ہے یہ حدیث اس کا مصداق نہیں ہے خود حضرت امام ترمذیؒ غطیفؒ بن اعینؒ پر ہلکی سی تنقید کا اشارہ فرما کر اس میں کلام کر رہے ہیں اور باوجودیکہ حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک امام ترمذیؒ حدیث کی تصحیح و تحسین میں بڑے متساہل ہیں۔ مگر وہ بھی اس حدیث کے بارے حسن غریب سے زیادہ کچھ نہیں کر سکے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ۔

ذکرہ ابن حبانؒ فی الثقات روی لہ الترمذیؒ حدیثاً واحداً وقال لیس بمعروف فی الحدیث قلت وضعفہ الدارقطنی (تہذیب التہذیب صفحہ ۲۵۱ جلد ۸)

اس کا ذکر امام ابن حبانؒ نے ثقات میں کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اس سے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ حدیث میں معروف نہ تھا میں کہتا ہوں کہ امام دارقطنیؒ نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قطع نظر اس کی روایتی اور سندی بحث سے اس سے غیر مقلدین حضرات کا اہل اسلام کی جائز اور ثابت تقلید کے بطلان پر استدلال درست نہیں ہے اولاً اس لیے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر کبیر، عقد الجید۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ تفسیر عزیزی۔ تنویر العینین اور تفسیر مظہری وغیرہ کے حوالوں سے اہل کتاب کے اپنے احبار و رہبان کو اربابا من دون اللہ بنانے کی تشریح یوں نقل کرتے ہیں واللفظ للاول

قال الربیع قلت لابی العالیۃ کیف کانت الربوبیۃ فی بنی اسرائیل؟ فقال انہم ربما وجدوا فی کتاب اللہ تعالیٰ ما یخالف قول الاحبار والرھبان فکانوا یاخذون باقوالھم وما کانوا یقبلون

حضرت ربیعؒ نے کہا کہ میں نے ابوالعالیہؒ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل کا علماء کو رب ٹھہرانا کیونکر تھا؟ انہوں نے کہا کہ اکثر کتاب اللہ میں وہ مسئلہ جو ان کے علماء کے مخالف ہوتا اس میں وہ اپنے علماء کے قول کو لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ دیتے تھے۔

حکم اللہ تعالیٰ الخ (معیار الحق ص۷۸، وراجع ص۷۷ الی ص۸۳)

اور ان کے شیخ الکل ہی اس مفہوم کو اپنے عالمانہ اور فاضلانہ الفاظ میں یوں ادا کرتے ہیں یہ مراد نہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو خدا ٹھرا لیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اطاعت انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی برخلاف حکم خدا اور رسول کے کی تھی (بلفظہ معیار الحق ص۷۷) اور ہم باحوالہ یہ بحث اسی پیش نظر کتاب میں درج کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برخلاف کسی کا کوئی حکم ماننا خالص کفر ہے ایسی تقلید کے کفر و شرک اور بدعت و ضلالت ہونے سے یہ کیونکر اور کیسے لازم آیا کہ غیر منصوص مسائل میں لاعلم آدمی کا علماء اور مجتہدین کی طرف رجوع کرنا اُن سے مسائل دریافت کرنا، اور ان کو مجتہد تصور کرتے ہوئے اُن کی تقلید کرنا بھی شرک و بدعت ہے حالانکہ ایسے موقع پر علماء کی طرف رجوع کرنا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کما مر

وثانیاً اہلِ کتاب نے جس معنیٰ میں اپنے علماء اور درویشوں کو ارباباً من دون اللہ بنا رکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ ان کو شارع مقنن اور معصوم عن الخطاء سمجھتے ہیں جب کہ مقلدین حضرات کا کوئی بھی طبقہ اور فرقہ اس باطل نظریہ کا قائل نہیں ہے کہ حضرات ائمہ مجتہدین معصوم عن الخطا ہیں کتب اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ المجتہد یخطئ و یصیب یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی ہو سکتی ہے وہ معصوم نہیں امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازیؒ المتوفیٰ ۳۷۰ھ روافض کے اس نظریہ کی کہ اولوا الامر سے ائمہ معصومین مراد ہیں جن کے ہم قائل ہیں تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

والفقہاء والامراء یجوز علیہم الغلط والسہو والتبدیل والتغییر وقد امرنا بطاعتہم وھذا یبطل اصل الامامۃ فان شرط الامامۃ عندھم ان یکون معصوماً لا یجوز علیہ الغلط والخطأ والتبدیل والتغییر الخ

(احکام القرآن ص۲۱۱ ج۲)

حضرات فقہاء اور امراء کے حق میں جائز ہے کہ ان سے سہو تبدیل اور تغیر واقع ہو بایں ہمہ ہم ان کی اطاعت کے مامور ہیں اور یہ نظریہ امامت کے قاعدہ کو باطل کرتا ہے کیونکہ روافض کے نزدیک امامت کی شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو اس سے غلطی سہو اور تبدیل و تغیر کوئی چیز جائز نہیں ہے۔

کتب فقہ اور شرح حدیث میں اس کی صریح مثالیں موجود ہیں کہ حضرات ائمہ دین سے بعض مسائل

میں اجتہادی غلطی اور خطا ہوئی اور انہوں نے اپنی پہلی رائے کو ترک کر کے اور اس میں تبدیل اور تغیر کر کے اس کے خلاف قول اور رائے اختیار کی اور قول قدیم سے قول جدید کی طرف رجوع کیا لیکن روافض کے نزدیک ائمہ کرام غلطی اور خطاء اور تبدیل و تغییر سے بالکل معصوم اور منزّہ ہیں اُن کی رائے وحی کی طرح حرفِ آخر اور اٹل ہوتی ہے اور اسی لیے اہل حق کے تمام طبقے شیعہ اور روافض کے اس باطل نظریہ کی پُر زور تردید کرتے ہیں کہ حضرات ائمہ کرام معصوم ہیں کیونکہ اگر وہ معصوم ہوں تو پھر نبی اور امام کا کیا فرق رہا؟۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں احبار و رہبان کے متعلق جن کو اہل کتاب اپنی اصطلاح میں پوپ کہتے ہیں۔ یہ لکھا ہے۔

لہذا پوپ عقائد کے معاملہ میں مقتدرِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اسی حجیّت اور اسی معصومیت کا حامل ہے جو پورے کلیسا کو مجموعی طور سے حاصل ہے (جیسا کہ جمہور اہل اسلام اجماع کی حجیّت کے قائل ہیں۔ صفدر) چنانچہ پوپ واضع قانون اور قاضی کی حیثیت میں وہ تمام اختیارات رکھتا ہے جو کلیساؤں کی اجماعی کونسل کو حاصل ہیں چنانچہ پوپ کے اقتدار اعلیٰ کے دو لازمی حقوق ہیں ایک عقائد وغیرہ کے معاملہ میں معصوم عن الخطا ہونا اور دوسرے تمام اہل عقیدہ پر ہر پہلو سے مکمل قانونی اختیار۔ (ص ۲۲۲ و ۲۲۳ ج ۱۸ مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ پوپ ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۴ از مولانا محمد تقی عثمانی)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لفظ پوپ کی معصومیّت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رومن کیتھولک چرچ پوپ کی جس معصومیّت کا قائل ہے اس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ جب پوپ تمام اہل عقیدہ پر نافذ ہونے والا کوئی ایسا فرمان جاری کرے جو عقائد یا اخلاقیات سے متعلق ہو تو وہ غلطی نہیں کر سکتا (ج ۱۲ ص ۲۱۸ مقالہ معصومیت ماخوذ از تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

ان حوالوں سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اختصاراً بقول مولانا محمد تقی عثمانی یہ ہیں جو بالکل بجا ہیں۔

(۱) پوپ ایک مستقل حجّت ہے جب کہ مجتہد کے قول کا حجّت شرعیہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے (یعنی حجج اربعہ شرعیہ میں سے نہ ہونا کما مرّ بفضلہ تعالےٰ نہ یہ کہ عامی کے لیے اس کا قول حجت ہی نہیں صفدر)

(۲) پوپ عقائد کے معاملے میں بھی با اختیار ہے اور مقلّدین عقائد میں تقلید کے قائل نہیں۔

(۳) پوپ عقائد کے معاملے میں بھی با اختیار ہے اور مقلّدین میں سے کوئی بھی مجتہد کو شارع یا واضع

قانون نہیں مانتا بلکہ ان کو قانون کے شارح اور مفسر جانتا اور مانتا ہے ۔

(۴) پوپ معصوم عن الخطا ہے اور مقلدین اپنے ائمہ مجتہدین کو معصوم عن الخطا تسلیم نہیں کرتے ۔

(۵) پوپ کو اپنے اہل عقیدہ پر مکمل طور سے قانونی اختیار حاصل ہوتا ہے اور کوئی بھی اہل عقیدہ اس کے حکم سے منحرف ہونے کا مجاز نہیں اس کے برعکس مقلدین حضرات ضرورت وقت اور ماحول کی مجبوریوں کی وجہ سے اپنے امام کا قول چھوڑ کر دوسرے ائمہ کرامؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں ۔ جیسا کہ متاخرین علماء احنافؒ نے مفقود الخبر، نامرد اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے بارے میں مالکی مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیا ہے ۔ جس کی خاصی باحوالہ بحث حضرت مولانا تھانویؒ کی علمی کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ میں موجود ہے ۔ اندریں حالات حضرت عدیؓ بن حاتم کی اس حدیث کو مقلدین کی جائز اور ثابت تقلید پر چسپاں کرنا نری جہالت اور خالص تعصب ہے ۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اتخذوا احبارھم الآیۃ اور حضرت عدیؓ کی حدیث سے بلاتفصیل تقلید کی تردید کی اور اسے شرک ضلالت اور بدعت کہا اور انہوں نے تقلید جامد کاسد اور تقلید مرغوب و مندوب کا فرق نہیں کیا وہ خود گمراہی کا شکار ہیں (غیث الغمام ص۹)

باب پانزدہم

ہم فریق ثانی کے اس نظریہ کے سمجھنے سے تا ہنوز قاصر ہیں کہ ایک طرف تو وہ اجماع وقیاس کے متعلق متضاد نظریات رکھتا ہے ایک طبقہ اہلحدیث کا مذہب یہ بتلاتا ہے کہ اجماع وقیاس اصول دین میں سے ہیں اور دوسرا طبقہ حجت نہیں سمجھتا کما مرّ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد اور دوسری طرف اقوال حضرات صحابہ کرامؓ اور اجماع وقیاس سے استدلال بھی کرتا ہے ایک طرف تو وہ غیر نبی کی بات اور قول کو ماننے کی وجہ سے شرک و بدعت کا فتویٰ صادر کرتا ہے اور دوسری طرف آڑے وقت ان کے اقوال سے آسرا بھی پکڑتا ہے مگر تکمیل بحث کے لیے ہم اس باب میں اس کے وہ استدلالات بھی عرض کرتے ہیں جو اجماع اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال سے وہ کرتا ہے چنانچہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل تقلید کی تردید میں چار دلیلوں میں سے تیسری دلیل یہ بیان کرتے ہیں۔

تیسری دلیل اجماع صحابہؓ کا جو قرافیؒ نے نقل کیا ہے ہم اُن کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں صفدر) اور جمع ہو گئے ہیں صحابہؓ اس پر کہ جو شخص ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ سے فتویٰ پوچھ کر اُن کے قول پہ عمل کرے اسے روا ہے کہ فتویٰ پوچھ لے ابوہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے آگے جن جن کتابوں میں یہ حوالہ آیا ہے اُن کا نام ذکر کیا ہے اور پھر آگے کتب اصول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قوی تر اجماع صحابہ رضؓ کا ہے خلاف اس کا مقبول نہیں بلکہ مردود ہے اور اجماع تمام مسلمین کا قرون اولیٰ میں چنانچہ روایت (یعنی حوالہ اور دلیل نرکہ حدیث۔ صفدر) ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ اسے بوجہ بسط پہلے معلوم ہوا پس جب کہ کل صحابہؓ اور تمام مومنین کا قرون اولیٰ میں اس پر اجماع ثابت ہوا کہ کبھی ایک مجتہد کی تقلید کرتے اور کبھی دوسرے مجتہد کی پھر اب ایک ہی مذہب کا التزام کرنا اور اس کو واجب

جاننا اور تارک اس التزام کو گمراہ جاننا اور لامذہب نام رکھنا اور لائق تعزیر کے جان کر تعزیر دینی اور مردود الشہادۃ کہنا پھر بہ نسبت ایسے عقیدہ والے کی بدعت ضلالہ اور حرام نہیں تو کیا ہے؟ اور معتقد ایسے عقیدہ اور عمل کا مصداق اس آیت کریمہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ کا کیونکر نہ ہوگا؟ اور مصداق من شذ شذ فی النار کا اس حدیث سے اتبعوا السواد الاعظم ومن شذ شذ فی النار کس طرح نہ ہوگا؟ بلفظہ (معیار الحق ص۱۵۷ و ص۱۵۸)

الجواب:- اس دلیل سے بھی تقلید کی تردید واضح نہیں ہے صرف دفع الوقتی ہے۔ اولاً اس لیے کہ مؤلف مدار الحق ص۳۱ سے ص۳۳۰ تک اس کا مفصل جواب دیتے ہیں جس میں ایک دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صلاحِ زمانہ اور فسادِ زمانہ کا حکم الگ ہے مثلاً صلاح زمانہ کے دور میں ایک حدیث میں آتا ہے لا تمنعوا نساءکم المساجد (الحدیث (مسلم ص۱۸۳ ج۱) اور فساد زمانہ کے دور میں دوسری حدیث میں آتا ہے لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری ص۱۲۰ ج۱ ومسند احمد ص۱۹۳ ج۶ وفی روایۃ احمدؒ قالت عائشہ رضؓ ولو رأی حالهن الیوم منعهن مسند احمد ص۷۰ ج۶ و ص۱۹۳ ج۶) تو حضرات صحابہ کرامؓ کا زمانہ اچھا تھا اور وہ سب کے سب عدول تھے اور مضمون حدیث اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (مشکوٰۃ ص۵۵۴ ج۲ وقال رواہ رزینؒ) حافظ ابن القیمؒ اعلام الموقعین ص۲۳۶ ج۲ میں اس حدیث کی اسانید پر بڑی بحث کرتے ہیں اور فرماتے ہیں لا یثبت شیء منها اور اسی طرح امام ابن عبد البرؒ نے بھی اس کی صحت میں کلام نقل کیا ہے جامع بیان العلم ص۹۰ ج۲ وص۹۱ مگر اتنی بات انہوں نے بھی تسلیم کی ہے کہ وانما کل واحد منهم نجم جائز ان یقتدی به العامی الجاهل بمعنی ما یحتاج الیه من دینه وکذالک سائر العلماء مع العامة ص۹۰ ج۲ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک ہدایت کا ستارہ ہے عامی جاہل کے لیے جائز ہے کہ وہ جس دینی مسئلہ میں ان کا محتاج ہو ان کی اقتدار کرے اور اسی طرح عام لوگ بھی علماء کی اقتدار کریں۔ مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت گو علماء محدثین نے سخت ضعف کا حکم لگایا ہے ملاحظہ ہو اعلام الموقعین وغیرہ مگر خاکسار راقم کے خیال میں یہ حدیث بلحاظ معنی بہت صحیح ہے کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ ستاروں میں روشنی اصلی نہیں کیونکہ ان کی روشنی کا منبع سورج ہے نور القمر مستفاد من نور الشمس الخ

اجتہاد و تقلید صفحہ ۹۲ پھر آگے یہ تاویل کی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مستفاد ہے۔ اور اس کا مصداق حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ روایتیں ہیں جو مرفوع ہوں ان میں انکی اقتداء ہے نہ کہ موقوفات میں محصلہ لیکن حضرات صحابہ کرامؓ کی اقتداء میں ان کے موقوفات بھی یقیناً شامل ہیں۔

اولاً اس لیے کہ مرفوع احادیث کی حجیت تو اپنی جگہ صریح اور قطعی دلائل سے ثابت ہے پھر ان کی حجیت کے لیے حضرات صحابہ کرامؓ کو نجوم قرار دینے اور ان کی اقتدار کی ترغیب دینے کا کیا مطلب ہے و ثانیاً حضرات خلفاء راشدینؓ بھی تو صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سنت پر اُن کی سنت کو عطف کر کے امت کو اس کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدینؓ الحدیث اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اُن کے موقوفات بھی قابلِ اعتبار اور حجت ہیں۔ ورنہ حرف عطف کے ساتھ ان کی سنت کو الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

وثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناجی فرقہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ما انا علیہ واصحابی (یعنی میرے اور میرے حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقہ) پر کاربند ہوگا مرفوع حدیث کا اجمالاً ذکر تو ما انا علیہ میں آگیا۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ کے موقوفات اور ان کے اقوال و افعال حجت نہیں ہیں تو واصحابی کا پیوند ساتھ لگانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ واو عطف مغایرت کے لیے آتا ہے؟۔

ورابعاً خود اسی روایت اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم میں بایہم میں ھم ضمیر ہے اور ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کی ذوات کی اقتداء میں ان کا قول و فعل یقیناً داخل ہے جیسا کہ امام ابن عبدالبرؒ کی عبارت سے عیاں ہے۔ وخامساً حکماء کے مقولہ نور القمر مستفاد من نور الشمس سے بالکل واضح ہے کہ سورج کا بعینہٖ نور تو قمر اور ستاروں میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا پرتو ہوتا ہے اگر بعینہٖ وہی نور ہوتا تو اسی طرح کی نورانیت اور حرارت اس نور مستفاد میں بھی ہوتی جس طرح کہ سورج میں ہے۔ حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ قمر اور ستاروں میں جتنی روشنی ہے وہ سورج ہی سے مستفاد ہے لیکن ہے قمر اور ستاروں میں اور حسب ارشاد خداوندی وبالنجم ھم یھتدون لوگ ستاروں سے بھی راہنمائی حاصل کرتے ہیں نہ کہ نجوم کے ضمن میں براہ راست سورج کی روشنی سے جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے جب سورج غائب ہو جاتا ہے تو پھر قمر اور نجوم سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے

اسی طرح آفتاب نبوت سے روشنی حاصل کرنے والوں کو جب آفتاب نظر نہیں آتا یعنی مرفوع احادیث نہیں ملتیں تو وہ قمر و نجوم یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال سے اکتساب فیض پر مجبور ہوتے ہیں صفدر) اس وقت جاہل آدمی جس سے دریافت کرتا ٹھیک تھا مگر بعد کو شر اور فساد پیدا ہوا۔ تو قابل اعتماد بزرگ کی تقلید کا سوال پیدا ہوا پھر آگے لکھتے ہیں کہ کیونکہ اس زمانہ میں بغیر قید وجوب کے فساد کا یہ دروازہ بند نہیں ہو سکتا پس ضروری ہے قید وجوب تعیین مذہب کی واسطے حفظ دین کے تاکہ فساد کا دروازہ بند ہو۔ (محصلہ مع تغییر یسیر مدار الحق صد ۳۱۴) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ حضرات سے مذہب معین کی تقلید کے وجوب پر عبارات باحوالہ پہلے عرض کر دی گئی ہیں۔ وثانیاً اس لیے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل حضرات فقہاء کرامؒ میں رائج تقلید شخصی کے مفہوم اور مقلدین کی تقلید سے بالکل تغافل برت رہے ہیں مثلاً حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کا یہ مطلب ہے کہ غیر منصوص مسائل میں یا ایسے مسائل میں جن کے دلائل متعارض ہوں وہ حضرت امام صاحبؒ کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے بیان کردہ اصول و ضوابط سے کام لیتے ہوئے پھر ان کے مشہور تلامذہ حضرت امام ابو یوسفؒ حضرت امام محمدؒ بن الحسنؒ حضرت امام زفرؒ (علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ احناف نے سترہ مقامات میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اقوال چھوڑ کر ——————— امام زفرؒ کے اقوال لیے ہیں صد $\frac{۹۶}{۱}$) حضرت امام عافیہؒ اور حضرت امام حسنؒ بن زیادؒ وغیرہ سے بھی مسائل اخذ کرتے ہیں اور لبا اوقات حضرات صاحبینؒ یا ان میں سے کسی ایک کے قول پر بھی فتویٰ دیتے ہیں اور بعض مسائل حضرت امام مالکؒ (ممتدۃ الطہر کے مسئلہ میں نو ماہ کی عدت گذارنے کا فتویٰ حضرت امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ شامی صد $\frac{۸۲۸}{۲}$ اور اسی طرح مفقود الخبر۔ زوجہ متعنت فی النفقۃ اور حکم زوجہ مفقود کے بارے میں احناف نے حضرت امام مالکؒ وغیرہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے (شامی صد $\frac{۴۵۶}{۳}$) حضرت شیخ الکل لکھتے ہیں کہ علماء حنفیہ عراق اور ماوراء النہر نے سات مسئلوں میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دے رکھا ہے الخ (معیار الحق صد ۱۳۲) اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ سے بھی لیتے ہیں غرضیکہ وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ کرامؒ سے مسائل دریافت کرنا حرام نہیں سمجھتے بلکہ ان کے بعض مسائل پر عامل ہیں تو غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل کے اس نقل کردہ اجماع کی مقلدین پر کیا زد پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے؟ کیونکہ بوقت ضرورت مقلدین نے کبھی ایک امام کا فتویٰ لیا اور کبھی دوسرے کا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کی خلاف ورزی

فریق ثانی کے شیخ الکل تو تقلید کی نفی پر اجماع صحابہؓ کا حوالہ دیتے ہیں لیکن مشہور غیر مقلد عالم محمدؒ بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ ایک معترض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ۔

وھذا کلہ یؤدی الی تمکن العامی من عدم وجوب الرجوع الی العلماء لکن المعلوم وجوب ذلک علی العوام من اجماع الصحابۃ رض فبطل ما ادی الی مخالفۃ اجماعھم۔

اور (تمہاری) یہ سب بات یہاں تک پہنچاتی ہے کہ عامی کے لیے علماء کی طرف عدم وجوب رجوع کی بھی وسعت ہے لیکن حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع سے یہ معلوم ہے کہ عامی پر علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو چیز حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع کے خلاف ہو تو وہ خود باطل ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں

واما اجماع الصحابۃ رض علی تقریر العوام علی التقلید فلانہ اجماع فعلی لا لفظی الخ (الروض الباسم ص ۱۰۹ ج ۱)

اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع فعلی سے نہ کہ لفظی (اور نصی) سے یہ ثابت ہے کہ عوام کو تقلید پر برقرار رکھا جائے گا۔

یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کا اس امر پر فعلی اجماع ہے کہ لاعلم اور عامی کا علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور عوام کے لیے تقلید کے جواز پر گو حضرات صحابہ کرامؓ کا لفظی (اور نصی) اجماع تو نہیں لیکن اجماع فعلی ضرور ہے اور فریق ثانی کے شیخ الکل کے بیان کے مطابق قوی تر اجماع حضرات صحابہ کرامؓ کا ہے اور اس کے خلاف کرنے اور کہنے والا گمراہ لامذہب لائق تعزیر اور مردود الشہادۃ اور بدعت ضلالہ اور حرام کا مرتکب ہے اور عملاً مصداق اس آیت کریمہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ اور مصداق حدیث اتبعوا السواد الاعظم ومن شذ شذ فی النار کا ہے اب فیصلہ قارئین کرام خود کرلیں۔

اور فریق ثانی کے حضرت شیخ الکلؒ ہی کے حوالہ سے پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ تقلید مباح ہے حالانکہ بدعت حرام اور ناجائز چیز کبھی مباح نہیں ہو سکتی اور یہ بات بھی انہی کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے کہ جاہل آدمی لاعلمی کے وقت صرف ایک ہی عالم سے دریافت کرلے تو عہدہ تکلیف سے فارغ ہو جاتا ہے مگر یہاں اس کارروائی کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف قرار دے رہے ہیں عجیب دو رنگی ہے

~ ساقی تیرے کرم پر بڑا اعتماد تھا ناکام جا رہے ہیں تعجب کی بات ہے

قیاسی دلیل

غیر مقلدین حضرات کے حضرت شیخ الکلؒ تقلید شخصی کی تردید میں چوتھی قیاسی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "چوتھی دلیل قیاس مجتہد معین کا ائمہ اربعہؒ میں سے مجتہد معین پر خلفاء اربعہؓ میں سے تصویر اس کی یہ ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن کے اجتہاد سے کسی کو انکار نہیں اور فضائل ان کے اظہر من الشمس ہیں باجماع اہلسنت کے تقلید بالتخصیص ان کی واجب نہ ہوئی اور کوئی مذہب ان کا خاص کر التزام نہیں کرتا تھا تو اب مثلاً ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید بالتخصیص بطریق اولیٰ واجب اور لازم ہر مسئلہ میں نہ ہوگی۔ پس قول اس کے واجب ہونے کا حرام ہوگا بحکم آیت کریمہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

اور نہ کہو اس چیز کو جس سے تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ نہ باندھو اللہ پر جھوٹ (یہ ترجمہ حضرت شیخ الکل ہی کا ہے)

اور اس استدلال سے ہمارے کسی کو یہ شبہ نہ گزرے کہ غیر مجتہد ہو کر قیاس کیوں کیا؟ اس لیے کہ یہ وہ قیاس نہیں جو کہ مستنبط علیہ سے ہو اور مختص ساتھ مجتہد کے ہوتا ہے بلکہ یہ دلالۃ النص ہے کما فی قولہ تعالیٰ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ سو نہ کہو ماں باپ کو اُف دلالت علی نہی الضرب ہے اور دلالۃ النص کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن الھمامؒ تحریر میں فرماتے ہیں۔ دلالۃ النص قیاس سے جدا ہے اس بات میں کہ قیاس مجتہد کے ساتھ خاص ہے اور دلالۃ النص کو سب عام لوگ سمجھتے ہیں اور قیاس کہنا اس کو امام رازیؒ کے مذہب پر مبنی ہے چنانچہ مسلّم میں کہا ہے اور گروہ حنفیوں اور شافعیوں کا اس پر ہے کہ دلالۃ النص قیاس نہیں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ قیاس جلی ہے اور اس کو امام رازیؒ نے پسند کیا ہے وھٰکذا فی مغتنم الحصول انتہی بلفظہ (معیار الحق ص۱۵۸)

الجواب: غیر مقلدین حضرات کے حضرت شیخ الکلؒ عجیب الجھن میں مبتلا ہیں کہ اپنی اس دلیل کو دلالت النص سے ثابت مانتے ہیں اور چونکہ عنوان قیاسی دلیل کا قائم کیا ہے اس لیے علمی جگر کاٹ کاٹ کر اسے قیاس بنانے اور کہنے پر بھی مجبور ہیں اور اس کے لیے حضرت امام رازی الشافعیؒ کے دامن میں پناہ لیے بغیر چارہ بھی نہیں پاتے اور ان کی دلیل سے استفادہ پر مجبور ہیں ~

چمک جگنو کی برق بے اماں معلوم ہوتی ہے
قفس میں رہ کے قدرِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

مگر یہ سب کچھ کرنے اور کہنے کے باوجود بھی اُن کی یہ چوتھی دلیل بھی ناتمام اور تقریب تام نہیں ہے اوّلاً اس لیے دلالۃ النص کے قیاس اور غیر قیاس ہونے کا معاملہ اپنی جگہ پر ہے موصوف نے دلالۃ النص کے سمجھانے کے لیے جس طرح قرآن کی آیت کریمہ پیش کی ہے اس مقام پر قرآن و حدیث کی کون سی نص ہے جس سے دلالۃ النص کے طور پر ان کا استدلال سمجھ آسکے؟ اگر وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے تعامل کو بزعم خویش نص قرار دیتے ہیں تب بھی ان کا استدلال ناتمام ہے ایک تو اس لیے کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں تقریباً اڑھائی سال حضرات صحابہ کرامؓ انہیں کی اتباع۔ پیروی اور تقلید کرنے کے شرعاً مکلف تھے اگر وہ حضرات صحابہ کرامؓ کے آخری دور تک زندہ رہتے تو تمام حضرات صحابہ کرامؓ (اور تابعینؒ) انہیں کی تقلید (اتباع میں) وفات پاتے جب کہ حرام بدعت اور شرک و کفر ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہیں ہے اور دوسرے اس لیے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کی اتباع اور تقلید سے گریز نہیں کیا تو کیا دلالت النص سے یہ ثابت نہ ہوا کہ تقلید شخصی واجب اور جائز ہے ورنہ کبھی وہ حضرات اس کو اختیار نہ کرتے اور تیسرے اس لیے کہ جب عبارۃ النص اور اشارۃ النص کا تعارض ہو تو عبارۃ النص کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص کا تعارض ہو تو اشارۃ النص کو ترجیح ہوتی ہے (حسامی ص۲۰ وص۲۱) اور ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔ کہ مثلاً حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کا حضرت عبداللہؓ بن مسعود پر اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا حضرت علیؓ پر اور حضرت ابن مسعودؓ کا حضرت عمرؓ پر اعتماد عبارۃ النص سے تقلید شخصی ثابت کرتا ہے اور ان حضرات کا عبارۃ النص سے استدلال حضرت شیخ الکلؒ کے دلالۃ النص کے استدلال سے بہر کیف اور بہر حال راجح اور مقدم ہے۔

وثانیاً۔ اس لیے کہ لاعلم کے لیے تقلید کا واضح ثبوت تو نصوص سے ثابت ہے۔ جن میں سے ایک نص فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ الآیۃ ہے کما مر۔ تو نص کے مقابلہ میں قیاس کا کیا مطلب؟ اور وہ بھی پھر اقراری غیر مجتہد سے؟

صد شکر کہ دنیا میں بھٹکتے نہ پھرے ہم
اللہ کے گھر پہنچے تیرے گھر سے نکل کر

وثنائؒ: اس لیے کہ مؤلف مدار الحق علہ لکھتے ہیں کہ

اقول یہ قیاس مصنف معیار الحق کا قیاس مع الفارق ہے۔ بیان اس اجمال کا یہ ہے کہ صحابہؓ سے نہ قواعد اصول کے قرار پائے اور نہ کوئی مذہب جمع مسائل دین میں مدوّن ہوا۔ نہ ایک نہ دو۔ سوائے جمع کرنے قرآن شریف کے الخ (مدار الحق ص ۳۲۱)

چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں نہ تو فقہی قواعد واصول مرتب اور مدوّن ہوئے اور نہ فقہی کتابیں لکھی گئیں اور نہ نئے نئے حوادث ونوازل اس وقت پیش آئے۔ اور نہ باطل فرقوں کے عقائد باطلہ اور بدعات اس وقت رائج تھیں۔ اس لیے حضرات صحابہ کرامؓ کے مبارک زمانہ پر بعد کے حالات کو قیاس کرنا ہی مع الفارق ہے۔ اور اسی قسم کا سوال رافضی کا بھی تھا کہ تم حنفی وشافعی تو کہلاتے ہو مگر ابوبکری اور عمری نہیں کہلاتے، جس کا جواب حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے۔ اور مؤرخ ابن ندیمؒ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ شرقاً وغرباً۔ شمالاً وجنوباً علم حضرت ابوحنیفہؒ کا تدوین کردہ ہے تو ایسے حالات میں ان پر کیوں اعتماد نہ کیا جائے؟

جناب شیخ الکل کے اس جملہ پر کہ پس قول اس کے واجب ہونے کا حرام ہوگا۔ گرفت کرتے ہوئے مؤلف مدار الحق لکھتے ہیں کہ۔

خود مصنف معیار بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ فتویٰ مصنفِ معیار کا مُہری موجود ہے۔ اور عبارت اس کی یہ ہے کہ جو شخص مذہب خاص کی پیروی کرنے والے کو مرتکب بدعت ضلالت کہتا ہے وہ مردود اور گمراہ ہے۔ (نذیر حسین) انتہیٰ (ص ۲۹۵)

علہ مولانا محمد شاہ صاحبؒ ساکن پاک پٹن ضلع ساہیوال تلمیذ مولانا نواب قطب الدین خان صاحب دہلویؒ وتلمیذ حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تنویر العینین اور ایضاح الحق کے رد میں کتاب لکھی۔ جس کا نام تنویر الحق ہے۔ اس کے رد میں حضرت میاں صاحبؒ نے معیار الحق لکھی ہے۔ پھر اس کے رد میں بحکم جناب مولانا قطب الدین خان صاحب دہلویؒ حضرت مولانا محمد شاہ صاحبؒ نے مدار الحق لکھی ہے۔ جو اپنے طرز میں انوکھی اور مفصل کتاب ہے۔ ۱۲ منہ

قطع نظر اس حوالہ کے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ لاعلم کے لیے اہلِ علم کی تقلید واجب ہے۔ اور ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلف حکم خداوندی کی تعمیل سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اور وجوب والتزام سے گریز کرنے میں خطرۂ ضیاعِ ایمان ہے تو اس کو ناجائز اور حرام کہنا خود ولا تقولوا الآیۃ کا صحیح مصداق ہے۔ کہ حلال چیز کو حرام قرار دینا بھی افتراء علی اللہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو بہت کم نظر آتا ہے۔ اور دوسرے کی آنکھ میں تنکے پر بھی نگاہ پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق اور اہلِ حق سے محبت نصیب فرمائے اور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے اور اس حقیر تالیف کو راقم اثیم کی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ اور عامۃ المسلمین کے نفع کا باعث بنائے وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ۔ ٹھنڈے دل سے علمی طور پر معنوی اور لفظی اغلاط کی نشاندھی کرنے والے کی شرح صدر سے قدر کی جائیگی اور انشاء اللہ العزیز غلط بات کی اصلاح سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا۔

وصلی اللہ تعالیٰ وتبارک وسلم علی خیر خلقہ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اصحابہ وآلہ وازواجہ وذریتہ وجمیع اتباعہ الیٰ یوم الدین آمین یارب العلمین

احقر الناس

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

خطیب جامع مسجد گکھڑ، و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۵ رجب ۱۴۰۴ھ

۸ اپریل ۱۹۸۴ء

ل

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

الکلام المفید فی اثبات التقلید پر دورِ حاضر کے بعض جیّد اور محقق حضرات علماء کرام کی

زرّین اور قیمتی تصدیقات

حضرت الاستاد محققِ دوراں شیخ المنقول والمعقول مولانا عبد القدیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بخدمت گرامی قدر شیخ الحدیث حضرت مولانا المحترم محمد سرفراز صاحب زاد اللہ مجدکم

از بندہ عبد القدیر بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ! جناب کا والا نامہ مع کتاب الکلام المفید فی اثبات التقلید موصول ہوا۔ دیکھ کر نہایت ہی خوشی ہوئی۔ کتاب اپنی ظاہری زیبائش کے ساتھ باطنی موتیوں کا خزانہ نظر آیا۔ کتاب صحیح معنوں میں حجۃ اللہ علی الاعداء اور شفاء المرضیٰ ہے۔ الحمد للہ والمنۃ۔ صحیح المزاج، سلیم الدماغ لوگوں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مفید بصیرت و بصارت ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین۔

کتاب کے پڑھنے اور اندازِ بیان کے دیکھنے سے مسرت ایسی حاصل ہوئی کہ بس کرنے کو جی نہ چاہتا لیکن ضعفِ نگاہ کی وجہ کسی مقدار پر اکتفاء کر لیتا۔ خیال ہوا کہ کثیر مقدار پڑھنے کے بعد آپ کو پیغام مبارک باد لکھوں گا لیکن اس میں تاخیر ہوتی گئی۔ گھر کے عوارض ایسے درپیش آئے کہ ہر جمعہ کو گھر جانا پڑتا۔ پھر عموماً جمعہ کے ساتھ ہفتہ کا ناغہ بھی ہو جاتا۔ اس میں کافی دیر گزر گئی۔ ناراضگی نہ فرمائیں۔ معذرت پیشِ خدمت ہے۔

کتاب نہایت ہی محققانہ اور منصفانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ کوئی بدنصیب محروم القسمت ہی انحراف کرے گا۔ ضد و عناد کا علاج ہی نہیں۔ مزاج فاسد ہو جائے تو شیریں چیز پھیکی محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حدیث کہلانے والے یا اہلِ قرآن کا نام رکھنے والے یا لعینِ قادیان کے ماننے والے ایک ہی باغ کی پیداوار ہیں۔ آپ نے صحیح تحریر فرمایا کہ انگریزی پشت پناہی سے ان درختوں کو پھل پھول لگا۔ تفریق بین المسلمین کا راستہ جس نے ایجاد کیا اس کو سرکار انگریز اور اس کے حواری خوب اپناتے رہے اور اہلِ حق کے بالمقابل ابھارتے رہے۔ لیگ کے دورِ حکومت میں بھی یہی راستہ چلا گیا۔ میں نے ایک ضدی اہلِ حدیث بننے والے

کو کہا کہ تم تو انگریزی دور کی پیداوار ہو جیسے قادیانی۔ اس نے کہا؟ کیسے؟ میں نے کہا کہ میں یہ کلمہ عناد اور ضد سے نہیں کہتا بلکہ دلیل سے کہتا ہوں وہ یہ کہ :

"جہاں انگریز کا منحوس قدم گیا وہاں تم ہو اور جہاں اس کا قدم نہیں پہنچا وہاں تم نہیں ہو۔ دیکھا کہ کابل کے ملک میں، عرب ترک میں انگریز نہیں جا سکا وہاں تم نہیں ہو۔ یہ دلیل ہے کہ تم انگریزی آثار کی پیداوار ہو"

وہ کہنے لگا کیسے ہم تو حجاز میں ہیں؟ میں نے کہا تم تو ایسے بدتمیز ہو کہ اپنے پرائے کو نہیں پہچانتے۔ وہاں جو لوگ تمہیں رفع یدین، آمین کہنے والے نظر آتے ہیں وہ اور لوگ ہیں تم نہیں ہو۔ وہ تو یا شافعی المذہب، یا امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب والے ہیں۔ تم لوگ کوئی یہاں کا گیا ہوا ہو تو ممکن ہے ورنہ وہ لوگ ائمہ مذاہب کے پیروکار ہیں تمہارے لوگ لامذہب ہیں۔

بہرحال آپ کی کتاب اس باب میں کافی وافی ہے۔ انشاء اللہ منصف مزاج سمجھ لے گا کہ اہلِ حق کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے کہ خدمتِ دین نصیب ہو۔ مولانا صوفی عبدالحمید صاحب مدظلہ کو السلام علیکم۔

والسلام

بندہ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ از راولپنڈی

العالم الکامل پیرِ طریقت استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک

مکرمی و محترم المقام حضرت العلام مولانا سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم

سلامِ مسنون! امید کہ مزاج بالخیر ہونگے۔ "الکلام المفید فی اثبات التقلید" موصول ہوئی۔ عزت افزائی کا بے حد ممنون ہوں، نظر کام نہیں کرتی، امراض و عوارض میں گھرا ہوا ہوں، تاہم آپ کی یہ تازہ گرانقدر تصنیف جگہ جگہ سے سُنی، واقعۃً آپ نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ پاک اجرِ عظیم سے نوازے، میری دُعا ہے کہ اللہ کریم اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر مقبول عند الناس بنائے۔

والسلام

عبدالحق غفرلہٗ۔ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

۸، ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب دام مجدہم

حضرت والا مرتبت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب متع اللہ المسلمین بفیوضہم وبرکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ ہدیہ سنیہ "الکلام المفید فی اثبات التقلید" عرصہ ہوا جب وصول ہوا تھا۔ وصولی کی اطلاع بہت پہلے دینی چاہیئے تھی۔ لیکن سُستی ہُوئی بروقت اطلاع نہ دے سکا معذرت خواہ ہوں پھر مسلسل حوادث کا شکار رہا۔ میری سب سے چھوٹی لڑکی جو حافظہ قاریہ تھی کئی ماہ سخت بیمار رہی۔ آخر ہسپتال میں انتہائی شدید نگرانی کے شعبہ میں ۵۱ دن گزار کر راہئ عالمِ بالا ہُوئی۔ اس صدمہ نے نڈھال کردیا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آخری بچہ اڑھائی تین سال کا ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان بچوں کا والی وارث ہو اور سب کو ایمان وعمل سے آراستہ فرمائے۔ آمین۔

میری عمر اب ستر سے تجاوز کر گئی ہے۔ قوتِ کارکردگی خاصی متاثر ہے۔ حافظہ بھی کمزور ہو گیا صبح پڑھتا ہوں شام بھول جاتا ہوں۔ اس کتاب کو بھی تین مرتبہ شروع کیا لیکن فترات وحوادث کی بنا پر پھر ذہن میں پڑھا ہوا محفوظ نہ رہ سکا۔ مولانا صفدر صاحب دامت برکاتہم کی سب ہی تصانیف علم وتحقیق کا مظہر ہوتی ہیں۔ یہ بھی اسی منوال پر ہے آپ دونوں بھائیوں کی مساعی جمیلہ بڑی قابل قدر ہیں۔ حق تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے اور اپنے شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

میں تو ایک طالب علم اور مستفید ہوں۔ جب معاصر اہل علم کی کوئی کتاب نظر سے گزرتی ہے اور نگاہِ عیب جو میں اس کی کوئی بات کھٹکتی ہے تو جرأت کر کے عرض کر دیتا ہوں، شرمندہ ہوں کہ یہ معروضات بہت دیر سے پیش کر رہا ہوں۔ اس وقت ہدیۂ کتاب کا جو رقیمہ پڑھا تو معلوم ہوا کتاب ارسال کیے ایک سال گزر گیا۔ میری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ جب تک یکسوئی نہ ہو قلم نہیں اُٹھتا خطوط کے جواب میں اسی لیے دیر ہو جاتی ہے۔ یہ سال تو میرے لیے عام الحزن ثابت ہوا۔ اسی سال میں میرے گھر میں دو موتیں ہو گئی ہیں۔ بیماروں کی تیمارداری میں بڑی مصروفیت رہی خود بھی خاصا بیمار رہا۔ امید ہے آپ اپنے اخلاقِ کریمانہ سے میری کوتاہی کو نظر انداز فرمائیں گے۔ درس کی مشغولیت

مطالعہ کا سلسلہ الگ رہا۔ خود بھی وقفہ وقفہ سے بیمار رہا۔

"الکلام المفید" ماشاء اللہ حوالوں سے بھرپور ہے اور بڑی محنت وتحقیق سے لکھی گئی ہے اس کو مطالعہ کیے ہوئے کئی ماہ ہوچکے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب کا تقاضا بھی برابر جاری رہا مگر وہی بات کہ

ہر شبے خواہم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
بازچوں فردا شود امروز را فردا کنم

روزانہ بات کل پر ٹلتی رہی۔ آج توفیق ملی تو لکھنے بیٹھ گیا۔ مولانا موصوف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عرصہ میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

(آگے مولانا موصوف نے چند اغلاط کی نشاندہی کی ہے جن کی اب اصلاح کر دی گئی ہے)

والسلام

ناکارہ محمد عبدالرشید نعمانی ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

حضرت العلام مولانا مفتی محمد عبدالستار صاحب دامت برکاتہم رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بگرامی خدمت مخدومنا المکرم حضرت علامہ صفدر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! "الکلام المفید"... مع گرامی نامہ موصول ہوئی اسکے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ بے ساختہ جناب والا کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔

الکلام المفید... اپنے موضوع پر ماشاء اللہ منفرد اور یگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ انسانی کوشش کی حد تک متعلقہ جمیع مالہ وما علیہ کو پوری سنجیدگی اور دیانت کے ساتھ اس میں جمع کر دیا گیا ہے طرز استدلال نہایت مضبوط ومحکم اور طریق جواب، غایت صحیح اور حکیمانہ ہے۔

غیر مقلدیت (لامذہبیت) عالم اسلام کا خطرناک فتنہ ہے جو سلف صالحین پر بد اعتمادی اور دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں رفض وفتنہ استشراق کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اہل اسلام کی انفرادی واجتماعی زندگی ان فتنوں کی زد میں ہے۔ دین میں بنام "تحقیق"، تشکیک وتحریف اور الحاد کے دروازے کھولے جارہے ہیں۔

حق جل شانہ، مخدومنا المکرم حضرۃ العلامہ صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو بے حد حساب

جزائے خیر عنایت فرمادیں کہ آپ نے غیر مقلدیت کی تردید میں الکلام المفید جیسی لاجواب کتاب تصنیف فرما کر اُمّت پر عظیم احسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبول اور خلعت رضائے عالی سے نوازیں۔ آمین یارب العلمین۔

مخدوما بندہ نے فی الحال کتابِ ہٰذا کا سرسری مطالعہ کیا ہے دوبارہ پڑھوں گا۔ اگر کوئی بات قابلِ مشورہ ہوئی تو عرض کردوں گا

تکلیف رہ جاتی ہے۔ شفائے کامل اور خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائی جائے اور اللہ پاک کی رضا حاصل ہو۔ آمین!

فقط والسلام

۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت شیخ الحدیث علامہ فہامہ مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

بگرامی خدمت موقّر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر امد اللہ تعالیٰ فی حیاتہٖ ونفعنا بعلومہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب کی تازہ تالیفِ لطیف "الکلام المفید" احقر کو عرصہ ہوا مل گئی تھی، آنجناب نے جس شفقتِ کریمانہ سے اس ناچیز کو اس ہدیۂ سامیہ سے سرفراز فرمایا۔ اس پر حقِّ شکرادا نہیں کرسکتا اسے بغرضِ استفادہ اپنے سامنے کی الماری میں رکھ لیا تھا لیکن یہ پورا عرصہ متواتر اسفار طویلہ کی نذر ہوتا رہا۔ کراچی میں چند روز سے زیادہ ایک مرتبہ نہیں ملے اس لیے نہ استفادے کی خواہش کی تکمیل ہوسکی اور نہ آنجناب کی خدمت میں سپاس گزاری کا خط لکھ سکا۔ شرمندہ ومعذرت خواہ ہوں۔

اب بفضلہٖ تعالیٰ اس کا ایک معتدبہ حصّہ پڑھنے کا موقع ملا اور احقر کو بڑا فائدہ ہوا۔ آنجناب کی ہر تالیف ہم جیسے طالب علموں کے لیے علمی مواد کا گراں قدر ذخیرہ ہوتی ہے اس لیے احقر نے بڑے اہتمام سے آنجناب کی تقریباً تمام تالیفات جمع کی ہوئی ہیں اور وقتاً فوقتاً درس وغیرہ میں ان سے استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ الحمدللہ یہ کتاب بھی حسبِ سابق ہم جیسے طالب علموں کے لیے نعمتِ بیش بہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماکر اس کا نفع عام اور تام فرمائیں۔

آنجناب نے ایک مقام پر اس ناکارہ کے ایک رسالے کا حوالہ دے کر احقر کی عزت افزائی فرمائی ہے اپنے بڑوں کی شان ہمیشہ یہی دیکھی کہ چھوٹوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ

کتاب کے بارے میں اپنے تأثرات پر مشتمل چند سطور لکھ کر "البلاغ" میں دے رہا ہوں۔ غالباً ربیع الاول کے شمارے میں شائع ہوں گی۔ انشاء اللہ۔

دعاؤں کا بے حد محتاج اور خواستگار ہوں۔ والسلام

۲۷ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

البلاغ کی مکمل عبارت یہ ہے

کتاب: الکلام المفید فی اثبات التقلید ، مؤلف: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہم العالی۔ ناشر: ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، ضخامت: ۲۰×۲۶ سائز کے ۳۴۱ صفحات کتابت و طباعت: متوسط ، قیمت: درج نہیں۔ (جلد کی پشت پر درج ہے)

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہم العالی اپنے علم و فضل اور تحقیقی ذوق کے لحاظ سے ہمارے ملک کی قیمتی متاع ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تادیر بایں فیوض سلامت رکھیں انھوں نے اپنے قلم سے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں اور مسلکِ حق کے اثبات اور عہد حاضر کے مختلف مکاتبِ فکر پر جو عالمانہ تنقیدیں فرمائی ہیں وہ ہمارے علمی اور دینی لٹریچر کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

زیر نظر کتاب ان کی تازہ تالیف ہے جس میں انھوں نے تقلید کے مسئلے پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے جو لوگ تقلید کو کفر و شرک یا غیر شرعی سمجھتے ہیں ان کے دلائل و شبہات پر نہایت تفصیل اور تحقیق و انصاف کے ساتھ گفتگو کر کے مسئلے کو منقح فرما دیا ہے۔ مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو بات لکھتے ہیں اس کی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور انکی کتاب کا ہر صفحہ ان حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے یہی اسلوب اس کتاب میں بھی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

حضرت مولانا نے اولاً تقلید کی حقیقت قرآن و حدیث اور صحابہؓ و بزرگانِ دین کے اقوال اور تعامل کی روشنی میں واضح فرمائی ہے اور تقلید صحیح کے اثبات میں مستحکم دلائل پیش کیے ہیں پھر ان تمام شبہات کا جائزہ لیا ہے جو تقلید کے خلاف بطورِ دلیل پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز خاص طور پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپکی فقہ کو جن اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے انکو ایک ایک کر کے انکی حقیقت اسطرح واضح فرمائی ہے کہ ایک طالبِ حق کے لیے مجالِ انکار باقی نہیں رہتی۔ امید ہے کہ مولانا مدظلہم کی اس کتاب کی اہلِ علم کما حقہ پذیرائی فرمائیں گے۔ (محمد تقی عثمانی)۔ (ماخوذ البلاغ ص۶۳ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء)

حضرت العلامہ الحافظ مولانا عبد الدیان صاحب کلیم فاضل دارالعلوم دیوبند پروفیسر پشاور یونیورسٹی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

ہر تصنیف میں مصنف کی شخصیت کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے اگر مصنف اہل اللہ ہے تو ان کی تصنیف سے ایک روشنی اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے اور اگر اہلِ زیغ ہے تو دل میں یک گونہ کدورت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

"الکلام المفید فی اثبات التقلید" کا مصنف چونکہ ولی اللّٰہی قافلہ کے ایک فرد ہیں اور موجودہ دور میں دینِ اسلام کے صاف چہرے سے بدعت و الحاد کے گرد و غبار جھاڑنے اور دینِ حق، قرآن و سنّت کی روشنی دُنیا میں پھیلانے والے علماء حق کے ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کتاب پر بحیثیت مصنف بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ کا اسم گرامی ہونا کتاب کے مستند ہونے کا ثبوت ہے۔ (الا ماشاء اللہ تعالیٰ)

تقلید کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر "الکلام المفید فی اثبات التقلید" بعض خصوصیات کی وجہ سے اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے تقلید کی بعض قسمیں خالص شرک، بدعت اور ناجائز ہیں اور بعض قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں۔ کون سی قسمیں خالص شرک و حرام اور کون سی قسمیں مباح بلکہ واجب ہیں؟ خود مصنف مدظلہ کی زبانی سُنیے۔ فرماتے ہیں:

"قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل کی موجودگی میں یا ان کے مقابلہ میں تقلید حرام ناجائز، مذموم اور بدعت ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ لیکن اگر کسی مسئلہ کی ان میں صراحت موجود نہ ہو تو ایسے موقع پر کسی مجتہد کی تقلید جائز ہے اور کسی ایک مجتہد کی تقلید سے بھی مکلف عہدہ برآ ہو جاتا ہے اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے جیسا کہ اس پیش کتاب میں اس کی باحوالہ مفصل بحث موجود ہے۔۔ الخ" (الکلام المفید ص ۲۳)

مصنف مدظلہ کی انصاف پسندی ملاحظہ ہو کہ "اس میں جس طرح غیر مقلدین حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں مقلدین کی اصلاح اور علمی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تاکہ افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے اجتناب کیا جا سکے۔" (الکلام المفید ص ۱۹، ۲۰ عرض حال)

غیر مقلدین

ہندوستان میں ایک نومولود فرقہ ۱۲۴۶ھ میں ظاہر ہوا جس کا بانی مبانی عبدالحق بنارسی تھا اس وقت سے لے کر اب تک عبدالحق بنارسی کے مقلد پیروکار تقلید کو حرام، شرک اور مقلدین (مذاہب اربعہ) کو مشرک، فرقہ ناجیہ سے خارج کہتے چلے آ رہے ہیں اور اپنا سارا زور اس پر صرف کرتے ہیں کہ "حق مذہب اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام فرقوں سے بچیں۔" بلفظہ۔

(سیاحۃ الجنان بمالحۃ اہل الایمان ص ۴ بحوالہ الکلام المفید ص ۲۱)

یہ عبدالحق کون تھا؟ اور کس طرح اپنے غیر مقلدانہ عقائد لوگوں میں پھیلاتا رہا اسکی تفصیل آپ کو "الکلام المفید" کے باب ششم میں "خود کو پہچانیے" کے عنوان سے ملے گی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی کے استاد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبدالحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین (سیّد احمد صاحب بریلوی الحنفی المتوفی ۱۲۴۶ھ شہیداً)

نے کے باعث اپنی جماعت سے اسکو نکال دیا اور علماء حرمین نے اس

ہ بھاگ کر وہاں سے چل نکلا۔ (الیٰ قولہ) اپنے تئیں خلیفہ امیر المؤمنین

قائد سے بتدریج مطلع لیا۔ الخ...

بن ص ۲، برحاشیہ نظام الاسلام طبع خورشید عالم لاہور

اکہلاتے تھے پھر اہل حدیث بن گئے۔ یہ کیسے بن گئے؟

اس کی ۔ ئیے۔ فرماتے ہیں: "اس فرقہ (غیر مقلدین کلیم) کا بانی

حضرت سیّد احمد بریلوی ۔ ، سے راندہ ہوا عبدالحق بنارسی تھا۔ لوگوں میں یہ فرقہ

وہابی کے لفظ سے موسوم تھا لیکن وہ ۔پ لاتا رہا پھر سعی بلیغ کر کے یہ فرقہ اہل حدیث بنا

اور جہاد کی منسوخیت کی کتاب لکھ کر سرکار برطانیہ سے انعام اور جاگیر بھی پائی اور اس کے صلہ میں سرکاری کاغذات اور دفاتر سے لفظ وہابی منسوخ کر کے اہلِ حدیث کا حکم صادر کرایا مگر صد حیرت کہ یہ فرقہ، مقلدین حضرات کو چوتھی صدی کے بعد کی بدعت کا طعنہ دیتا ہے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جھانکنے کی ذرہ بھر تکلیف نہیں کرتا۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

(الکلام المفید ص۱۳۹)

کتاب میں غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بعض غیر مقلدانہ فتاوٰی بھی درج ہیں۔ عبرت کے لیے اس کا پڑھنا بھی مفید ہوگا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب غیر مقلدوں کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ "فیصلہ مکہ" میں اسکی تفصیل ملتی ہے مگر مجھے جس چیز سے دلچسپی ہے وہ یہ ہے کہ جب غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ "مقلدین موجود، دس۱۰ وجہوں سے گمراہ اور فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں جن سے مناکحت (شادی) جائز نہیں۔ وجہ اول یہ کہ موجودہ حنفیوں میں تقلید شخصی پائی جاتی ہے جو سراسر حرام اور ناجائز ہے۔" (سیاحۃ الجنان ص۵ بحوالہ الکلام المفید ص۲۲)

محمد بن عبدالوہاب نجدی

تو میرا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی مقلد تھا، تقلید شخصی کرتا تھا۔ فروع میں حنبلی مذہب کا پیرو تھا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کو پاکستان میں زمانہ حال کے غیر مقلدین نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ خود اس کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے: جب مصر کے ڈاکٹر محمد البہی صاحب نے وہابی تحریک کے سلسلہ میں یہ لکھا کہ:
"اٹھارہویں صدی عیسوی میں محمد بن عبدالوہابؒ نے حنبلی مذہب پر اس تحریک کی بنیاد رکھی اور چونکہ مذاہبِ اسلامیہ میں سے ایک خاص مذہب پر اس کی اساس قائم ہے لہٰذا یہ اسی مذہب کی ایک شاخ ہے اور اسی کی اتباع کا کردار ادا کر رہی ہے۔" (الحرکۃ الوہابیہ ص۳۱)

تو جواب میں کہا گیا کہ؟ ان الفاظ سے ڈاکٹر صاحب تحریک وہابیت پر حنبلی مذہب کی تقلید کا الزام لگانا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حرف گیری نہیں ہے کیونکہ جس حد تک

فقہی فروعی مسائل کا تعلق ہے۔ تحریک کسی پانچویں مذہب کا اضافہ نہیں چاہتی جیسا مخالفین اس پر طعن دیتے ہیں۔ بلکہ تحریک کا اصل مقصد تو اصول عقائد کی تصحیح ہے۔۔۔ الخ" (الحرکۃ الوہابیہ صـ۳۱)

کچھ آگے صاف تحریر کرتے ہیں کہ "ہاں یہ صحیح ہے کہ تحریک کے بانی فروع میں حنبلی تھے" (الحرکۃ الوہابیہ صـ۳۲) یہ کتاب الادارۃ الاسلامیہ حاجی آباد فیصل آباد۔ پاکستان نے شائع کی ہے۔

جمعیت اہلِ حدیث کے ترجمان "الاسلام" لاہور نے بھی لکھا ہے: "اہلِ حدیث گروہ تقلید شخصی کا قائل نہیں۔ انھیں وہابی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ وہابی (اہلحدیث نہیں، کلیم) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک اہلِ نجد کو کہا جاتا ہے اور وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں۔ اس کے برعکس اہلحدیث تقلید شخصی کے قائل ہی نہیں۔ ("الاسلام" لاہور ۱۳ مارچ ۷۹ء بحوالہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ صـ۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ مطابق مئی ۱۹۷۹ء)

اب سوال یہ ہے کہ جب محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہلِ نجد بقول جمعیت اہلِ حدیث کے ترجمان کے "حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں" اور جب امام احمد بن حنبل کے مقلد ہوئے تو ظاہر ہے کہ تقلید شخصی کرتے ہیں تو محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہلِ نجد "مقلد" ہونے اور "تقلید شخصی" کرنے کی وجہ سے فرقہ ناجیہ سے خارج مشرک اور جہنمی ہوئے۔ کیونکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوالشکور عبدالقادر حصاری لکھتے ہیں: "حق مذہب اہلِ حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہلِ حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں۔ بلفظہٖ (سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان صـ۴ بحوالہ الکلام المفید صـ۱۲)

تو اب اگر "مقلد" ہونے اور "تقلید شخصی" کی وجہ سے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور انکے ہم مسلک اہلِ نجد اہلِ حدیثوں کے فتویٰ کی رُو سے فرقہ ناجیہ سے خارج مشرک اور جہنمی ہوئے ہیں تو اہلِ حدیث ان کو "شیخ الاسلام" اور "مجدد و مصلح" کیوں کہتے اور لکھتے ہیں؟ کیا کوئی مشرک اور جہنمی بھی شیخ الاسلام اور مجدد و مصلح ہو سکتا ہے؟ آخر یہ بات کیا ہے؟ کہیں سعودی ریال کا زور نہیں؟؟؟

ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ "تحریکِ وہابیت پر حنبلی مذہب کی تقلید کا الزام کوئی حرف گیری نہیں ہے" اور دوسری طرف احناف پر حنفی مذہب کی تقلید نہ صرف حرف گیری بن جاتا ہے بلکہ شرک و حرام ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ "جس حد تک فروعی مسائل کا تعلق ہے تحریک

کسی پانچویں مذہب کا اضافہ نہیں چاہتی "، اور دوسری طرف مقلدین مذاہب اربعہ (کیونکہ سب تقلیدِ شخصی کرتے ہیں) کو فرقۂ ناجیہ سے خارج کر کے مشرک و جہنمی قرار دے کر خود پانچواں مذہب غیر مقلدین ایجاد کرتے ہیں۔ جتنا زور، وقت، روپیہ نشر و اشاعت پر نام نہاد اہلِ حدیث فروعی مسائل میں تقلید شخصی کرنے کی وجہ سے احناف مقلدین کے فرقہ ناجیہ سے خارج کرنے اور مشرک و جہنمی بنانے پر صرف کرتے ہیں۔ اتنا زور، وقت، روپیہ یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہلِ نجد حنبلی مقلدین کو مشرک و جہنمی ہونے کی اشاعت پر کیوں صرف نہیں کرتے جبکہ تقلید شخصی کے جرم میں برابر کے شریک ہیں اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ احناف فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اہل نجد فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ کیا اہلِ حدیث کے دانش ور حضرات اس معمہ کو حل فرمائیں گے ؟؟؟

"الکلام المفید" کے مباحث ہیں باب نہم اہلِ حدیث حضرات کے لیے خاص طور سے بہت مفید رہے گا۔ اپنے شیخ الکل کی حدیث فہمی، دو رنگی اور کہہ مکرنی سے خوب لطف اٹھائینگے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی بعید نہیں کہ مصنف مدظلہ کے علمی تعاقب سے اہلِ حدیث منصف مزاج حضرات حقیقت کو پا جائیں اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا مقصد ہے۔

تقلید اور اس کی شرعی حیثیت، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تابعیت، محدثین کرام میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام اور ان کے مشہور محدثین تلامذہ بعض مشہور مقلدین، محدثین اور فقہائے کرام کے اسمائے گرامی، غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات اور دیگر اہم مباحث پر مشتمل یہ کتاب "الکلام المفید فی اثبات التقلید" اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور مصنف کو اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ عمر دراز عطا فرما کر مزید دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

بحرمت سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کاغذ سفید، طباعت روشن اور جلد نفیس ہے۔

فقط والسلام

عبدالدیان کلیم ۳ اپریل ۱۹۸۶ء

ل

محققِ وقت مناظرِ اسلام واعظِ خوش بیان حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی دامت برکاتہم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد ! اسلام دنیا میں اتحاد واتفاق کا پیغام لے کر آیا ۔ ہمارا یہ ملک پاک وہند جس میں اسلام لانے والے اسلام پھیلانے والے اور اسلام قبول کرنے والے سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے اور ہزار سال سے زائد عرصہ گزر گیا کہ پورا ملک اتفاق واتحاد کا گہوارہ تھا اسلام پر بارہ صدیاں گزر گئیں ۔ حدیث الآیات بعد المائتین کے مطابق علاماتِ قیامت کا آغاز ہو گیا ۔ انگریز جو بغرضِ تجارت اس ملک میں آیا تھا اس نے ملک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ۔ انگریز کا اپنا دین تحریف شدہ تھا ۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اسلام میں بھی تحریف وتبدیل ہو جائے چنانچہ اس نے تحقیق اور ریسرچ کے نام پر مسلمانوں میں دین بیزاری اور مذہبی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کی مہم کا آغاز کرایا اور مسلمانوں میں افتراق وتشتت کو ہوا دی ۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو ۔ ملکہ وکٹوریہ نے مذہبی آزادی کا اشتہار دیا تو چند لوگ تقلید مذہبی چھوڑ کر غیر مقلد بن گئے اور مسلمانوں کے گھروں اور مساجد میں فتنہ ڈال دیا ۔ ہر گھر میں لڑائی ، ہر مسجد میں فساد الفتنۃ اشد من القتل جیسی نصِ قرآنی کے مقابلہ میں ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار مذہبی کو زیادہ وقیع سمجھا اور موافقِ حدیثِ پاک لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا سلف کے خلاف بدزبانی اور بدگمانی کی مہم کا آغاز کر دیا ۔ ابتدا میں فقہی اختلافات کو ہوا دے کر فقہ کا انکار کیا گیا ۔ پھر احادیث کے اختلاف کو اچھال کر احادیث کا انکار کیا گیا اور پھر اجماعی مسائل کا انکار کر دیا گیا ۔ فقہ ، حدیث اور اجماع کے انکار کے بعد قرآن پاک میں تفسیر بالرائے کا دروازہ کھولا گیا جس کی واضح مثال مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے ۔ فقہ اسلامی کو قرآن وحدیث کے خلاف کہا گیا اور اپنی تحریفات اور ناقص آراء اور خواہش پرستی کو قرآن وحدیث کا نام دے دیا ۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اس ملک میں سب اہل السنت والجماعت حنفی تھے ۔ کوئی سُنّی تقلید کا منکر نہ تھا اور اس کا انکار ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ جس دن سے اسلام دنیا میں آیا ہے تقلید ساتھ ہی آرہی ہے ۔ اسلام میں ایک دن میں بھی فتویٰ لینے اور دینے پر پابندی نہیں لگائی گئی اور نہ مفتی کو

پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر مسئلہ کی دلیل تفصیلی بیان کرے نہ مستفتی پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ جب تک ہر جزئی مسئلہ کی دلیل تفصیلی کا مطالبہ نہ کرے اور اسے سمجھ نہ لے تو وہ اس مسئلہ پر عمل نہ کرے۔ حضرات صحابہؓ تابعینؒ کے ہزارہا فتاویٰ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الآثار ابو یوسف اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں نہ فتویٰ دینے والوں نے ہر فتویٰ کے ساتھ آیت اور حدیث پیش کی نہ عمل کرنے والوں نے کہا کہ جب تک آپ آیت و حدیث پیش نہ کریں گے ہم ہرگز عمل نہیں کریں گے۔ یہ ہزارہا فتاویٰ آفتابِ نیمروز کی طرح واضح کر رہے ہیں کہ خیر القرون میں تقلید تواتر کے ساتھ موجود تھی۔ پھر حضرات ائمہ اربعہؒ کی فقہ مرتب ہوئی ان کے مسائل لاکھوں سے متجاوز ہیں ان میں بھی صرف مسائل ہی مرتب کروائے گئے انکے تفصیلی دلائل مرتب نہیں کروائے گئے اور عوام نے بلا مطالبہ دلیل ہر زمانے میں ان پر عمل کیا تو حضرات ائمہ اربعہؒ سے بھی لاکھوں مسائل کے ضمن میں تواتر کے ساتھ اپنی تقلید کروانا واضح ہو گیا۔ الغرض اسلام میں تقلید ہر زمانہ میں متوارث رہی ہے۔ اب بھی زبان سے یہ لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں لیکن عملاً نااہل مولویوں کی تقلید میں مبتلا ہیں۔

دائرہ اجتہاد و تقلید

مسائل فرعیہ دو قسم کے ہیں: (۱) منصوص (۲) غیر منصوص۔ پھر منصوص دو قسم ہیں متعارض، غیر متعارض۔ پھر غیر متعارض دو قسم ہیں: محکم، محتمل

(۱) جو مسائل منصوص غیر متعارض اور محکم ہیں ان میں نہ اجتہاد کی گنجائش ہے اور نہ تقلید کی۔

(۲) مسائل غیر منصوصہ: مجتہد غیر منصوص جزئی کا حکم قواعد شرعیہ کے مطابق منصوص پر قیاس کر کے ظاہر کرتا ہے اور مقلد اسی حکم پر جو مجتہد نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہے عمل کرتا ہے جیسے شوربے میں چیونٹی، دودھ میں بھڑ، شربت میں مچھر گر جائے تو کیا کیا جائے؟ ان کا حکم صراحۃً کتاب و سنّت میں منصوص نہیں ہے۔ مجتہد نے ان سب کو مکھّی پر قیاس کر لیا۔ اب منکرین تقلید کا فرض ہے کہ وہ ایک صریح آیت یا صحیح، صریح غیر معارض حدیث پیش کریں کہ غیر منصوص مسئلہ کا حکم قیاس شرعی کے موافق مجتہد کتاب و سنّت سے استنباط کرے تو یہ حرام ہے اور غیر مجتہد وہ مسئلہ مجتہد سے پوچھ کر عمل کرے تو یہ حرام اور شرک ہے لیکن وہ ادھر اُدھر کی باتیں تو بہت کریں گے مگر قیامت تک ایسی آیت یا حدیث پیش نہیں کر سکیں گے۔

(۳) مسائل منصوصہ متعارضہ میں مجتہد رفع تعارض کر کے راجح نص پر عمل کرتا ہے اور مقلد بھی مجتہد کی رہنما

میں راجح نصّ پر ہی عمل کرتا ہے اگر یہ ناجائز ہے تو منکرینِ تقلید پر لازم ہے کہ ایسی آیت یا حدیث پیش کریں جس میں صراحت ہو کہ مجتہد کے لیے متعارضات میں رفع تعارض کرنا حرام ہے اور مقلّد کے لیے مجتہد کی رہنمائی میں راجح نصّ پر عمل کرنا شرک ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ متعارضات میں جن احادیث کے موافق عمل کو خیر القرون کے مجتہد نے راجح قرار دیا اور اس وقت ہزاروں محدّثین، ہزاروں فقہاء، مفسرین اور کروڑہا عوام ان پر عمل کرتے آرہے ہیں ان پر عمل کرنے کا نام غیر مقلدین نے عمل بالرائے رکھا ہے اور جن احادیث کو خیر القرون کے مجتہد نے مرجوح قرار دیا ان پر عمل کا نام عمل بالحدیث رکھا ہے۔

(۴) مسائلِ منصوصہ محتملہ میں مجتہد رفع احتمال کر کے نص پر عمل کرنے کی راہ متعین کرتا ہے اور مقلد اسکی رہنمائی میں اس نص پر عمل کرتا ہے منکرینِ تقلید میں ہمت ہے تو ایک آیت یا حدیث پیش کریں کہ محتمل نصّ میں رفع احتمال کرنا حرام ہے یا رفع احتمال کے بعد اس نص پر عمل کرنا شرک ہے۔ یہ ہے دائرہ اجتہاد و تقلید۔ ان تین قسم کے مسائل میں جو استنباط کر سکتا ہے (غیر منصوص کا حکم، رفع تعارض، رفع احتمال)، وہ مجتہد ہے اور جو یہ اہلیت نہیں رکھتا وہ اگر ان مجتہدین کی رہنمائی میں کتاب و سنّت پر عمل کرے تو مقلّد ہے اگر نہ خود اجتہاد کر سکے نہ مجتہد کی رہنمائی قبول کرے تو اسے غیر مقلد کہتے ہیں۔

مجتہد اور مقلد کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے امام اور مقتدی کا اور غیر مقلد ایسا ہے کہ نہ امام ہو نہ مقتدی بنے۔ امام و مقتدی کو گالیاں دے یا یہ تعلق ایسا ہے جیسے حاکم اور رعایا کا اور غیر مقلد کی مثال باغی کی ہے کہ نہ وہ خود حاکم ہے نہ حاکم کی تابعداری کرتا ہے یا ایسا کہ نہ خود ڈاکٹر ہو نہ ڈاکٹر سے علاج کروائے بلا علاج تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ، تابعینؒ، محدثینؒ و مجتہدینؒ کو غیر مقلد کہنا انکی سخت توہین ہے حضرات صحابہؓ کو غیر مقلد کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ان میں نہ کوئی مجتہد تھا اور نہ مجتہد سے فتویٰ لینے والا ان میں نہ کوئی امامت کی اہلیت رکھتا تھا نہ اقتدار کی۔ اس لیے کسی کو غیر مقلد ثابت کرنے کے لیے دو باتوں کا ثابت کرنا ضروری ہے ایک یہ کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت نہیں دوسرے یہ کہ باوجود اجتہاد کی اہلیت نہ ہونے کے وہ قیاس کو کارِ شیطان اور تقلید کو شرک کہتا ہے۔

الغرض انگریز کے دور میں مسئلہ تقلید مجتہد کا بعض لوگ انکار کرنے لگے اس انکار کی وجہ کوئی قرآن کی آیت یا حدیث نہیں تھی بلکہ ملکہ وکٹوریہ کا اشتہار تھا جس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے ترجمانِ وہابیہ میں کیا ہے اس مسئلہ پر غیر مقلدین نے جو وساوس پھیلا رکھے ہیں وہ اکثر رافضیوں سے سرقہ شدہ ہیں انکے وساوس کا جزوی جواب مختلف اوقات میں علماء نے لکھا۔ لیکن ضرورت تھی کہ انکے تمام وساوس کا جواب یکجا ہو جائے امام العصر فقیہ وقت المحقق المدقق حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لازالت شموس فیوضھم بازغۃ علینا جنکو اللہ تعالیٰ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر کے ملکہ سے بھی نوازا ہے نے

باوجود انتہائی مصروفیات کے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور الحمد للہ موضوع کا حق ادا فرما دیا۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور پندرہ ابواب ہیں

مقدمہ میں تقلید کی تعریف بیان فرمائی ہے کیونکہ غیر مقلدین سب سے پہلا دھوکا اس میں دیتے ہیں کیونکہ تقلید کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم ایک محمود تقلید مذموم یہ ہے کہ کسی کی بات محض بے دلیل ہو اس پر عمل کرنا اور تقلید محمود یہ ہے کہ کوئی مسئلہ نفس الامر میں تو مدلل ہو لیکن عمل کرنے والا دلیل کا مطالبہ نہ کرے محض حسنِ ظن اور اعتماد پر عمل کرے کہ یہ مسئلہ یقیناً کسی نہ کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے غیر مقلدین تقلید مذموم والی تعریف سناتے ہیں اور تقلیدِ محمود والی چھپاتے ہیں اسطرح تو مشکوٰۃ شریف سے حدیث پڑھ کر عمل کرنے والا بھی مقلد ہے کیونکہ اس میں نہ سندیں موجود ہیں نہ سندوں کی تحقیق ہے۔ یاد رہے کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا یا کسی راوی کا معتبر یا غیر معتبر ہونا بھی اُمتیوں کے اجتہاد سے معلوم ہوتا ہے ان پر اعتماد کر کے کسی حدیث کو صحیح کسی کو ضعیف کہنا یا کسی راوی کو ثقہ اور کسی کو ضعیف کہنا بھی تقلید ہے۔

بابِ اوّل میں قرآنی آیات، بابِ دوم میں احادیث سے تقلید کا ثبوت پیش فرمایا ہے۔ بابِ سوم میں غیر مقلدین کے اس جھوٹ کی قلعی کھولی ہے کہ تقلید چوتھی صدی کی بدعت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں فروعی مسائل دریافت کرنے کے تین طریقے تھے۔ (۱) ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ حضرتؐ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر رہتے تھے وہ نیا پیش آمدہ مسئلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے جو حضراتِ صحابہؓ دور ہوتے وہ اگر حضرت معاذؓ کی طرح مجتہد ہوتے تو اجتہاد کر لیتے ورنہ تقلید۔ حضرت کے وصال ۱۱ھ کے بعد سے مسئلہ اجتہادی کے لیے دو ہی طریقے رہ گئے۔ خیر القرون میں یہی دو طریقے جاری رہے بعض لوگ مجتہد تھے باقی مقلد۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو گیا اب صرف اور صرف تقلید باقی رہ گئی۔ اس کا یہ مطلب بیان کرنا کہ تقلید اب شروع ہوئی، جھوٹ ہے جیسے حضورؐ کے زمانہ میں سات لغات پر قرآن پڑھا جاتا تھا مگر عہدِ عثمانیؓ میں لغتِ قریش کے علاوہ باقی لغات پر قرآن پڑھنے سے روک دیا گیا اور صرف لغتِ قریش باقی رہی اب اس کا مطلب یہ بیان کرنا کہ لغتِ قریش پر تلاوت نہ عہدِ نبویؐ میں تھی نہ عہدِ صدیقیؓ میں، نہ عہدِ فاروقیؓ میں، لہٰذا یہ بدعت اور ناجائز ہے محض فریب ہے حضرت نے اس باب میں کتنے مقلدین کی فہرست دے کر اس جھوٹ کا پول کھول دیا ہے۔ بابِ چہارم میں چوتھی صدی کے بعد کے بڑے بڑے مقلدین کا ذکر ہے اور مشہور محدثین اور مؤلفین صحاح ستہ کے مذاہب کا بیان ہے۔ بابِ پنجم میں رائے محمود اور مذموم کا تذکرہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رائیں تین قسم کی ہیں۔ (۱) کتاب وسنت کی تردید کے لیے جیسے شیطان نے حکم الٰہی کو ردّ کرنے کے لیے رائے دی اور کافروں نے سود کو تجارت پر قیاس کیا۔ یہ مذموم ہے۔ (۲) کتاب وسنت کی تشریح اور تعبیر کے لیے یہ اگر اہل کی طرف سے ہو تو اجتہاد ہے اگر نا اہل کی طرف سے ہو تو الحاد ہے۔ اجتہاد محمود ہے، الحاد مذموم۔ غیر مقلدین رائے مذموم والی روایات کو رائے محمود کے خلاف پیش کر کے یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَنْ

مَوَاضِعِہٖ پر عمل کرتے ہیں۔ بابِ ششم میں معتبر تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ نومولود فرقہ دورِ انگریز کی پیداوار ہے اور اس کے مقصد صرف دو ہیں۔ کافروں سے جہاد حرام مسلمانوں میں فتنہ و فساد فرض۔
بابِ ہفتم میں انکی ظاہر پرستی اور سطحیت کا ذکر ہے کہ جسطرح سعدیؒ کے شعر

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست　　در پریشان حالی و در ماندگی

پر عمل کر کے کسی نے دوست کی پٹائی کرا دی تھی۔ ایسا ہی طریقہ غیر مقلدین کا قرآن و حدیث پر عمل میں ہے۔
بابِ ہشتم میں اختلاف رائے میں وسعتِ نظری اور اجتہاد میں خطا پر بھی اجر کا ثبوت پیش کیا ہے۔ غرض مقلد کو ذرہ بھر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اسکا عمل ہر حال میں مقبول ہے اگر عمل صواب ہے تو دو اجر اگر خطا بھی ہے تو ایک اجر ضرور ملے گا۔ بابِ نہم میں ترک تقلید کے مفاسد کا بیان ہے کہ یہ تمام فتنوں کی ماں ہے۔ فتنہ انکار حدیث، فتنہ اباحیت، فتنہ نیچریت، فتنہ مرزائیت، فتنہ مودودیت، فتنہ ناصبیت و خارجیت وغیرہ ان سب نے غیر مقلدیت کی کوکھ سے ہی جنم لیا ہے۔ اس باب میں شجرہ تقلید کے پھولوں اور ترک تقلید کے کانٹوں کا ذکر ہے۔
باب دہم میں اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے کہ خود حضرات آئمہ اربعہؒ نے عوام کو تقلید سے منع فرمایا ہے حالانکہ حضرات آئمہ نے عوام کے عمل کیلیے مسائل مرتب کروائے اور وہ سب بلا ذکرِ دلیل ہیں ہاں وہ اپنے مجتہد شاگردوں کو حکم دیتے تھے کہ انکے اقوال کو بلا دلیل نہ مانیں انکے ان اقوال کو جنکے مخاطب مجتہدین ہیں عوام پر چسپاں کرنا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کا مصداق ہے۔ باب یازدہم میں امام الآئمہ سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خصوصیات اور فضائل کا ذکر ہے۔ باب دوازدہم میں غیر مقلدین کے اس جھوٹ کا پردہ فاش کیا ہے کہ امام اعظمؒ حدیث پر قیاس کو مقدم فرماتے تھے اور مسئلہ مُصَرّاۃ، خیار مجلس، نکاح محرمات وغیرہ مسائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد قیاس مذموم والی روایات کا بیان ہے۔
باب سیزدہم میں قرآنِ پاک کے نام سے تقلید کے خلاف جو وساوس پھیلائے گئے ہیں ان آیات کی وضاحت ہے۔
باب چہاردہم میں حدیث کے نام پر تقلید کے خلاف مغالطہ آفرینیوں کا جواب ہے۔ باب پانزدہم میں تقلید کے خلاف اجماع کے نام سے جو دھوکا دیتے ہیں اسکی وضاحت ہے۔ الغرض مسئلہ تقلید کے تقریباً ہر پہلو پر سیر حاصل اور باحوالہ بحث ہے اور ضمنی طور پر بے شمار مزید وساوس کی نقاب کشائی فرمائی ہے اگر کوئی غیر مقلد تعصب کی عینک اُتار کر مطالعہ کرے تو اسکی دلی بیماری کیلیے تریاق کی طرح یہ مفید ہے اور احناف تو حضرت کے نہایت ہی ممنون ہیں کہ اپنے مسلک کو سمجھنے اور سمجھانے کیلیے افراط و تفریط سے ہٹ کر نہایت اعتدال کے ساتھ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے فائدہ کو عام اور تام فرمائیں اور حضرت کے علوم سے ہمیں زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع دیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم الانبیاء وعلی جمیعھم الصّلوات والتسلیمات وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

العبد: محمد امین صفدر اوکاڑوی